خانقاہی نظام

کے

پانچ ستون





عقیدہ و نسبت

عمل و کردار

تبلیغ

تدریس

خدمتِ خلق

فرمودہ

زینت السادات نور السادات فخر السادات

فخر المشائخ پیرِ طریقت رہبرِ شریعت حضرت پیر سیّد

جانشین گنج کرم

شیخ المشائخ

باباجی

میر طیب علی شاہ بخاری

صاحب مدظلہ

سجادہ نشین

آستانہ عالیہ

حضرت کرماں والا شریف

مُصنّف

پیر ثناء اللہ طیبی مجددی نقشبندی

خلیفہ مجاز آستانہ عالیہ حضرت کرمانوالہ شریف

زیر سرپرستی

پیر حاجی انعام اللہ طیبی برکاتی نقشبندی مدظلہ

خلیفہ مجاز آستانہ عالیہ حضرت کرمانوالہ شریف

کرماں والا بک شاپ

بسم الله الرحمن الرحيم

صَلُّوا عَلَى الْحَبِيبِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى حَبِيبِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

خانقاہی نظام

کے

پانچ ستون

عقیدہ و نسبت[1] ، عمل و کردار[2] ، تبلیغ[3] ، تدریس[4] ، خدمتِ خلق[5]

فرمودہ

زینت السادات، نور السادات، فخر السادات، فخر المشائخ، پیر طریقت، رہبر شریعت حضرت پیر سید

بابا جی

میر طیب علی شاہ بخاری صاحب مدظلہ

جانشین گنج کرم شیخ المشائخ

سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرمانوالا شریف

مصنف

پیر ثناء اللہ طیبی مجددی نقشبندی

خلیفہ مجاز آستانہ عالیہ حضرت کرمانوالہ شریف

زیر سرپرستی

پیر حاجی انعام اللہ طیبی نقشبندی برکاتی مدظلہ

خلیفہ مجاز آستانہ عالیہ حضرت کرمانوالہ شریف

کرماں والا بک شاپ

Voice: 042-37249515

بفیضانِ کرم

شمس العارفین سراج السالکین قطب الاقطاب، پیر طریقت، رہبر شریعت

حضرت پیر سید محمد اسماعیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

المعروف حضرت کرماں والے۔ آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف (اوکاڑہ)

- حضرت سید پیر محمد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت سید پیر میر طیب علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت سید پیر غلام جیلانی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت سید پیر محمد علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت سید پیر محمد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت سید پیر غضنفر علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بفیضانِ نظر

زینت السادات، نور السادات، فخر السادات

حضرت سید پیر

صمصام علی شاہ بخاری

آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف

بفیضانِ نظر

فخر المشائخ، پیر طریقت رہبر شریعت حضرت

بابا جی پیر سید میر طیب علی شاہ بخاری

سجادہ نشین

آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف

زیر سرپرستی:

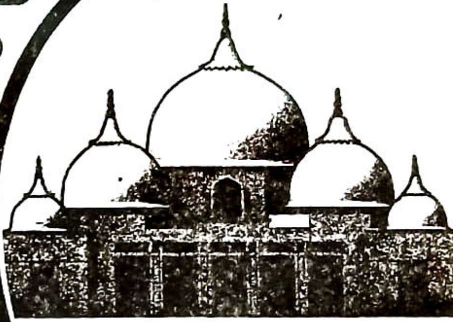
حاجی پیر انعام اللہ طیبی

برکاتی نقشبندی

خلیفہ مجاز آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف

جملہ حقوق محفوظ ہیں

قیمت [redacted] روپے



چاہتے ہو اگر نیک نامی آل زہرا رضی اللہ عنہما کی کرو غلامی

ان ہی کے صدقے سے زاہد نیازی پر سکون کے سہارے ہوئے ہیں

الحاج صوفی

برکت علی

بانی برکت علی ٹیلرنگ شاپ

سمیع اللہ برکت

اشاعت 17-02-2016

السلام اے شاہ محمد اسماعیل فخر عارفین

السلام اے پیر سرمد میاں کے جانشین

فہرست مضامین

من گویم

الحمد للہ رب العالمین! بلاشبہ تمام تعریفیں اللہ رب العزت ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا مالک و خالق ہے۔ جس کا حکم تمام مخلوقات پر جاری و ساری ہے۔

درود لامحدود ہو ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو تمام مخلوقات کے لئے رحمت بن کر مبعوث ہوئے۔ ان مخلوقات میں انسانوں کے علاوہ جنات اور تمام جاندار' نباتات' دریا' پہاڑ' صحرا' سمندر' درخت غرض یہ کہ جس میں بھی زندگی کے آثار دکھائی دیتے ہیں اُن کے لئے رحمت بن کر مبعوث ہوئے۔

بلادِ ہند میں دین متین کی تبلیغ و ترویج کے لئے مسلم بزرگانِ دین نے دنیا کا سب سے عجیب نظام متعارف کروایا جسے ''خانقاہی نظام'' کہا جاتا ہے۔ یہ نظام پوری دنیا میں اپنی نوعیت کا واحد اور انوکھا نظامِ تربیت تھا جو مسلم اولیائے کرام نے بلادِ ہند میں شروع کیا۔ جس میں انہوں نے اپنے پاس آنے والوں کی بڑی عمدگی کے ساتھ تربیت فرمائی' نہ صرف یہ کہ انہیں رموزِ دین سے متعارف فرمایا بلکہ مروّجہ علوم سے بھی روشناس فرمایا۔

اس دوران تمام تر اخراجات مسلم صوفیاء کرام ہی برداشت کرتے تھے جن میں قیام و طعام کے علاوہ ملبوسات کی فراہمی بھی ہوا کرتی تھی' یہی نہیں بلکہ جب کوئی سالک چار چھ ماہ کے بعد اپنے گھر جانا چاہتا تو اسے زادِ راہ کے علاوہ نئے ملبوسات اور گھر والوں کے لئے بھی خرچہ عنایت فرمایا جاتا۔

افسوس کہ انگریزوں کے دورِ حکومت نے اس عظیم الشان نظامِ تربیت کو ختم کر ڈالا۔

ہمارے آقائے نعمت حضور قبلہ شیخ المشائخ پیر سیّد بابا جی میر طیب علی شاہ بخاری دامت برکاتہم القدسیہ جو کہ اولیائے سابقین کی روایات کے امین ہیں۔ آپ ہی کے ارشاداتِ

عالیہ پر مشتمل خانقاہی نظام کے موضوع پر یہ منفرد تصنیفِ لطیف جناب محترم المقام پیر ثناء اللہ طیبی مجددی نقشبندی صاحب نے کمال عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ تالیف فرمائی ہے۔

یقیناً زیرِ نظر کتاب خانقاہی نظام کو سمجھنے کے لئے ہم سب کے لئے مفید ثابت ہوگی۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری سابقہ کاوشوں کی طرح یہ کاوش بھی ہمارے معزز و مکرم قارئین کو ضرور بہ ضرور پسند آئے گی۔ اللہ رب العزت ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں قبول و ممنون فرمائے اور ہمارے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

خیر اندیش

سمیع اللہ برکت

ناظم ادارہ ہذا

دیدہ بینا

خانقاہی نظام

رحمتِ عالمیں ﷺ تشریف فرما ہیں ـــ ستاروں سے روشن اصحابِ رسول کا جھرمٹ جگمگا رہا ہے ـــ روشن و بے داغ سفید لباس پہنے ایک شخص حاضر ہوا ـــ حضرت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں ـــ ہم میں سے کوئی اُسے پہچاننے والا نہیں تھا ـــ حالانکہ اُسکے چہرے پر سفر کے آثار بھی نہیں پائے جاتے تھے ـــ یوں جیسے ہوا کے دوش پر آگے بڑھ رہا ہو ـــ وہ ہمارے بیچ سے گذرتا ہوا سیدھا نبی کریم ﷺ کے قریب پہنچ گیا ـــ وہ حضور کے سامنے مؤدب انداز میں دوزانو بیٹھ گیا ـــ نورانی گھٹنوں سے اُسکے گھٹنے مَس ہونے لگے ـــ اُسکے لب کھلے ـــ کھنکھناتی ہوئی آواز فضاء میں بکھرنے لگی ـــ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ـــ ما الایمان ـــ ایمان کیا ہے؟ ـــ ایمان یہ ہے کہ تو یقین کرے دل سے اللہ پر اور اُسکے فرشتوں پر اور اُسکی کتابوں پر اور اُس سے ملنے پر اور اُسکے پیغمبروں پر اور یقین کرے قیامت میں زندہ ہونے پر ـــ زبانِ رسالت سے لفظوں کی مہک چہار سو پھیل گئی ـــ جواب سن کر اُس شخص نے عرض کیا ـــ صَدَقْتَ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ـــ ساتھ ہی اگلا سوال بارگاہِ اقدس میں پیش کیا ـــ ما الاسلام ـــ اسلام کیا ہے؟ ـــ فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو اللہ جلشانہٗ کی عبادت کرے اور اُس میں کسی کو شریک نہ کرے ـــ تُو نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے فرض روزے رکھے ـــ جواب سن کر اُس شخص نے کہا ـــ صَدَقْتَ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ـــ اِس حدیث کے راوی جناب عبدالرحمٰن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان

فرماتے ہیں کہ ہم بڑے حیران ہوئے ــــ یہ شخص خود ہی سوال کرتا ہے اور خود ہی جواب کی تصدیق بھی کرتا چلا جارہا ہے ــــ اِسی اثناء میں اُس اجنبی شخص نے اگلا سوال کیا ــــ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ــــ ما الاحسان ــــ احسان کیا ہے؟ ــــ سیّدِ عالم ﷺ نے فرمایا: ــــ احسان یہ ہے کہ ایمان اور اسلام سے مشرف ہونے کے بعد جب تُو اپنے پروردگار کی عبادت کرے ــــ تیری کیفیت یہ ہو کہ جیسے تُو اپنے پروردگار کا دیدار کر رہا ہے ــــ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر کم از کم یہ کیفیت ہی حاصل ہو جائے کہ تمہارا پروردگار تمہیں دیکھ رہا ہے ــــ مذکورہ سوال و جواب کے بعد وہ شخص واپس چلا گیا ــــ آقائے کریم، رؤف الرحیم ﷺ نے فرمایا: ــــ جاؤ اُس شخص کو واپس لے کر آؤ ــــ ہم اُسکے پیچھے دوڑے مگر اُسکو نہ پایا ــــ تب رحمتِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ــــ وہ شخص کوئی اور نہیں بلکہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے ــــ تمہیں دین سکھانے آئے تھے ــــ نہایت قابلِ غور بات ہے ــــ رسولِ کائنات ﷺ نے ایمان اور اسلام (یعنی اعمال) کے ساتھ ساتھ دین کا ایک جُز ''احسان'' بھی تعلیم فرمایا ہے ــــ بندے کا اپنے رب پر پختہ یقین ''ایمان'' جبکہ اظہارِ عبودیت کے لیے عبادت ''اسلام'' (یعنی اعمال) ہے ــــ لیکن احسان کا تعلق بلواسطہ عبادت سے ہے ــــ محبوبانِ خداوندی سے پیار ــــ مخلوقِ خدا سے لگاؤ ــــ احکاماتِ الٰہیہ کی تعمیل ــــ اور سب سے بڑھ کر ''خدمتِ خلق'' احسان ہے ــــ جن لوگوں کا خیال ہے کہ ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالحہ پر دین موقوف ہو جاتا ہے ــــ علاوہ ازیں کسی وسیلے، صحبتِ صالحین یا تربیت کی کوئی ضرورت نہیں ــــ اُنہیں فی الفور درج بالا حدیثِ پاک کی روشنی میں اپنے عقیدے کی اصلاح کر لینی چاہیے ــــ ایمان اور اسلام (یعنی اعمال) کے بعد درجات و معرفتِ الٰہیہ کے لیے باقاعدہ تشکیل کردہ راستہ ''خانقاہی نظام'' صدیوں سے رائج ہے ــــ جہاں احسان کے ساتھ ایمان اور اسلام (یعنی اعمال) کی حقیقی لذت سے آشنائی بھی حاصل ہوتی ہے ــــ اِس ضمن میں بے شمار خانقاہیں آج بھی مرجع ءخلائق ہیں ــــ سالہا سال بیت گئے ــــ خانقاہی نظام اندرونی و بیرونی سازشوں کے باعث اپنے اصل مقصد سے دور ہونے لگا ــــ ایمان اور

اسلام (یعنی اعمال) کی راہ گذر ہی طویل ہو گئی ـــ جبکہ احسان کی منزل ابھی پرے تھی ـــ پھر بدعقیدگی کے جلتے ہوئے انگارے بجھانے کے لیے اَبر کرم چھانے لگا ـــ بحرِ کرم جوش میں آیا ـــ رحمت کی برسات چھما چھم برسنے لگی ـــ زیبِ آستانہء کرم ـــ جانشینِ گنجِ کرم ـــ شیخ المشائخ، بابا جی، سیّد میر طیب علی شاہ بخاری (سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف اوکاڑا) ـــ ہمیں دعوتِ عمل دینے لگے ـــ آپ نے ''خانقاہی نظام'' کی ازسرِ نوء ترویج کے لیے پانچ نکات تعلیم فرمائے ـــ ☆ ۱۔عقیدہ و نسبت ☆ ۲۔عمل و کردار ☆ ۳۔تبلیغ ☆ ۴۔تدریس ☆ ۵۔خدمتِ خلق

خانقاہ والے اپنی خانقاہوں میں اِن نکات کو رائج کریں ـــ مریدین رائج کرنے کے لیے اصرار کریں ـــ مشائخ اِن کا اہتمام کریں ـــ تاکہ خانقاہی نظام کو اسکی اصل صورت پر بحال کیا جائے ـــ خدائے بزرگ و برتر کا شکر ہے ـــ شیخ المشائخ، بابا جی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہٗ العالی کے فرمانِ ذیشان کے مطابق ـــ اِن پانچوں نکات کتابی صورت میں شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے ـــ اللہ تبارک و تعالیٰ جلشانہٗ ہمیں عمل کر کے ذریعہ نجات بنانے کی توفیق عطا فرمائے ـــ امین بجاہِ نبی الامین ﷺ

والسلام الیٰ یوم القیام



پیر ثناء اللہ طیبّی

مجددی نقشبندی

ایڈیٹر

ماہنامہ ''مجلّہ حضرت کرماں والا''

عقیدہ ونسبت

خانقاہی نظام کے پانچ ستونوں میں ''عقیدہ ونسبت'' پہلا اور بنیادی ستون ہے۔ یہ ۲ حصوں پر مشتمل ہے۔ ا۔عقیدہ (جو دراصل ''ایمان'' کا دوسرا نام ہے) ۲۔نسبت (کسی پیر کامل کی بیعت اختیار کرنا)۔ اِن دونوں حصوں کی مفصل وضاحت اگلے صفحات میں علیحدہ علیحدہ بیان کی گئی ہے۔

عقیدہ

''پہلی چیز عقیدہ ہے۔ عقیدہ کس سے لیں؟ کوئی کچھ کہہ رہا ہے، کوئی کچھ کہہ رہا ہے۔ کوئی کہہ رہا ہے یہ عقیدہ ٹھیک ہے، کوئی کہہ رہا ہے وہ عقیدہ اچھا ہے۔ میرا خیال ہے، سیدھی سی بات ہے کہ جن لوگوں نے ہمیں مسلمان کیا ہے اُن کا عقیدہ لے لیتے ہیں۔ چونکہ آپ کو اعتراض ہے، اِس لیے ہم بریلی کا عقیدہ نہیں لیتے، اور جو دیو بند کا عقیدہ ہے تو وہ بھی نہیں لیتے، وہ توکل کی بات ہے، اِس لیے ہم سیّد علی ہجویری، داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ لیتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اُنہوں نے تو ہمیں (برصغیر والوں کو) مسلمان کیا ہے۔ اُس وقت تو یہاں رہنے والے ہندو تھے ناں؟ بت پرست تھے؟ مشرک تھے؟ لہذا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ لے لیتے ہیں۔ اور جو اُن کے عقائد ہیں یعنی عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، اہل بیتِ اِطہار کے معاملے میں جو عقیدہ ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں جو عقیدہ ہے، مسئلہ علمِ غیب کے بارے میں جو عقیدہ ہے، حاضر ناظر کے بارے میں جو عقیدہ ہے، بس وہی عقیدہ لے لیتے ہیں''

(ربیع الاوّل ۱۴۲۹ھ)

شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری

سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف اوکاڑا

روحانی گفتگو بمقام بدر بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

اسلام عقائداوراعمال کا مجموعہ ہے تاہم عقائدکواعمال پر برتری حاصل ہے کیوں کہ اگراعمال درست نہ ہوں تو اصلاح کی مہلت بھی مل سکتی ہےاورتوبہ کرنے پر معافی کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے جب کہ عقیدہ/ ایمان کی خرابی نہ صرف اعمال کو برباد کرنے کا سبب ہے بلکہ برے عقیدے کی وجہ سے اگر بےادبی یا گستاخی سرزد ہوگئی تو معافی کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ چنانچہ درست عقیدہ یا ایمان، فلاح وبخشش پانے کے لیے لازم ہے۔

عقیدہ کی تعریف

عقیدہ دراصل لفظ''عقد'' سے ماخوذ ہے، جس کے معانی ہیں کسی چیز کو باندھنا، جیسے کہا جاتا ہے''**اعتقدت کذا**''(میں ایسا اعتقاد رکھتا ہوں) یعنی میں نے اسے (اس عقیدے کو) اپنے دل اورضمیر سے باندھ لیا ہے۔

عقیدہ یا اعتقاد اُس گمان یا سوچ کو کہا جاتا ہے جوانسان اپنے دل میں کسی چیز کے بارے میں رکھتا ہے۔عقیدہ درحقیقت دل کے یقین کرنے کے عمل کا نام ہےاور اِس سے مراد کسی بات پر ایمان رکھنا اوراس کی تصدیق کرنا بھی ہے۔

عقیدہ ایمان ہے

عقیدہ کی بنیاد''یقین بالقلب'' کی راہ گزر سے''تصدیق بالقلب'' کی منزل تک پہنچنا ہے۔ یہ دل کا یقین ہی ہے کہ ایک انسان کلمہ طیب پڑھتے ہوئے تصدیق بالقلب کرتا ہےتو کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ پہلے کافرومشرک تھا، اب مسلمان ہوگیا۔ پہلے ناپاک تھا، اب پاک ہوگیا۔

پہلے گمراہ تھا، اب راہنما بن گیا۔ پہلے تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا، اب روشنی کا مسافر ہے۔ پہلے سزا کا مستحق تھا، اب جزا کا حق دار بن گیا۔ کیا یہ وہی انسان نہیں؟ یقیناً انسان وہی ہے مگر عقیدہ بدل گیا۔ توحید پرست مسلمان بن گیا۔

عقیدہ/ ایمان کی اہمیت اور فوقیت قرآن کی نظر میں

دین اسلام میں سب سے پہلے عقیدے کی درستگی کی طرف توجہ دی گئی کیونکہ عقیدہ ایک بیج کی مانند ہے، جس طرح بیج قوی ہوگا تو درخت بھی مضبوط اور اس کے برگ و بار بھی طاقتور رہیں گے۔ اسی عقیدہ کو ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلام نے عقیدہ کی بنیاد توحید و رسالت اور آخرت پر رکھی ہے، دیگر غیر مسلم اقوام عالم کے پاس صحیح عقائد یا ایمان کی دولت نہیں ہے، چنانچہ وہ جتنے بھی نیک اعمال کرلیں، اُن کو اُخروی نجات نہیں مل سکتی۔ بحثیت مسلمان ہمیں یہ بات جان لینی چاہیے کہ پہلے عقیدہ درست ہو تو پھر اعمال کے فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اور عقیدہ کی درستگی کے بغیر عمل بالکل بے قیمت و بے وزن ہے۔ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِيٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ○ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ○ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ○

ترجمہ : بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا۔ پھر اُسے نیچی سے نیچی حالت کی طرف پھیر دیا۔ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ اُن کے لیے بے حساب اجر ہے۔

لہذا قرآن و حدیث میں بھی ایمان کا ذکر، مطالبہ یا اعلان پہلے کیا گیا اور اعمال کے حوالے سے گفتگو بعد میں کی گئی ہے۔ یعنی آیات میں پہلے **یا ایُّھا الَّذِینَ آمَنُوا** فرمایا گیا اور نیک اعمال یعنی **عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** کی بات بعد میں کی گئی ہے۔ یہی ترتیب پورے کلامِ خدا میں دکھائی دیتی ہے۔

اِس ترتیب کا خیال رکھنے کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اگر عقیدہ/ ایمان درست ہوگا تو نیک اعمال فائدہ دیں گے۔ اگر عقیدہ/ ایمان ہی درست نہیں تو کوئی شخص جتنے زیادہ اعمال کر لے مگر اُسے اُن اعمال سے کسی قسم کا کوئی اُخروی فائدہ نہیں ملے گا۔

ایمان (درست عقیدے) کے بغیر عمل غیر مفید ہے

اُمّ المؤمنین، سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جدعان کا بیٹا جاہلیت کے دَور میں ناطے جوڑتا تھا (یعنی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا) اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا، کیا یہ کام اس کو (قیامت کے دن) فائدہ دیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اُسے یہ اعمال کچھ فائدہ نہ دیں گے کیونکہ اس نے کبھی یوں نہ کہا کہ اے میرے پروردگار! میرے گناہوں کو قیامت کے دن بخش دے۔ (یعنی دینِ حنیف کے مطابق ایمان نہیں لایا)

صرف ایمان یا عقیدہ درست ہونے پر شفاعت

اگر کوئی شخص بغیر ایمان لائے نیکیاں کرے تو اُسے کوئی (اُخروی) اَجر نہیں لیکن جو ایمان لائے اور پھر نیک عمل کرے تو اَجر کا مستحق بن جاتا ہے بلکہ اگر ایمان لے آئے اور (کسی وجوہ کے باعث) سرے سے عمل ہی نہ کر پائے تو بھی اُس کی بخشش وشفاعت ممکن ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص لوہے کی (جنگی) ٹوپی پہن کر آیا اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیک وسلم! میں (اللہ کی راہ میں) قتال کروں یا اسلام لاؤں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پہلے اسلام لاؤ پھر (اللہ کی راہ میں) قتال کرو۔ چنانچہ اُس شخص نے اسلام قبول کیا پھر (اسی وقت) جہاد میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اس نے عمل تھوڑا کیا اور اَجر زیادہ پا گیا۔ (بخاری)

اِسی طرح ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے اسلام قبول کرنے یعنی

کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا، کیا میرے لیے یہ بہتر ہے کہ میں لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ہاں۔ اس نے کہا اگرچہ میں نے اللہ کے لیے نماز نہ پڑھی ہو؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ہاں۔ یہ سننے کے بعد وہ لڑتے ہوئے شہید ہو گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم غزوۂ خیبر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ مسلمانوں کا ایک دستہ نکلا تو واپسی پر اپنے ساتھ ایک چرواہے کو لے آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس چرواہے سے (تبلیغ دین کے متعلق کچھ) بیان فرمایا تو وہ چرواہا کہنے لگا، میں آپ پر اور آپ کے دین پر ایمان لاتا ہوں، اب میں ان بکریوں کا کیا کروں یہ تو میرے پاس امانت ہیں اور ایک ایک دو دو بکریاں مختلف لوگوں کی ہیں۔ کائنات کے سردار، مالک و مختار آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم ان کے چہروں پر کنکریاں مارو یہ اپنے مالکوں کے پاس چلی جائیں گی''۔ اُس نے ایک مٹھی کنکریاں یا مٹی لی اور بکریوں کے منہ پر ماری تو بکریاں دوڑتی ہوئی اپنے گھروں کو چلی گئیں۔ پھر وہ چرواہا میدان جہاد میں آیا جہاں اسے تیر لگا اور وہ شہید ہو گیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کو ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِسے خیمے میں لے آؤ۔ چنانچہ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمے میں لایا گیا۔ آپ اس کے پاس گئے اور پھر وہاں سے باہر نکل آئے اور ارشاد فرمایا: تمہارے ساتھی کا اسلام بہت خوب رہا۔ ابھی جب میں اس کے پاس گیا تو اس کی دو (جنتی) بیویاں (حوریں) اس کے پاس تھیں۔ (المستدرک) مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس شہید کا نام یسار تھا اور وہ عامر یہودی کا غلام تھا البتہ ابن اسحٰق نے اس کا نام اسلم بتایا ہے۔ (واللہ اعلم)

درج بالا احادیث مبارکہ سے ثابت ہو گیا کہ اگر عقیدہ درست ہو جائے تو اعمال کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔ اگر کافر و مشرک اپنا عقیدہ درست کر لے، اللہ تعالیٰ جلشانہٗ کی وحدانیت پر ایمان لے آئے اور رسالتِ کل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی دل سے

تصدیق کرے تو نعمتِ ایمان سے مشرف ہو جاتا ہے لیکن اگر ایک مسلمان عقیدے کی خرابی میں مبتلا ہو جائے، اللہ تعالیٰ جلشانہ' کی ربوبیت کی توہین کا مرتکب ہو جائے یا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ نبوت ورسالت کے متعلق گمراہی کا شکار ہو جائے تو کافرومشرک سے بھی نچلے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے منافقانہ طرزِ فکر اختیار کر لیا ہے اور منافقین کے لیے جہنم کا اسفل ترین درجہ مخصوص ہے۔

درست عقیدے کی اہمیت

شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہٗ العالی کی نظر میں

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین، شیخ المشائخ باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری، سجادہ نشین حضرت کرماں والا شریف نے عقیدے کو بہر حال مقدم اور بنیادی اہمیت کا حامل قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ عقیدے کی درستگی کسی بھی شخص کی محبت، عقیدت اور اہمیت سے بہت زیادہ ہے۔

شخصیت پر اُصولوں کی فوقیت

اِسی طرح شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہ العالیٰ (سجادہ نشین حضرت کرماں والا شریف) نے اپنے مریدین کو بارہا تاکید فرمائی کہ شخصیت پرستی میں کھو کر قرآن وحدیث کے اُصولوں کو نظر انداز کرنا سخت غلطی اور گمراہی ہے۔ آپ نے تاکید فرمائی کہ ہم سب نے ہمیشہ Principle Centered (قرآن وحدیث کے اُصولوں پر کاربند) رہنا ہے اور ہمیں اِس بات کا جائزہ لینا ہوگا کہ کسی مقام پر بھی ہم Personality Centered (شخصیت پرست) نہ بنیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ انسان بدل سکتا ہے یا خطا کر سکتا ہے جبکہ قرآن و حدیث کے بتائے ہوئے اُصول ہمیشہ کے لیے مستند، ہدایت اور کامیابی کا راستہ ہیں۔ مثال کے طور پر بعض درگاہوں اور آستانوں سے وابستہ افراد مخصوص انداز میں شخصیت پرست بن گئے اور

پھر اِس کا نقصان یہ ہوا کہ کسی وجہ سے جب شخصیت کے عقائد میں خرابی آ گئی تو اُس شخصیت کے گرویدہ تمام لوگوں کے عقائد برباد ہو گئے۔ اب صاحبِ مزار کا عقیدہ وعمل تو درست تھا، وہ تو اللہ کے شیر تھے لیکن بعد والے بدلنے کی وجہ سے گمراہ ہوئے اور خانقاہی نظام کو تباہی سے دوچار کرنے کا سبب بن گئے۔ ہمیں اِس چیز سے اب بچنے کی کوشش کرنی ہوگی۔

حضرت کرماں والا شریف کا سجادہ نشین

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین، شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین حضرت کرماں والا شریف اوکاڑا نے ایک تاریخی اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> ''آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف کا سجادہ نشین ہمیشہ کے لیے وہی مقرر کیا جا سکے گا جس کے عقائد واعمال گنجِ کرم پیر سیّد محمد اسمٰعیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت کرماں والے کے عقائد اور طریقے کے مطابق ہوں گے۔ جس کے عقائد حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد سے ہٹ جائیں یا برعکس ہو جائیں تو ایسے کسی شخص کو سجادہ نشین مقرر نہ کیا جائے اور اگر سجادہ نشین مقرر ہو تو اُسے فی الفور ہٹا دیا جائے اور کثرتِ رائے سے کسی دوسرے کو سجادہ نشین مقرر کر دیا جائے۔''

کاش یہی معیار تمام خانقاہوں، درگاہوں اور آستانوں کے مشائخ مقرر کر دیں تو یقیناً خانقاہی نظام ایک مرتبہ پھر پوری آب وتاب کے ساتھ زندہ و جاوید ہو کر مخلوق کی رہنمائی اور تربیت کا فریضہ سرانجام دے سکتا ہے۔

عقیدۂ توحید

اللہ تعالیٰ کو اُس کی ذات وصفات اور احکام وافعال میں کسی شریک سے پاک ماننا ’’توحید‘‘ ہے۔

کلمہ طیبہ ’’لا الہ الا اللہ‘‘ میں توحید کا مکمل بیان ہے۔ یعنی اس بات کا زبان سے اقرار اور دل سے یقین کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا معبود برحق نہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ ایک ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں نہ احکام میں، نہ اسماء میں۔

کیا غیر خدا کو رحیم، عزیز، رؤف، مومن، ولی، علیم، داتا کہا جاسکتا ہے؟

اِس بات کی وضاحت قرآن مجید سے حاصل کی جاسکتی ہے کہ غیر خدا کے لیے یہ صفاتی اسماء استعمال کیے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ علاوہ ازیں اِس ضمن میں صحیح عقیدہ کیا ہونا چاہیے۔ حسبِ ذیل چند آیات کا حوالہ پیش خدمت ہے۔

1۔ رحیم (رحم کرنے والا)

رحیم خدا کا اسم ہے۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (سورۃ الشعراء:9)

ترجمہ: تمہارا رب عزیز اور رحیم ہے۔

مصطفیٰ ﷺ بھی رحیم ہیں۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (سورۃ توبہ:128)

ترجمہ: تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آئے تمہاری تکلیف ان کو گراں گزرتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مومنوں کے لئے رؤف اور رحیم ہیں۔

2۔رؤف (تکلیف دور کرنے والا)

اللہ کا نام بھی روف ہے۔

إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (سورۃ النحل:7)

ترجمہ: بے شک تمہارا رب رؤف اور رحیم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بھی رؤف ہے۔

بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (سورۃ توبہ:128)

ترجمہ: اور مومنوں کے لئے وہ رؤف (تکلیف دہ امور ہٹانے والے) اور رحیم (راحت رساں امور پہنچانے والے) ہیں۔

3۔مومن

اللہ کا نام مومن ہے۔

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ (سورۃ حشر:23)

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ بادشاہ قدوس ہے، سلام ہے اور مومن ہے۔

بندے بھی مومن ہیں۔

الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ٥ أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا (سورۃ انفال:3,4)

ترجمہ: وہ نماز قائم کرتے ہیں۔اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔وہی سچے مومن ہیں۔

4۔ولی (مددگار)

اللہ ولی ہے۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ (سورۃ شوریٰ:9)

ترجمہ: کیا انہوں نے اس کے سوا کارساز بنا لیے ہیں؟ ولی تو خدا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین بھی ولی (مددگار) ہیں۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا (سورۃ المائدہ:55)

ترجمہ: تمہارا ولی اللہ ہے، اور اس کا رسول اور ایمان لانے والے (بھی ولی ہیں)

5۔ علیم (علم والا)، حفیظ (حفاظت کرنے والا)

اللہ علیم ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ (سورۃ انعام:83)

ترجمہ: بے شک تمہارا رب حکیم اور علیم ہے۔

اللہ حفیظ ہے۔

إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ (سورۃ ھود:57)

ترجمہ: بے شک تمہارا رب ہر شے کی حفاظت کرنے والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام بھی حفیظ اور علیم ہیں۔

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ

(سورۃ یوسف:55)

ترجمہ:۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے کیونکہ میں حفاظت کرنے والا، علیم ہوں۔

درج بالا آیات ملاحظہ کرنے کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ

رب بھی رحیم	......	مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی رحیم
رب بھی رؤف	......	مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی رؤف
اللہ بھی مومن	......	مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بندے بھی مومن
اللہ بھی ولی (مددگار)	......	رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین بھی ولی (مددگار)

اللہ بھی علیم	......	حضرت یوسف علیہ السلام نبی بھی علیم
اللہ بھی حفیظ	......	حضرت یوسف علیہ السلام نبی بھی حفیظ

چنانچہ یہ معاملہ الجھ گیا کہ پھر کیا کرنا چاہیے؟ توحید کیا ہے؟ شرک کیا ہے؟ کس طرح سے عقیدہ درست رہ سکتا ہے۔ چنانچہ اِس کا حل یہ ہے کہ

رب رحیم ہے ذاتی طور پر	......	مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحیم ہیں عطائی طور پر
رب رؤف ہے ذاتی طور پر	......	مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رؤف ہیں عطائی طور پر
اللہ مومن ہے حقیقی طور پر	......	مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بندے مومن ہیں مجازی
اللہ ولی ہے ذاتی طور پر	......	رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین ولی ہیں مجازی طور پر
اللہ علیم ہے ذاتی طور پر	......	نبی علیم ہے عطائی طور پر
اللہ حفیظ ہے ذاتی طور پر	......	نبی حفیظ ہے عطائی طور پر

اگر کسی بندے کو مجازی طور پر مشکل کشاء کہنے سے کفر ہو جاتا ہے تو پھر نبی کو رحیم کہنے سے بھی کفر ہو جائے گا جبکہ قرآن، کلامِ خدا بذاتِ خود نبی کو رحیم کہہ رہا ہے۔ اِسی طرح کسی غیر خدا کو علیم کہو تو کفر، ولی کہنے سے بھی کفر۔۔۔۔ اگر یہ سب کفر و شرک میں داخل ہے تو پھر اللہ نے رحیم، علیم، حفیظ، سمیع، ولی، مومن، باوجود یکہ اس کے نام ہیں، بندوں کو ان ناموں سے کیوں مخاطب کیا ہے؟

چنانچہ اگر قرآن میں غیر اللہ کو علیم، حکیم، حلیم، کریم، حفیظ، سمیع، ولی، مومن وغیرہ اسماء سے پکارا جا رہا ہے اور یقیناً قرآن پڑھنے والا بندہ آیت کے مصداق یہ سب کچھ غیر خدا کو پکارنے سے کافر نہیں ہوتا تو اسی طرح مجازی طور پر کسی کو مشکل کشاء یا حاجت رواء کہنے سے بھی بندہ کافر نہیں ہوتا۔ ایک اور مثال یہ بھی ہے کہ جس طرح عدد ایک (1) ہے۔ کوئی سوال کرے کہ خدا کتنے ہیں؟ تو آپ فوراً کہتے ہیں کہ اللہ ایک ہے۔ اب یہی ایک (1) آپ اپنے باپ کے ساتھ بھی استعمال کرتے ہیں۔ یعنی جب کوئی آپ سے پوچھے کہ تمہارے باپ کتنے ہیں تو آپ کہتے ہیں، ایک (1) ہے۔ جس طرح باپ کو ایک کہنے سے عقیدۂ توحید میں فرق نہیں آتا، اِسی طرح مجازی

طور پر غیر خدا کو رحیم، عزیز، رؤف، مومن، ولی، علیم اور داتا کہنے سے بھی کوئی مشرک نہیں ہو جاتا۔

داتا (دینے والا، عطا کرنے والا)

لفظ اللہ اور رحمٰن کے علاوہ اللہ کے باقی صفاتی نام مجازی طور پر غیر خدا کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں۔ کچھ الفاظ اللہ نے قرآن مجید میں خود استعمال فرمائے ہیں۔ بعض لوگ آج کل واویلہ کرتے ہیں کہ داتا صرف اللہ ہے، گنج بخش کو داتا کہنا شرک ہے۔ داتا کا معنی ''دینے والا'' ہے۔ آپ خود انصاف کریں، دینے والا کہنا مناسب ہے یا کسی غیر خدا کو ''رب'' کہنا؟ اب آپ ملاحظہ کریں، قرآن مجید میں غیر خدا کے لیے ''داتا'' سے بھی بڑھ کر لفظ ''رب'' مجازی طور پر کیسے استعمال ہوا ہے۔

سورۃ یوسف میں واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں گئے تو دو قیدی بھی ساتھ داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ شراب نچوڑ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

فَيَسْقِىْ رَبَّهٗ خَمْرًا (سورۃ یوسف:41)

ترجمہ: وہ اپنے رب کو شراب پلائے گا۔

اب آپ غور کریں کہ اللہ کا نبی لفظ ''رب'' بادشاہِ مصر کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ مجازی طور پر لفظ ''رب'' کا استعمال ایک کافر شرابی بادشاہ کے لیے ایک نبی کرے تو وہ شرک نہیں! تو پھر ماننا پڑے گا کہ اگر ہم ایک ولیء کامل، عالم دین، آلِ رسول اور عظیم مبلغِ اسلام کے لئے مجازی طور پر لفظ ''داتا'' استعمال کریں تو یہ بھی شرک نہیں ہے۔ کیوں کہ لفظ ''داتا'' بڑا ہے یا لفظ ''رب''؟

حقیقی اور مجازی کا جائزہ

دراصل یہ حقیقی اور مجازی کے مابین حد و فاصلہ اور تفریق کو سمجھنے اور ذہن میں رکھنے کا معاملہ ہے۔ جب بیٹا گھر میں اپنی ماں سے روٹی مانگتا ہے تو یہ سوچ کر نہیں مانگتا کہ میری ماں ہی

دانہ اُگانے کی قدرت یا طاقت رکھنے والی ہے اور یہ اپنی قدرت یا طاقت سے ہی مجھے روٹی دے گی بلکہ اُسے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں دانہ اُگانے والی ذات اللہ تعالیٰ ہے جبکہ ماں تو صرف مجازی طور پر روٹی پکا کر فراہم کرنے والی ہے یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ روٹی مہیا کرنے کے لیے ایک وسیلہ ہے ورنہ اصل اور حقیقی رازق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

یہی فرق اور اندازِ گفتگو یا جملے قرآن مجید میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔ آپ خود زیرِ نظر سطور میں ملاحظہ کیجئے۔

جبرائیل علیہ السلام بیٹا دیتا ہے

حضرت جبرئیل علیہ السلام جب اللہ کے اِذن سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وِلادت کے سلسلے میں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اِنسانی رُوپ میں آئے تو اُن سے کہا:

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَاماً زَكِيّاً

(سورۃ مریم:19)

ترجمہ: (جبرئیل نے) کہا میں تو فقط تیرے ربّ کا بھیجا ہوا ہوں (اس لئے آیا ہوں) کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔

مذکورہ بالا آیت میں جبرئیل امین علیہ السلام کا قول اُمورِ مافوق الاسباب میں سے ہے کیونکہ شادی اور اِزدواجی زندگی کے بغیر بیٹے کا ہونا اور اس پر یہ کہنا کہ: ''میں تجھے پاکیزہ بیٹا دوں'' مافوق الاسباب اُمور میں مدد کی بہت بڑی قرآنی مثال ہے اور اسبابِ عادیہ کے بغیر اِس دنیا میں اِس کا تصوّر بھی محال ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص محض توسل کی نیت سے اللہ ربّ العزّت کے کسی برگزیدہ بندے کے وسیلے سے اولاد طلب کرے تو کچھ نادان دوست فی الفور شرک کا فتویٰ لگا دینے سے نہیں چُوکتے جبکہ کوئی غیر خدا (یعنی جبرئیل علیہ السلام) کہے کہ ''میں بیٹا دیتا ہوں'' اور اللہ تعالیٰ خود اُس کا ذِکر قرآنِ مجید میں کرے تو کیا یہ (مخالفین عقیدۂ اہلسنت کی خودساختہ تاویل کے

مطابق) شرک نہیں ہوگا ؟ مانگنے کی صورت میں تو مانگنے والا پھر بھی اِنسان ہی رہتا ہے مگر یہ کہنا کہ ''میں بیٹا دیتا ہوں'' اِس جملے کو اگر مجازی معنی پر محمول نہ کیا جائے تو حقیقی معنوں میں تو یہ سراسر خدا بننے کے مترادف ہے۔ اولاد سے نوازنا فعلِ اِلٰہی ہے اور بندے کا کام اُس سے اُسکی عطا کی بھیک مانگنا ہے۔ بندے کا غیر اللہ سے مانگنا اگر شرک ہے تو پھر کسی دینے والے غیرِ خدا کا یہ قول کہ ''میں بیٹا دیتا ہوں'' تو بدرجہ اولیٰ شرک قرار دیا جانا چاہیے۔ اِس مقام پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جبرئیلِ امین علیہ السلام اگر '' لِأَهَبَ لَكِ غُلَاماً '' کہہ کر بھی (معاذ اللہ) مشرک نہ ہوئے بلکہ اُن کا قول، قولِ حق رہا تو اُنکے اس قول کی آخر کیا توجیہہ ہوگی؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ قول روح الامین کا ہے کہ میں بیٹا دیتا ہوں مگر اِس سے مُراد یہ ہے کہ وہ بیٹا جو اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرمانے والا ہے ''میں'' اُس کو پہنچانے کا سبب، وسیلہ اور ذریعہ بنتا ہوں۔ پس مذکورہ آیتِ کریمہ میں '' لِأَهَبَ لَكِ غُلَاماً '' میں مدد دینے کا عمل پایا گیا مگر اس سے مُراد محض توسل ہے اور انکا بیٹا دینے کا قول مجازی اندازِ گفتگو کی عمدہ قرآنی مثال ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے یعنی اس کا وجود ضروری ہے اور عدم محال، قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے، اَزَلی کے بھی یہی معنی ہیں، باقی ہے یعنی ہمیشہ رہے گا اور اِسی کو اَبدی بھی کہتے ہیں۔ وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اُس کی عبادت و پرستش کی جائے۔ وہ بے پرواہ ہے، کسی کا محتاج نہیں اور تمام جہان اُس کا محتاج۔ اللہ تعالیٰ جہت ومکان وزمان وحرکت وسکون وشکل وصورت و جمیع حوادث سے پاک ہے۔

☆ اس کی ذات کا اِدراک عقلاً مُحال کہ جو چیز سمجھ میں آتی ہے عقل اُس کو محیط ہوتی ہے اور اُس کو کوئی اِحاطہ نہیں کر سکتا، البتہ اُس کے افعال کے ذریعہ سے اِجمالاً اُس کی صفات، پھر اُن صفات کے ذریعہ سے معرفتِ ذات حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح اُس کی ذات قدیم، اَزلی، اَبدی ہے، صفات بھی قدیم، اَزلی، اَبدی ہیں۔ اُس کی صفات مخلوق نہیں ہیں اور نہ ہی زیرِ قدرت داخل۔ ذات وصفات کے سِوا سب چیزیں حادث ہیں، یعنی پہلے نہ تھیں پھر موجود

ہوئیں۔ جو صفاتِ الٰہی کو مخلوق مانے یا حادث بتائے، گمراہ بددین ہے۔ جو عالم میں سے کسی شے کو قدیم مانے یا اس کے حادث ہونے میں شک کرے، کافر ہے۔

☆ نہ وہ کسی کا باپ ہے، نہ بیٹا، نہ اُس کے لیے بی بی، جو اُسے باپ یا بیٹا مانے یا اُس کے لیے بی بی ثابت کرے، وہ کافر ہے، بلکہ جو ممکن بھی کہے گمراہ بددین ہے۔

☆ وہ حَیی ہے، یعنی خود زندہ ہے اور سب کی زندگی اُس کے ہاتھ میں ہے، جسے جب چاہے زندہ کرے اور جب چاہے موت دے۔ وہ ہر ممکن پر قادر ہے، کوئی ممکن اُس کی قدرت سے باہر نہیں۔

☆ وہ ہر کمال وخوبی کا جامع ہے اور ہر اُس چیز سے جس میں عیب ونقصان ہے پاک ہے، یعنی عیب ونقصان کا اُس میں ہونا مُحال ہے، بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو، نہ نقصان، وہ بھی اُس کے لیے مُحال، مثلاً جھوٹ، دغا، خیانت، ظلم، جہل، بے حیائی وغیرہا عیوب اُس پر قطعاً محال ہیں اور یہ کہنا کہ جھوٹ پر قدرت ہے بایں معنی کہ وہ خود جھوٹ بول سکتا ہے، مُحال کو ممکن ٹھہرانا اور خدا کو عیبی بتانا بلکہ خدا سے انکار کرنا ہے اور یہ سمجھنا کہ مُحالات پر قادر نہ ہوگا تو قدرت ناقص ہو جائے گی، باطل محض ہے، کہ اس میں قدرت کا کیا نقصان! نقصان تو اُس مُحال کا ہے کہ جس میں تعلّقِ قدرت کی صلاحیت ہی نہیں۔

☆ حیات، قدرت، سننا، دیکھنا، کلام، علم، اِرادہ اُس کی صفاتِ ذاتیہ ہیں مگر کان، آنکھ، زبان سے اُس کا سننا، دیکھنا، کلام کرنا نہیں کہ یہ سب اَجسام ہیں اور اَجسام سے وہ پاک ہے۔ ہر پست سے پست آواز کو سنتا ہے، ہر باریک سے باریک کہ جو خوردبین سے محسوس نہ ہو وہ دیکھتا ہے، بلکہ اُس کا دیکھنا اور سننا انہیں چیزوں پر منحصر نہیں، ہر موجود کو دیکھتا ہے اور ہر موجود کو سنتا ہے۔

☆ مثل دیگر صفات کے کلام بھی قدیم ہے، حادث ومخلوق نہیں، جو قرآنِ عظیم کو مخلوق مانے، امامِ اعظم ودیگر ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اُسے کافر کہا، بلکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اُس کی تکفیر ثابت ہے۔

☆ اُس کا کلام آواز سے پاک ہے اور یہ قرآنِ عظیم جس کو ہم اپنی زبان سے تلاوت کرتے، مصاحف میں لکھتے ہیں، اُسی کا کلام قدیم بلاصوت ہے اور یہ ہمارا پڑھنا لکھنا اور یہ آواز حادث، یعنی ہمارا پڑھنا حادث ہے اور جو ہم نے پڑھا قدیم اور ہمارا لکھنا حادث اور جو لکھا وہ قدیم، ہمارا سننا حادث ہے اور جو ہم نے سنا قدیم، ہمارا حفظ کرنا حادث ہے اور جو ہم نے حفظ کیا وہ قدیم یعنی متجلّی قدیم ہے اور تجلّی حادث۔

☆ اُس کا علم ہر شے کو محیط یعنی جزئیات، کلیات، موجودات، معدومات، ممکنات، مُحالات، سب کو اَزل میں جانتا تھا اور اب جانتا ہے اور اَبد تک جانے گا، اشیاء بدلتی ہیں اور اُس کا علم نہیں بدلتا، دلوں کے خطروں اور وَسوسوں پر اُس کو خبر ہے اور اُس کے علم کی کوئی انتہا نہیں۔

☆ وہ غیب وشہادت سب کو جانتا ہے، علمِ ذاتی اُس کا خاصہ ہے، جو شخص علمِ ذاتی، غیب خواہ شہادت کا غیرِ خدا کے لیے ثابت کرے، وہ کافر ہے۔ (علمِ ذاتی کے معنی ہیں کہ خدا کی عطا کے بغیر اُسے خود حاصل ہو)۔ وہی ہر شے کا خالق حقیقی ہے، ذوات ہوں خواہ افعال، سب اُسکے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ حقیقتاً روزی پہنچانے والا وہی ہے، ملائکہ وغیرہ وسائل وذرائع ہیں۔

☆ ہر بھلائی، بُرائی اُس نے اپنے علمِ اَزلی کے موافق مقدّر فرمادی ہے، جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا، اپنے علم سے جانا اور وہی لکھ لیا تو یہ نہیں کہ جیسا اُس نے لکھ دیا ویسا ہم کو کرنا پڑتا ہے، بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے ویسا اُس نے لکھ دیا۔ زید کے ذمّہ برائی لکھی اس لیے کہ زید برائی کرنے والا تھا، اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا وہ اُس کے لیے بھلائی لکھتا تو اُس کے علم یا اُس کے لکھ دینے نے کسی کو مجبور نہیں کر دیا۔ تقدیر کا انکار کرنے والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اُمت کا مجوس بتایا ہے۔

☆ قضاء تین قسم کی ہے: ۱۔ مبرم حقیقی ۲۔ معلّق محض ۳۔ معلق شبیہ بہ مبرم

مبرم حقیقی کی تبدیلی ناممکن ہے، اکابر محبوبانِ خدا اگر اتفاقاً اس بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں تو اُنھیں اس خیال سے واپس فرما دیا جاتا ہے۔ ملائکہ قومِ لوط پر عذاب لے کر آئے،

سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علی نبیّنا الکریم عذاب ہٹانے کے لیے اپنے رب سے جھگڑنے لگے، اُن کا رب فرماتا ہے:

يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ (سورۃ ھود:74)

ترجمہ: ہم سے جھگڑنے لگا قومِ لوط کے بارے میں۔

یہ قرآنِ عظیم نے اُن بے دینوں کا رَدّ فرمایا جو محبوبانِ خدا کی بارگاہِ عزت میں کوئی عزت و وجاہت نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اس کے حضور کوئی دَم نہیں مار سکتا، حالانکہ اُن کا رب عزوجل اُن کی وجاہت اپنی بارگاہ میں ظاہر فرمانے کو خود ان لفظوں سے ذکر فرماتا ہے کہ: ''ہم سے جھگڑنے لگا قومِ لوط کے بارے میں''۔

جب آیۂ کریمہ **وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى** (سورۃ والضحیٰ:5) نازل ہوئی کہ ''بیشک عنقریب تمہیں تمہارا رب اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے'' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذًا لَّا أَرْضٰى وَ وَاحِدٌ مِّنْ أُمَّتِي فِي النَّارِ (''التفسیر الکبیر''، پ۳۰، والضحیٰ: تحت الآیۃ: ۵، ج۱۱، ص۱۹۴)

ترجمہ: اگر ایسا ہے تو میں راضی نہ ہوں گا، جب تک کہ میرا ایک اُمتی بھی آگ میں ہوگا۔

یہ تو شان و عظمت تو بہت بلند ہے کیونکہ آپ پر رفعت، عزت اور وجاہت ختم ہے۔ یہاں تک کہ مسلمان ماں باپ کا کچّا بچہ جو حمل سے گر جاتا ہے، اُس کے لیے حدیث میں فرمایا: ''روزِ قیامت اللہ عزوجل سے اپنے ماں باپ کی بخشش کے لیے ایسا جھگڑے گا جیسا قرض خواہ کسی قرض دار سے''، یہاں تک کہ فرمایا جائے گا:

اَيُّهَا السِّقْطُ الْمُرَاغِمُ رَبَّهُ (''سنن ابن ماجہ''، ابواب ماجاء فی الجنائز، باب ماجاء فی من اُصیب بسقط، الحدیث: ۱۶۰۸، ج۲، ص۲۷۳)

''اے کچے بچے! اپنے رب سے جھگڑنے والے! اپنے ماں باپ کا ہاتھ پکڑ لے اور جنت میں چلا جا۔''

بہر حال قومِ لوط پر چونکہ عذابِ الٰہی کا معاملہ قضائے مبرم تھا، لہٰذا فرمایا گیا: ''اے ابراہیم! اس خیال میں نہ پڑو، بیشک اُن پر وہ عذاب آنے والا ہے جو پھرنے کا نہیں۔''

اور وہ جو ظاہر قضائے معلّق ہے، اس تک اکثر اولیا کی رسائی ہوتی ہے، اُن کی دُعا سے ٹل جاتی ہے اور وہ جو متوسّط حالت میں ہے، جسے صحفِ ملائکہ کے اعتبار سے مبرم بھی کہہ سکتے ہیں، اُس تک خواص اکابر کی رسائی ہوتی ہے۔ حضور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کو فرماتے ہیں: ''میں قضائے مبرم کو رَدّ کر دیتا ہوں'' اور اسی کی نسبت حدیث میں ارشاد ہوا:

اِنَّ الدُّعَاءَ یَرُدُّ الْقَضَاءَ بَعْدَ مَا اُبْرِمَ (''کنز العمال''، کتاب الأذکار، ج ۱، الجزء الثانی، ص ۲۸، الحدیث: ۳۱۱۸)

ترجمہ: بیشک دُعا قضائے مبرم کو ٹال دیتی ہے۔

☆ قضاء وقدر کے مسائل عام عقلوں میں نہیں آسکتے، ان میں زیادہ غور وفکر کرنا سببِ ہلاکت ہے، حضرات شیخین رضی اللہ عنہم اس مسئلہ میں بحث کرنے سے منع فرمائے گئے۔ کوئی دوسرا کس گنتی میں ہے؟ اتنا جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو مثلِ پتھر اور دیگر جمادات کے بے حس وحرکت پیدا نہیں کیا، بلکہ اس کو ایک نوعِ اختیار دیا ہے کہ ایک کام چاہے کرے، چاہے نہ کرے اور اس کے ساتھ ہی عقل بھی دی ہے کہ بھلے، برے، نفع، نقصان کو پہچان سکے اور ہر قسم کے سامان اور اسباب مہیا کر دیے ہیں کہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے، اُسی قسم کے سامان مہیّا ہو جاتے ہیں اور اسی بنا پر اُس پر مؤاخذہ ہے۔ اپنے آپ کو بالکل مجبور یا بالکل مختار سمجھنا، دونوں صورتیں گمراہی ہیں۔ بُرا کام کر کے تقدیر کی طرف نسبت کرنا اور مشیتِ الٰہی کے حوالہ کرنا بہت بری بات ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ جو اچھا کام کرے، اسے منجانب اللہ کہے اور جو برائی سرزد ہو اُس کو شامتِ نفس تصور کرے۔

☆ وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے، کسی کو اُس پر قابو نہیں اور نہ کوئی اُس کے ارادے سے اُسے باز رکھنے والا۔ اُس کو نہ اُونگھ آئے نہ نیند، تمام جہان کا نگاہ رکھنے والا، نہ تھکے، نہ اُکتائے، تمام عالم کا پالنے والا، ماں باپ سے زیادہ مہربان، حِلم والا۔ اُسی کی رحمت ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا، اُسی کے لیے بڑائی اور عظمت ہے۔ ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے صورت بنانے والا، گناہوں کو بخشنے والا، توبہ قبول کرنے والا، قہر وغضب فرمانے والا، اُس کی پکڑ نہایت سخت ہے، جس سے بغیر اُس کے چھڑائے یا بے اجازت کوئی چھوٹ نہیں سکتا۔ وہ چاہے تو چھوٹی چیز کو وسیع کر دے اور وسیع کو سمیٹ دے، جس کو چاہے بلند کر دے اور جس کو چاہے پست، ذلیل کو عزت دیدے اور عزت والے کو ذلیل کر دے، جس کو چاہے راہِ راست پر لائے اور جس کو چاہے سیدھی راہ سے الگ کر دے، جسے چاہے اپنا نزدیک بنالے اور جسے چاہے مردود کر دے، جسے جو چاہے دے اور جو چاہے چھین لے، وہ جو کچھ کرتا ہے یا کریگا عدل وانصاف ہے، ظلم سے پاک وصاف ہے، نہایت بلند وبالا ہے، وہ سب کو محیط ہے، اُس کا کوئی اِحاطہ نہیں کرسکتا، نفع وضرر اُسی کے ہاتھ میں ہیں، مظلوم کی فریاد کو پہنچتا اور ظالم سے بدلا لیتا ہے، اُس کی مشیت اور اِرادہ کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، مگر اچھے پر خوش ہوتا ہے اور بُرے سے ناراض، اس کی رحمت ہے کہ ایسے کام کا حکم نہیں فرماتا جو طاقت سے باہر ہے۔ اللہ عزوجل پر ثواب یا عذاب یا بندے کے ساتھ لطف یا اُس کے ساتھ وہ کرنا جو اُس کے حق میں بہتر ہو، اُس پر کچھ واجب نہیں۔ مالک علی الاطلاق ہے، جو چاہے کرے اور جو چاہے حکم دے، ہاں! اُس نے اپنے کرم سے وعدہ فرمالیا ہے کہ مسلمانوں کو جنت میں داخل فرمائے گا اور بمقتضائے عدل کفّار کو جہنم میں ڈالے گا، اور اُس کے وعدہ و وعید بدلتے نہیں، اُس نے وعدہ فرمالیا ہے کہ کفر کے سوا ہر چھوٹے بڑے گناہ کو جسے چاہے معاف فرمادے گا۔ اُس کے ہر فعل میں کثیر حکمتیں ہیں، خواہ ہم کو معلوم ہوں یا نہ ہوں اور اُس کے فعل کے لیے غرض نہیں، کہ غرض اُس فائدہ کو کہتے ہیں جو فاعل کی طرف رجوع کرے، نہ اُس کے فعل کے لیے غایت، کہ غایت کا حاصل بھی وہی غرض ہے اور نہ اُس کے افعال علّت وسبب کے محتاج، اُس نے

اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق عالَمِ اسباب میں مسبّبات کو اسباب سے ربط فرمادیا ہے، آنکھ دیکھتی ہے، کان سنتا ہے، آگ جلاتی ہے، پانی پیاس بجھاتا ہے، وہ چاہے تو آنکھ سنے، کان دیکھے، پانی جلائے، آگ پیاس بجھائے، نہ چاہے تو لاکھ آنکھیں ہوں، دن کو پہاڑ نہ سوجھے، آگ کے کروڑ ہا شعلے ہوں، ایک تنکے پر داغ نہ آئے۔ سب اُس کی قدرت ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اللہ قادرِ مطلق ہے۔

شرک

شرک وہی ہے جس کو ''لا الہ الا اللہ'' نے باطل کیا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو عبادت کے لائق ٹھہرانا۔

تفسیر خازن میں ہے۔'' **من یشرك باللّٰہ یعننی یجعل معه شریکا غیرہ** ''شرک کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ اس کے غیر کو شریک ٹھہرایا جائے۔

شرح عقائد میں ہے:'' **الا شراك ھو اثبات الشریك فی الالوھیة یعنی وجوب الوجود کما للمجوس او بمعنی استحقا العبادۃ کم لعبدۃ الاصنام** ''یعنی شرک کرنا، شریک کا ثابت کرنا ہے الوہیہ میں، یعنی وجوب وجود میں جیسے کہ مجوسی کرتے ہیں یا بمعنی استحقاق عبادت میں جیسے کہ بت پرست کرتے ہیں۔ (کذافی شرح الفقہ الاکبر)

مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی ثبت فرماتے ہیں ☆1۔ شرک فی الذات یعنی عالم کے مستقل خالق و مالک دو مانے جائیں جیسا کہ مجوسی خیر اور شر کو دو مستقل خالق مانتے ہیں۔ ☆2۔ شرک فی الصفات یعنی بعض بندوں کا خدا سے وہ رشتہ مانا جائے جو ہم جنسیت چاہتا ہے۔ جیسا بیٹا ہونا، زوجہ ہونا، بھائی، بھتیجا، بھانجا وغیرہ ہونا اور مشرکین عرب فرشتوں وستاروں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ ☆3۔ شرک فی الافعال یعنی کہ اللہ کے بعض بندوں کو رب تعالیٰ کا معاون و مددگار مانا جائے کہ رب تعالیٰ ان کے بغیر کام چلا سکتا ہی نہیں جیسا کہ بعض مشرکین عرب اپنے

بتوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے۔(تفسیر نعیمی ملخصاً، پ ۵:ص ۱۴۹)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔''شرک تین طرح کا ہوتا ہے۔ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو واجب الوجود ٹھہرائے۔دوسرے یہ کہ کسی غیر کو اللہ تعالیٰ کے سوا حقیقتاً خالق جانے۔تیسرے یہ غیر اللہ کی عبادت کرے یا اللہ کے سوا کسی کو مستحق عبادت سمجھے''

معلوم ہوا کہ واجب الوجود یعنی اپنی ذات وصفات میں دوسرے سے بے نیاز اور غنی بالذات فقط اللہ تعالیٰ ہے اور فقط وہی عبادت کے لائق ہے اور حقیقتاً وہی خالق ہے۔پس اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو ذات وصفات میں دوسرے سے بے نیاز اور غنی بالذات جانے یا اسے حقیقتاً خالق جانے یا مستحق عبادت سمجھے تو وہ مشرک ہے مثلاً آریہ جو اللہ کے سوائے روح اور مادہ کو بھی قدیم اور واجب الوجود مانتے ہیں اور خالق سے بے نیاز جانتے ہیں، مشرک ہیں اور مثلاً ستارہ پرست کہ تغیرات عالم کو تاثیر کواکب سے جانتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ستارے اپنی تاثیرات میں غنی بالذات ہیں۔کسی کے محتاج نہیں پس یہ بھی مشرک ہیں۔یا بت پرست جو بتوں کو مستحق عبادت جانتے اور ان کی عبادت کرتے ہیں یہ بھی مشرک ہیں۔لیکن جو لوگ اشیاء کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے جانتے ہیں وہ کسی طرح مشرک نہیں ٹھہرتے۔مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں واجب الوجود، ازلی، ابدی، مستقل، غیر متغیر، قائم بالذات، خالق و مالک حقیقی، غنی عن الغیر، وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے پس اللہ کی سی صفات اوروں کے لیے ثابت کرنے کا یہ مطلب ہو کہ غیر اللہ کے لیے صفات ذاتی، قدیم، مستقل، غیر متغیر کا اعتقاد رکھا جائے اور اسے عطائے الٰہی کے بغیر کسی صفت سے متصف تسلیم کیا جائے جو کہ یقیناً شرک ہے۔اہلسنت و جماعت کے عقیدہ کی رُو سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لیے ذرہ بھی قدرت یا اختیار یا علم ثابت کرنا اور تسلیم کرنا یا کسی بھی صفت کو ماننا اگر ''بالذات'' ہو تو شرک ہے لیکن غیر اللہ کے لیے کسی صفت کا اثبات بہ عطائے الٰہی ہرگز شرک نہیں۔جبکہ وہ صفت ازروئے قرآن و حدیث اس کے لیے ثابت

ہو۔ حقیقت یہ کہ کفار و مشرکین آثار کو اسباب کی طرف حقیقتاً منسوب کرتے ہیں اور انھیں مستقلاً بالذات مؤثر جانتے ہیں مگر مسلمان اسباب کو وسائل جانتے ہیں اور ان وسائل کے حجابات میں قادرِ مطلق کے دست قدرت کو دیکھتے ہیں، اختیار بالذات اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتے ہیں اور افعال و صفات اور تاثیرات کو اسباب و وسائل کی طرف مجازاً منسوب کرتے ہیں نہ کہ حقیقتاً۔ پھر اگر اس فرق و امتیاز کو تسلیم نہ کیا جائے تو انسان ہر بات میں مشرک ہو جائے اور ایمان کی کوئی راہ ہی نہ رہے۔ پس مخلوق میں سے کسی کے لیے صفات و کمالات کو بہ عطائے الٰہی جاننا ہی ''اللہ کی سی صفات اوروں کے لیے تسلیم یا ثابت کرنے'' کے حکم سے خارج ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات بالذات ہیں نہ کہ بالعطاء (کسی کی عطاء کردہ) یعنی اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت یا کمال غیر سے حاصل شدہ نہیں۔ اس کا ہر کمال ذاتی اور غیر مکتسب ہے تو ثابت ہوا کہ کسی اور کے لیے صفات و کمالات بعطائے الٰہی تسلیم یا ثابت کرنا شرک نہیں بلکہ عین ایمان ہے۔ پس ثابت ہوا کہ بدعقیدہ/منکرین اب تک ذات وصفات الٰہی سے بے خبر اور جاہل ہیں کہ یہ مسئلہ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا۔ اسی لیے یہ لوگ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے کرام کے لیے کوئی صفت و کمال بہ عطائے الٰہی تسلیم کرنے کو بھی اللہ کی سی صفت قرار دے کر خواہ مخواہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ ہنوز وہ خود توحید و شرک کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ قصور تو خود ان کے فہم و علم کا ہے مگر مجرم دوسرے بے گناہوں کو ٹھہراتے ہیں۔ ان کے اس مسئلہ کو نہ سمجھنے کا یہ ناقابل تردید ثبوت ہے کہ یہ مخلوق میں سے کسی کے لیے بھی کوئی صفت بہ عطائے الٰہی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ پھر بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ اگر تم کسی کے لیے کوئی صفت بہ عطائے الٰہی تسلیم کرنے کو شرک ہی ٹھہراتے ہو تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ''حیی'' ہے یا نہیں؟ پھر کیا شرک سے بچنے کی خاطر تم اپنے آپ کو مردہ کہو گے؟ کیا تمہارے بڑے بھی کسی زمانہ میں صفت حیات سے متصف ہوئے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ''عالم'' ہے تو کیا تم خود کو یا اپنے پیشواؤں کو عالم نہیں سمجھتے؟ ''سمیع'' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور ''بصیر'' بھی! تو کیا تم سمیع و بصیر نہیں ہو؟ پھر کلام کرنا بھی اللہ کی صفت ہے اور ارادہ وقدرت

بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں پھر شرک سے بچنے کیلئے تم کیا کرو گے؟ آیا یوں کہو گے کہ ہم میں اللہ کی صفات میں سے کوئی صفت نہیں، ہم منکرین سب مردے ہیں، جاہل مطلق ہیں، بہرے ہیں، اندھے ہیں، گونگے ہیں اور ہم منکرین میں نہ ارادہ ہے نہ قدرت، تو کیا تم خاک ہو یا پتھر یا جماد محض ہو؟ پھر اگر تمہاری یہ بات بھی تسلیم کر لی جائے کہ تم سب کے سب اجساد جامد ہو تو بھی تمہارا پیچھا شرک سے نہیں چھوٹتا کہ جسم جامد ہونے کی صورت میں بھی ''موجود'' ہونا پایا جائے گا اور موجود ہونا بھی اللہ کی صفت ہے تو پھر شرک سے بچنے کیلئے اپنے وجود کا بھی انکار کر دو گے؟ یعنی کہ دنیا میں تمہارا وجود ہی نہیں ہے۔ پس اگر تمہاری باتیں صحیح ہیں تو بتاؤ کہ تم کیا ہو؟ تم کس حیثیت سے موجود ہو؟ دنیا میں کیونکر چلتے، پھرتے، دیکھتے، سنتے، دنیاوی کام کاج کرتے اور یہ شرک وکفر کی گردانیں رٹتے، اوٹ پٹانگ تحریریں لکھتے اور لمبی چوڑی تقریریں جھاڑتے پھرتے ہو۔ تم میں یہ صفات کہاں سے اور کیسے آ گئیں؟ کیا تم میں یہ صفات بالذات ہیں، خود بخود ہیں یا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ؟

تو اب انھیں لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا اور کہنا پڑے گا کہ ہمیں یہ صفات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں مگر اس قدر خرابی بسیار کے بعد بھی اپنے خانہ ساز منکر اصول کی بناء پر شرک سے یہ بچ نہ سکے بلکہ مشرک ہی رہے کیونکہ ان کا اصول یہ ہے کہ ''پھر خواہ یوں سمجھئے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی طاقت بخشی ہے، ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔'' (بحوالہ تقویۃ الایمان) تو ان کو چاہیے کہ کوئی تیسری صورت نکالیں اور شرک سے بچنے کی تدبیر کریں۔

مزید برآں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ بقول منکرین، اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے کسی کو کوئی صفت عطا نہیں فرمائی تو پھر افراد واشیاء مخلوقات میں ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں بلکہ لاتعداد اقسام کی ادویہ اور جڑی بوٹیاں کہ نفع بھی پہنچاتی ہیں اور نقصان بھی۔ بارود ڈائنامیٹ، ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم وغیرہ ہتھیاروں میں یہ قوت کہاں سے اور کیونکر ہے کہ چشم زدن میں ہزروں لاکھوں

جانداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیں، پہاڑوں کو اڑا دیں اور علاقوں کے علاقے تباہ و برباد کر ڈالیں؟ نیز ٹیلی فون، وائرلیس، ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ میں یہ استطاعت کہاں سے آ گئی کہ سینکڑوں، ہزاروں میل دور ہلکی سے ہلکی آوازوں اور تصویروں کو بھی آن واحد میں پہنچا دیں۔ یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ ان اشیاء میں یہ صفات و تاثیرات ذاتی نہیں ہیں تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان اشیاء میں یہ صفات و تاثیرات بہ عطائے الٰہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور قدرتوں کا ظہور انکے ذریعے ہوتا ہے تو پھر جب کہ ایسی ادنیٰ اور بے جان اشیاء کے لیے بھی صفات و تاثیرات بہ عطائے الٰہی تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں تو حضرت انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے، اس کے لیے صفات بہ عطائے الٰہی تسلیم کرنے میں کیونکر تامل ہو سکتا ہے۔ پس منکرین کے انکار سے واضح ہے کہ یہ عقل و دانش سے عاری لوگ عام انسان کے مقام و منصب سے بھی واقف نہیں، چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں، خلفاء اللہ فی الارض، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء عظام کے اعلیٰ و بلند و بالا مقامات و مناصب کو جان سکیں اور ان کے فضائل و کمالات، علوم و اختیارات اور خداداد تصرفات کو سمجھ سکیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اور حدیث میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات گواہ ہیں کہ محبوبانِ خدا، انبیاء و اولیاء متخلق باخلاق اللہ ہیں۔ صفاتِ الٰہی کے مظہر ہیں۔ بہ عطائے الٰہی متصرف ہیں اور ان کا ہر کام حکم و مشیت الٰہی کے تحت ہوتا ہے۔

جب کسی مسلمان نے آج تک کسی نبی یا ولی کے لیے کسی صفت کو مستقل بالذات تصور ہی نہیں کیا تو پھر وہ صاحبان جو مسلمانوں کو مشرک ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں اور وہ تمام آیات جو مشرکین مکہ اور کفارِ عرب کے حق میں نازل ہوئیں، مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں، اُن کے لیے یہ فرمان وعید ہے جو کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خارجیوں اور ملحدوں کے متعلق فرماتے تھے۔ ''**ھو شرار خلق اللہ و قال انھم انطلقوا انی اٰیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین**'' (صحیح بخاری، ۲/۱۰۲۴)

ترجمہ:۔ وہ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں نیز فرمایا کہ یہ لوگ ان آیات کو جو کفار کے حق

میں نازل ہوئی ہیں، مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

مزید برآں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کے لیے جو پیش گوئی فرمائی ہے، اُسے بھی ملاحظہ کریں:

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم میں اپنے بعد تم پر یہ خوف نہیں کرتا کہ تم شرک کرنے لگ جاؤ گے'' اصل حدیث ملاحظہ فرمائیں:

حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ إِنِّي فَرَطٌ '' لَكُمْ وَ أَنَا شَهِيدٌ '' عَلَيْكُمْ وَ إِنِّي وَ اللّٰهِ لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الْآنَ وَ إِنِّي أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ وَ إِنِّي وَ اللّٰهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَ لَكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُم أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن (مدینہ سے) باہر نکلے اور شہداء احد پر نماز پڑھی، جس طرح اموات پر نماز پڑھی جاتی ہے، پھر منبر کی طرف جلوہ فرما ہوئے اور فرمایا میں تمہارا پیش رو ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں اور میں اللہ کی قسم اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں یا زمین کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں اور اللہ کی قسم میں اپنے بعد تم پر یہ خوف نہیں کرتا کہ تم شرک کرنے لگو گے لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرنے لگو گے۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۷۹، ۵۰۸ بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۷۸، جلد ۲ صفحہ ۵۸۵، جلد ۲ صفحہ ۹۵۱، جلد ۲ صفحہ ۹۷۵، مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۰، مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۷، فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۲۶۹، جلد ۶ صفحہ ۷۵۸، جلد ۷ صفحہ ۴۴۲، ۴۸۰، جلد ۱ صفحہ ۲۹۳، ۵۶۸، عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۱۵۶ جلد ۱۶ صفحہ ۱۳۵ جلد ۱۷ صفحہ ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۶۵، ۱۶۶، جلد ۲۳ صفحہ ۳۹، ۴۰، جلد ۲۳ صفحہ ۱۴۳، ارشاد الساری جلد ۲ صفحہ ۴۴۰ جلد ۶ صفحہ ۵۲، ۳۱۲، ۳۹۱ جلد ۹

صفحہ ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۴۵، الکاشف شرح الطیبی جلد ۱۱ صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷، مرقاۃ جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۷، اشعۃ جلد ۴ صفحہ ۶۰۵)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک حدیث نبوی کی شرح فرماتے ہوئے بیان کی ہے کہ ایک مسلمان کے متعلق یہ باور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ خدا کا شریک ٹھہرائے اور ہاں، جہاں کہیں مسلمانوں کو شرک سے روکا گیا ہے، وہاں اس سے مراد شرک خفی ہے یعنی عبادت میں ریاء کاری اور دکھلاوا۔

آخر میں شرک، شرک کی گردان الاپنے والوں کے لیے یہ حدیث ایک طرح سے انتباہ ہے کہ وہ اِس الزام تراشی سے باز رہیں ورنہ اُن کا اپنا اُگلا ہوا الزام ہی جرم بن کر رہ جائے گا۔ ملاحظہ کریں:

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تم پر اس شخص کا ڈر ہے جو قرآن پڑھے گا، جب اس پر قرآن کی رونق آ جائے گی اور اسلام کی چادر اس نے اوڑھ لی ہو گی تو اُسے اللہ جدھر چاہے گا، بہکا دے گا، وہ اسلام کی چادر سے صاف نکل جائے گا اور اُسے پس پشت ڈال دے گا اور اپنے پڑوسی پر تلوار چلانا شروع کر دے گا اور اُس پر شرک کی تہمت لگائے گا۔ (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے پوچھا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! شرک کا زیادہ حق دار کون ہے؟ شرک کی تہمت لگایا ہوا یا شرک کی تہمت لگانے والا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شرک کی تہمت لگانے والا شرک کا زیادہ حق دار ہے۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۵ مطبوعہ مصر)

عقیدۂ رسالت

عقائد کے باب میں توحید کے بعد رسالت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے بلکہ قصرِ ایمان اسی اساس پر قائم ہے۔ عقیدہ رسالت کے بغیر عقیدہ توحید جو کہ ایمان کی روح ہے متحقق نہیں ہو سکتا۔ امتِ مسلمہ کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ عقیدہ رسالت کے اندر اختلافات نے ایمان کی

بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ بدقسمتی سے دورِ حاضر میں حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کو مناظروں اور مباحثوں کا موضوع بنایا جاتا ہے کبھی نور و بشر کے جھگڑے، کبھی حیاتِ النبی ﷺ پر اختلافات، کہیں میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر بحثیں اور کہیں علم غیب کے اثبات اور عدم اثبات پر مناظرے۔ یہ سب اسلام دشمن طاقتوں کے لیے اسلام اور امتِ مسلمہ کے خلاف سازشوں میں ممد و معاون ثابت ہو رہے ہیں۔ چونکہ فی زمانہ عقائدِ اسلاف اور صوفیاء کی مخالفت کا فتنہ بپا ہو گیا ہے، اِس لیے اسلاف صوفیاء اور علماء کے صحیح عقائد بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے وگرنہ آستانہ عالیہ گولڑہ شریف کی زینت، صوفی شاعر، پیر نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی عمدہ بات لکھ دی ہے ؎

حاضر و ناظر و نور و بشر غیب کو چھوڑ
شکر کر وہ تیرے عیبوں کو چھپائے ہوئے ہیں

درحقیقت آج امتِ مسلمہ کی زبوں حالی کا بنیادی سبب بھی درِ مصطفوی ﷺ سے دوری ہے اور ذات مصطفیٰ ﷺ سے تعلق جوڑنے کی بجائے اس ذات اقدس کو وجہء اختلاف اور موضوع بحث بنانا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ جلشانہٗ کی بارگاہ میں رحمتِ عالم ﷺ کی شان کے متعلق سوچ کا انداز کیا ہونا چاہیے۔ اِس کا اندازہ درج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ سے ممکن ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ط وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ O ﴿البقرۃ:۱۰۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! ''راعنا'' نہ کہو بلکہ ''انظرنا'' کہو (یعنی حضور ہم پر نظر رکھیں) اور (ارشاداتِ عالی کو پہلے ہی سے دل لگا کر) سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

حاشیۂ طبری میں اس کی تفسیر یوں ہے کہ ''حضور نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک میں جب صحابہ کرام کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی تھی تو ''راعنا'' کہتے تھے یعنی ''حضور! ہماری

رعایت کیجئے اور دوبارہ ارشاد فرمائیے۔'' اس مجلس مبارک میں یہودی بھی ہوتے۔وہ ''ع'' کی زیر کو ذرا کھینچ کر ''راعینا'' کہتے تھے، جس کے معنی لیتے ''اے ہمارے چرواہے'' حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یہودیوں کی اس تحقیر آمیز شرارت کو سمجھ گئے۔ چنانچہ انہوں نے ببانگِ دہل فرمایا: ''اے دشمنانِ اسلام! تم پر خدا کی لعنت، قسم ہے اُس ذات کی، جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، اگر تم میں سے پھر کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح مخاطب کیا تو میں اسکی گردن اڑا دوں گا۔'' جلالِ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آسمان و زمین کو ہلا کر رکھ دیا اور یہ آیت نازل ہوئی جس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گستاخانِ رسول کے منہ بند کر دیے اور عذابِ الیم کی وعید سنائی۔ یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ کفار و یہود جو کچھ کہا کرتے تھے، وہ بیان واقعی تھا، جھوٹ نہیں تھا یعنی فی الواقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکریاں چرائی تھیں گو اُن کی بکریاں نہ چرائیں بلکہ اپنی یا اپنی رضاعی ماں کی بکریوں کی پاسبانی فرمائی اور آپ ہی پر کیا منحصر ہے بہت سی جلیل القدر ہستیوں نے بکریاں چرائی ہیں، یہ کوئی ایسا کام نہیں کہ جس کو معاشرے میں اچھی نظر سے نہ دیکھا جائے۔ پھر بھی ارشاد ہوا۔ خبردار! اب ''راعنا'' نہ کہنا۔ ذرا غور فرمائیے! یہودی ''راعینا'' کہتے تھے مگر یہاں راعینا تو دور کی بات ہے، ''راعنا'' کی بھی ممانعت فرمائی جا رہی ہے، غیرت الٰہی کی شان دیکھیں! کافروں کے معنی و مقصود کا تصور تک صحابہ کے دل میں نہ تھا بلکہ یہ وسوسہء شیطانی اُن کے قلبِ صافی میں گزر ہی نہیں سکتا تھا مگر پھر بھی ''راعنا'' کی ممانعت فرمائی۔ معلوم کرنا چاہیے کہ اِس کی وجہ کیا ہے؟ دراصل بات یہ تھی کہ ''راعنا'' اور ''راعینا'' کسی معنی میں نبی کریم رضی اللہ عنہ کے لیے موجبِ اہانت و توہین ہوں یا نہ ہوں مگر کفار و یہود کا اس کو موجب توہین سمجھ کر استعمال کرنا بھی غیرت الٰہی کو گوارا نہ ہوا اور صحابہ کی زبان سے ایک ایسے لفظ کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا جو اگرچہ صحابہ کے نزدیک کسی پہلو سے بھی موجب اہانت نہیں مگر کفار کے اختیار کردہ لفظ کے ساتھ اسے لفظی اشتراک ہے۔

الغرض ہر چند کہ صحابہ لفظ ''راعنا'' کو ادب و احترام اور تعظیم کے لیے استعمال کرتے

تھے مگر پھر بھی اس سے ملتے جلتے دوسرے لفظ ''راعینا'' کا استعمال تذلیل وتحقیر کے لیے کیا جاتا تھا، اس لیے ممنوع قرار دے دیا گیا۔ لفظ ''راعنا سے اشارۃً وکنایۃً بھی توہین مراد نہ تھی بلکہ اس کا استعمال تعظیم وادب کے لیے تھا۔ پھر بھی یہ لفظ مردود ٹھہرا اور اس کا استعمال کرنے والا مغضوب، تو غور کریں، جن کلمات میں صراحۃً اور کھلم کھلا آپ کی شان میں گستاخی کی گئی ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کلمات کا اور ان کے قائل کا کیا مقام ہوگا؟ اس آیت میں دوسری بات قابل توجہ یہ ہے کہ یہاں مومنین سے خطاب فرمایا گیا ہے، کفار و یہود سے نہیں۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ کفار و یہود آیت کے مخاطب ہیں۔ ہرگز نہیں، مخاطب عوام وخواص مومنین ہی ہیں۔ بہرکیف اس آیت مذکورہ سے درج ذیل اصول وآداب وضع ہوتے ہیں:

1۔ ایسا لفظ جس کے معنی اور اطلاق اگرچہ فی نفسہٖ صحیح ہو مگر اس سے تمسخر واستہزاء کا پہلو نکل سکتا ہو، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور استعمال کرنا ناجائز ہے۔ 2۔ ایسے لفظ کا استعمال بھی جائز نہیں جو اگرچہ مقام ادب میں بولا جاتا ہو مگر اس سے ملتا جلتا لفظ مقام ادب سے گرا ہوا ہو۔ 3۔ ایسے لفظ سے اگرچہ قائل کی مراد تمسخر واستہزاء نہ ہو مگر پھر بھی وہ گنہ گار اور قابلِ مواخذہ ہے۔ 4۔ اس قسم کے الفاظ بھول چوک اور اضطرار میں بھی نکل جائیں تو تدارک لازم ہے۔ 5۔ جان بوجھ کر کہے جائیں تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بلکہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کے نزدیک بھی اس کا قائل واجبِ سزا ہے۔

درج بالا سطور سے پتہ چلتا ہے کہ مقامِ نبوت کے پیش نظر عقیدۂ رسالت میں احتیاط اور درست عقیدے کو جاننا بہت ضروری ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ آدمی نادانی کی وجہ سے یا کم علمی کی وجہ سے غلط عقیدہ قائم کر لے یا خلافِ صحیح عقیدہ بات زبان سے نکالے اور ایمان کو برباد کر بیٹھے۔

☆ وحیٔ نبوت، انبیا کے لیے خاص ہے، جو اسے کسی غیر نبی کے لیے مانے کافر ہے۔ نبی کو خواب میں جو چیز بتائی جائے وہ بھی وحی ہے، اُس کے جھوٹے ہونے کا احتمال نہیں۔ ولی کے

دل میں بعض وقت سوتے یا جاگتے میں کوئی بات اِلقا ہوتی ہے، اُس کو اِلہام کہتے ہیں اور وحی شیطانی کہ اِلقامن جانبِ شیطان ہو، یہ کاہن، ساحراور کفار کے لیے ہوتی ہے۔

☆ نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و رِیاضت کے ذریعہ سے حاصل کر سکے، بلکہ محض عطائے الٰہی ہے، کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے، جو اِسے کسبی مانے کہ آدمی اپنے کسب و ریاضت سے منصبِ نبوّت تک پہنچ سکتا ہے، کافر ہے۔ اِسی طرح جو شخص نبی سے نبوت کا زوال جائز جانے کافر ہے۔

☆ پیارے کملی والے آقا، حضور ﷺ خاتم النبیّین ہیں، یعنی اللہ نے سلسلہ نبوت حضور (ﷺ) پر ختم کر دیا کہ حضور (ﷺ) کے زمانہ میں یا بعد کوئی نیا نبی نہیں ہوسکتا، جو حضور (ﷺ) کے زمانہ میں یا حضور ﷺ کے بعد کسی کو نبوت ملنا مانے یا جائز جانے، وہ کافر ہے۔

☆ نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ عصمت نبی اور ملائکہ کا خاصہ ہے کہ نبی اور فرشتہ کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ دیگر آئمہ اور اولیاء وغیرہم کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھتا ہے، ان سے گناہ ہوتا نہیں، مگر ہو تو شرعاً محال بھی نہیں۔

☆ نبی شرک وکفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لیے باعثِ نفرت ہو، جیسے کذب و خیانت وجہل وغیرہا صفاتِ ذمیمہ سے، نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مروّت کے خلاف ہیں قبل نبوت اور بعدِ نبوت بالا جماع معصوم ہیں اور کبائر سے بھی مطلقاً معصوم ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام پر بندوں کے لیے جتنے احکام نازل فرمائے انھوں نے وہ سب پہنچا دیے، جو یہ کہے کہ کسی حکم کو کسی نبی نے تقیہ یعنی خوف کی وجہ سے چھپا رکھا یا اور کسی وجہ سے نہیں پہنچایا، کافر ہے۔ احکامِ تبلیغ میں انبیاء سے سہو ونسیان محال ہے۔

☆ نبی کے جسم کا برص وجذام وغیرہ ایسے امراض سے جن سے تنفّر ہوتا ہے، پاک ہونا ضروری ہے۔ اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیوب پر اطلاع دی بلکہ عربی لغت ومعنی کی مشہور و

معروف کتاب ''المنجد'' میں لفظ ''نبی'' کا معنی ہی ''غیب کی خبریں بتانے والا'' درج کیا گیا ہے۔ زمین و آسمان کا ہر ذرّہ ہر نبی کے پیشِ نظر ہے، مگر یہ علمِ غیب اللہ تعالیٰ کے دیئے جانے کی وجہ سے ہے، لہٰذا ان کا علم عطائی ہوا اور علمِ عطائی اللہ عزوجل کے لیے محال ہے، کہ اُس کی کوئی صفت، کوئی کمال کسی کا دیا ہوا نہیں ہوسکتا، بلکہ ذاتی ہے۔

☆ انبیائے کرام، تمام مخلوق یہاں تک کہ رُسُل، ملائکہ سے افضل ہیں۔ ولی کتنا ہی بڑے مرتبہ والا ہو، کسی نبی کے برابر نہیں ہوسکتا۔ جو کسی غیرِ نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے، کافر ہے۔ نبی کی تعظیم فرضِ عین بلکہ اصلِ تمام فرائض ہے۔ کسی نبی کی ادنیٰ توہین یا تکذیب بھی کفر ہے۔

☆ نبیوں کے مختلف درجے ہیں، بعض کو بعض پر فضیلت ہے اور سب میں افضل ہمارے آقا و مولیٰ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت بھی تمام اُمتوں سے افضل ہے۔

☆ تمام انبیا، اللہ عزوجل کے حضور عظیم وجاہت و عزت والے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک (معاذ اللہ) چوہڑے چمار کی مثل کہنا کُھلی گستاخی اور کلمہ کفر ہے۔

☆ انبیا علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اُسی طرح بحیاتِ حقیقی زندہ ہیں، جیسے دنیا میں تھے، کھاتے پیتے ہیں، جہاں چاہیں آتے جاتے ہیں، تصدیقِ وعدہ الٰہیہ کے لیے ایک آن کو اُن پر موت طاری ہوئی، پھر بدستور زندہ ہوگئے، اُن کی حیات، حیاتِ شہدا سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے، کیونکہ شہید کا ترکہ تقسیم ہوگا، اُس کی بی بی بعدِ عدت نکاح کرسکتی ہے، بخلاف انبیاء کے، کہ وہاں یہ جائز نہیں۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل جمیع مخلوقِ الٰہی ہیں کہ اوروں کو فرداً فرداً جو کمالات عطا ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ سب جمع کردیے گئے اور اِن کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ کمالات ملے جن میں کسی کا حصہ نہیں، بلکہ اوروں کو جو کچھ مِلا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل میں،

بلکہ حضور ﷺ کے دستِ اقدس سے ملا، بلکہ کمال اس لیے کمال ہوا کہ حضور ﷺ کی صفت ہے اور حضور ﷺ اپنے رب کے کرم سے اپنے نفسِ ذات میں کامل واکمل ہیں، حضور ﷺ کا کمال کسی وصف سے نہیں، بلکہ اس وصف کا کمال ہے کہ کامل کی صفت بن کر خود کمال وکامل ومکمل ہوگیا کہ جس میں پایا جائے اس کو کامل بنادے۔

☆ یہ امر مُحال ہے کہ کوئی حضور ﷺ کا مثل ہو، جو کسی صفتِ خاصّہ میں کسی کو حضور ﷺ کا مثل بتائے، وہ گمراہ ہے یا کافر۔ حضور ﷺ کو اللہ نے مرتبہ محبوبیتِ کبریٰ سے سرفراز فرمایا۔ حضور ﷺ کے خصائص سے معراج ہے، کہ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک اور وہاں سے ساتوں آسمان اور کرسی وعرش تک، بلکہ بالائے عرش رات کے ایک خفیف حصّہ میں مع جسم تشریف لے گئے اور وہ قربِ خاص حاصل ہوا کہ کسی بشر و مَلک کو کبھی نہ حاصل ہوا نہ ہوگا اور جمالِ الٰہی بچشمِ سر دیکھا اور کلامِ الٰہی بلاواسطہ سنا اور تمام ملکوت السمٰوات والارض کو بالتفصیل ذرّہ ذرّہ ملاحظہ فرمایا۔

☆ تمام مخلوق اوّلین وآخرین حضور ﷺ کی نیاز مند ہے، یہاں تک کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام۔ قیامت کے دن مرتبہ شفاعتِ کبریٰ حضور ﷺ کے خصائص سے ہے کہ جب تک حضور ﷺ فتحِ بابِ شفاعت نہ فرمائیں گے کسی کو مجالِ شفاعت نہ ہوگی، بلکہ حقیقتاً جتنے شفاعت کرنے والے ہیں، حضور ﷺ کے دربار میں شفاعت لائیں گے اور اللہ عزوجل کے حضور مخلوقات میں صرف حضور ﷺ شفیع ہیں اور یہ شفاعتِ کبریٰ مومن، کافر، مطیع، عاصی سب کے لیے ہے، کہ وہ انتظارِ حساب جو سخت جانگزا ہوگا، جس کے لیے لوگ تمنا کریں گے کہ کاش جہنم میں پھینک دیے جاتے اور اس انتظار سے نجات پاتے، اِس بلا سے چھٹکارا کفار کو بھی حضور ﷺ کی بدولت ملے گا، جس پر اوّلین و آخرین، موافقین ومخالفین، مؤمنین وکافرین سب حضور ﷺ کی حمد کریں گے، اِسی کا نام مقامِ محمود ہے اور شفاعت کی اور اقسام بھی ہیں، مثلاً بہتوں کو بلاحساب جنت میں داخل فرمائیں

گے، جن میں چار اَرَب نوے کروڑ کی تعداد معلوم ہے، اِس سے بہت زائد اور ہیں، جو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں ہیں، بہتیرے وہ ہوں گے جن کا حساب ہو چکا ہے اور مستحقِ جہنم ہو چکے، اُن کو جہنم سے بچائیں گیا ور بعضوں کی شفاعت فرما کر جہنم سے نکالیں گے اور بعضوں کے درجات بلند فرمائیں گے اور بعضوں سے تخفیفِ عذاب فرمائیں گے۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت مدارِ ایمان، یا عین ایمان ہے۔ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ماں، باپ، اولاد اور تمام جہان سے زیادہ نہ ہو، آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِطاعت عین اطاعت الٰہی ہے، اطاعتِ الٰہی، بغیر اطاعتِ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناممکن ہے، یہاں تک کہ مسلمان اگر فرض نماز میں ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسے یاد فرمائیں، فوراً جواب دے اور حاضرِ خدمت ہو اور یہ شخص کتنی ہی دیر تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کلام کرے، بدستور نماز میں ہے، اِس سے نماز میں کوئی خلل نہیں۔

☆ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم یعنی اعتقادِ عظمت ایمان ہے اور فعلِ تعظیم بعد ایمان ہر فرض سے مقدم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر جس طرح اُس وقت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِس عالم میں ظاہری نگاہوں کے سامنے تشریف فرما تھے، اب بھی اُسی طرح فرضِ اعظم ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر آئے تو بکمالِ خشوع وخضوع وانکسار باادب سُنے، اور نامِ پاک سنتے ہی درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی علامت یہ ہے کہ بکثرت ذکر کرے اور درود شریف کی کثرت کرے اور نامِ پاک لکھے تو اُس کے بعد مکمل درودِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھے، بعض لوگ براہِ اختصار صلعم یا ص لکھتے ہیں، یہ محض ناجائز وحرام ہے اور محبت کی یہ بھی علامت ہے کہ آل واَصحاب، مہاجرین وانصار وجمیع متعلقین ومتوسلین سے محبت رکھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے عداوت رکھے، اگرچہ وہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو اور جو ایسا نہ کرے وہ اِس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ نیز علامتِ محبت یہ بھی ہے کہ شانِ اقدس میں جو الفاظ استعمال کیے جائیں، ادب میں ڈوبے ہوئے ہوں، کوئی ایسا لفظ جس

میں کم تعظیمی کی بو بھی ہو، کبھی زبان پر نہ لائے، اگر حضور ﷺ کو پکارے تو نامِ پاک کے ساتھ نداء نہ کرے، کہ یہ جائز نہیں، بلکہ یوں کہے:

یا نبی اللہ، یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ (ﷺ)

اگر مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہو تو روضہ شریف کے سامنے چار ہاتھ کے فاصلہ سے دست بستہ جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے، کھڑا ہو کر سر جھکائے ہوئے صلاۃ وسلام عرض کرے، بہت قریب نہ جائے، نہ اِدھر اُدھر دیکھے اور خبردار...! خبردار...! آواز کبھی بلند نہ کرنا کہ عمر بھر کا سارا کیا دھرا اَکارت جائے گا اور محبت کی یہ نشانی بھی ہے کہ حضور ﷺ کے اقوال و افعال و احوال خود پڑھے یا لوگوں سے دریافت کرے اور اُن کی پیروی کرے۔

☆ حضور ﷺ کے کسی قول و فعل و عمل و حالت کو اگر بہ نظرِ حقارت دیکھا تو کافر ہو گیا۔ کائنات کو رسول اکرم ﷺ کے تحتِ تصرف کر دیا گیا، جو چاہیں کریں، جسے جو چاہیں دیں، جس سے جو چاہیں واپس لیں، تمام جہان میں اُن کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں، تمام جہان اُن کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں، تمام آدمیوں کے مالک ہیں، جو اُنھیں اپنا مالک نہ جانے، وہ حلاوتِ سنّت سے محروم رہے، تمام زمین اُن کی ملکیت ہے، تمام جنت اُن کی جاگیر ہے، ملکوت السمٰوات والارض حضور ﷺ کے زیرِ فرمان، جنت و نار کی کنجیاں دستِ اقدس میں دیدی گئیں، رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ﷺ ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا و آخرت حضور ﷺ کی عطا کا ایک حصہ ہے، احکامِ شرعیہ حضور ﷺ کے قبضہ میں کر دیے گئے کہ جس پر جو چاہیں حرام فرما دیں اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرما دیں اور جس امر کو چاہیں فرض فرما دیں۔

ایک مسلمان کے دل میں نبیء رحمت ﷺ کی تعظیم و اطاعت جذبہء محبت سے سرشار موجزن ہوتی ہے۔ محبت والے خصائص و کمالات کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں جبکہ عقیدے کی پراگندگی کے شکار اپنی بربادی کا سامان تلاش کرتے رہتے ہیں۔ آج تک صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے رسالتِ مآب ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ کسی معمولی ترین نقص کو بھی نسبت نہیں دی بلکہ ہمیشہ فضائل اور خصائص ہی بیان کیے ہیں۔ اولیائے متقدمین کی مانند حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے بھی درج ذیل عقائدِ اہلسنت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنایا۔

ولادتِ رسول ﷺ کا تذکرہ وشکرانہ (محفل میلاد)

جشنِ میلاد منانا دراصل حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت پر اظہار تشکر ومسرت کا نام ہے۔ ولادتِ باسعادت کی یاد میں اہل محبت کو جمع کر کے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ولادت باسعادت، آپ کی صورت وسیرت، آپ کے آباؤ اجداد، آپ کی ازواج واہلبیت، آپ کے صحابہ وصحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تذکرہ نیز شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے آپ کی شان عظمت نشان کا ذکر کرنا ''محفل میلاد'' ہے، اس موقع پر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی اس دنیا میں تشریف آوری کا تذکرہ بالخصوص ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ، نبی کریم، صحابہ کرام، اولیاء کرام اور آئمہ دین نے ذکر میلاد کیا ہے ۔ آیئے سب سے پہلے رب کریم کی ''محفل میلاد'' کا ذکر کرتے ہیں۔

حضور ﷺ کا ''ذکر میلاد'' قرآن میں:

ترجمہ: ﴿۱﴾ ''مجھے اس شہر مکہ کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو اور تمہارے باپ کی قسم اور جو پیدا ہوا اس کی قسم''۔ (بحوالہ ''سورۃ البلد'' آیات ۱ تا ۳، پارہ ۳۰)

﴿۲﴾ ''ہم نے تمہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا''۔ (بحوالہ پ ۱۷، ع ۷)

﴿۳﴾ ''اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے آپ کو بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا''۔ (بحوالہ پ ۲۲، ع ۳) ﴿۴﴾ ''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت دوں اور پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول (ﷺ) جو تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے''۔ (بحوالہ پ ۳، ع ۱۷) ﴿۵﴾ ''تحقیق

اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں اپنا رسول بھیج دیا''۔ (بحوالہ پ۴، ع۱۱)

﴿۶﴾ ''وہی ذات ہے جس نے اپنا رسول بھیجا''۔ (بحوالہ ''سورۃ توبہ'' آیت ۳۳)

﴿۷﴾ ''بے شک تمہارے پاس تشریف لائے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑ جانا گراں گزرتا ہے''۔ (بحوالہ ''سورۃ توبہ'' آیت ۱۲۸)

مندرجہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ ہر آیت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد اور ولادت باسعادت کا ذکر ہے۔ کہیں بھی آپ کو واپس بلانے کا ذکر نہیں۔ پہلے انبیاء کے جانے کے ساتھ ہی ان کا کلمہ منسوخ ہو گیا اور اگلے نبی کا کلمہ رائج ہو گیا۔ لیکن ہمارے نبی تو بس آئے ہیں، گئے نہیں لہٰذا ان کا کلمہ بھی قیامت تک رہے گا۔

ذکر میلاد...... حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ کی زبان سے:

حضرت مائی آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: (۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت کے وقت مجھ سے ایسا نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (۲) چاند خیمے کی طرح میرے اوپر جھک گیا اور ستارے میرے سر پر مشعلوں کی طرح ہو گئے۔ (۳) میں نے دیکھا تین جھنڈے گاڑ دیئے گئے۔ ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک خانہ کعبہ کی چھت پر۔ (۴) ولادت کے وقت ایوان کسریٰ میں زلزلہ آیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔ طبریہ کا بحریہ خشک ہو گیا اور فارس کی آگ بجھ گئی جو ایک ہزار سال سے نہیں بجھی تھی۔ (۵) اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس حال میں جنا کہ آپ پاک وصاف تھے۔ آپ ختنہ شدہ اور ناف بریدہ تھے اور مشک وعنبر سے معطر تھے۔ آنکھوں میں قدرتی سرمہ تھا اور آپ امت کی بخشش کی دعائیں کر رہے تھے۔ (بحوالہ ''نشر الطیب'' ص ۱۹، ''زرقانی ۱'' ص ۹۱'' مستدرک ۲'' ص ۲۰۰ ''مواہب الدنیہ ۱ ص ۵۹' ''نعمت الکبریٰ'' ، ص ۶۶ ''بیہقی' ابونعیم'' وغیرہ)

ذکر میلاد ...... سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اپنی زبانی:

(۱) بے شک اللہ نے تمام اشیاء سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا۔ اس وقت لوح وقلم، جنت، دوزخ، فرشتے، آسمان، جن وانس، حتیٰ کہ کچھ بھی نہ تھا۔ (۲) میں اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کا خواب ہوں۔ (۳) مجھے چھ چیزوں میں تمام انبیاء پر فضیلت دے کر بھیجا گیا۔ (۴) مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔ (۵) مجھے قاسم بنا کر بھیجا گیا۔ (۶) مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ (۷) مجھے بہترین زمانے (ولادت کی افضل ترین گھڑیوں) میں بھیجا گیا۔ (۸) سوموار کو روزہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس دن میں پیدا ہوا۔ (بحوالہ ''مکتوبات شریف'' ص 75-100 ''بخاری شریف، مسلم شریف، مشکوۃ شریف، ترمذی شریف'')

ذکر میلاد ...... صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زبانی

(۱) حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ اور جب آپ پیدا ہوئے تو تمام زمین روشن ہوگئی۔ (۲) حضرت عکرمہ بیان کرتے ہیں، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو ساری روئے زمین نور سے چمک اٹھی۔ (۳) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ اے محبوب! آپ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے۔ گویا آپ کو آپ کی مرضی کے مطابق پیدا کیا گیا۔ آپ سے زیادہ حسیں کسی آنکھ نے دیکھا ہی نہیں اور آپ سے زیادہ خوبصورت کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ (بحوالہ ''خصائص الکبریٰ'' ج ا ص ۵۱ ''انوار تجلیات'' ص ۲۵)

ذکر میلاد......اولیاء کرام اور ائمہ دین کی زبانی

(۱) امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ نور ہیں کہ آپ کے نور سے چودھویں رات کا چاند منور ہوا اور سورج چمکنے لگا۔ (۲) حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ''جاننا چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش دوسرے انسانوں کی طرح نہیں۔'' (۳) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کا عقیدہ: مولود شریف تمام اہل حرمین کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیسے مذموم ہوسکتا ہے۔ فقیر محفل میلاد میں شریک ہوتا ہے بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔ (''کلیات امدادیہ'' نمبر ۲، ص ۲۳) (۴) حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ تمام اہل مکہ اس رات کو مکہ شریف میں ولادت شریف کے مقام کی زیارت کرتے ہیں اور میلاد شریف پڑھتے ہیں۔ (''مدارج

النبوت"، نمبر۲، ص۲۳) (۵) غیر مقلدوں کے پیشوا نواب صدیق حسن بھوپالوی نے لکھا ہے۔ جس کو ذکر میلاد شریف سن کر فرحت نہ ہو اور وہ اس نعمت پر خدا کا شکر نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔ (بحوالہ: "الشمامۃ العنبریہ" ص۱۲)

سلطان العارفین امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب الوسائل فی شرح الشمائل میں فرماتے ہیں۔ جس گھر مسجد یا محلّہ میں بھی نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میلاد شریف پڑھا جاتا ہو۔ فرشتے اس گھر مسجد یا محلّہ کو گھیر لیتے ہیں اور اس اہل خانہ پر نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ جس گھر میں مسلمان میلاد شریف پڑھتا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس گھر والوں سے قحط و وبا، آتش زنی وغرقابی، آفات وبلیات، بغض وحسد، نگاہ شر اور چوروں کے خطرے سے دور کر دیتا ہے اور جب وہ مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر منکر نکیر کے جواب کو آسان کر دیتا ہے اور وہ قادر مطلق اور مالک حقیقی کے مقام صدق میں ہوتا ہے۔ (بحوالہ نعمۃ الکبریٰ، صفحہ 26)

مسئلہ قیام بسلسلہ صلوٰۃ وسلام

جمہور اہلسنت کا طریقہ ہے کہ عموماً بعض مواقع پر اور خصوصاً محفل میلاد کے دوران کچھ دیر کھڑے رہ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام مختلف اشعار و انداز میں پڑھتے ہیں۔ اِس کی بنیادی وجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صلوٰۃ وسلام کی تعظیم وتکریم کا اظہار کرنا ہے۔ علماء، صوفیاء اور اولیاء نے اِسے پسند فرمایا اور مستحسن قرار دیا ہے۔

مشکوٰۃ شریف، کتاب الادب باب المصافحہ میں ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے آنے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے، اُن کو گلے لگایا اور بوسہ دیا۔ نیز مشکوٰۃ شریف میں اِسی باب میں لکھا ہے کہ جب حضرت خاتون جنت سلام اللہ علیہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنکے لیے کھڑے ہو جاتے، اُنکا ہاتھ پکڑ کر چومتے اور اُنکو اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ اِسی طرح جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت خاتونِ جنت سلام اللہ علیہا کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں، ہاتھ مبارک پر بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بٹھاتیں۔

چنانچہ حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سیّدہ خاتونِ جنت سلام اللہ علیہا کھڑی ہوکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتکریم فرمایا کرتی تھیں۔

علامہ جلیل الشان علی بن برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت مبارکہ ''انسان العیون'' میں تصریح فرمائی کہ ''یہ قیام بدعت حسنہ ہے'' اور ارشاد فرماتے ہیں: ''بیشک وقتِ ذکرِ نام پاک سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام قیام کرنا امام تقی الملۃ والدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے پایا گیا جوامت مرحومہ کے عالم اور دین وتقویٰ میں اماموں کے امام ہیں اور اس قیام پر ان کے معاصرین ائمہ کرام، مشائخ الاسلام نے ان کی متابعت کی۔ بعض علماء یعنی انہی امام اجل کے صاحبزادے امام شیخ الاسلام ابونصر عبدالوہاب ابن ابی الحسن تقی الملۃ والدین سبکی نے طبقات کبریٰ میں نقل فرمایا کہ امام سبکی کے حضور ایک جماعت کثیر اس زمانہ کے علماء کی مجتمع ہوئی۔ اس مجلس میں کسی نے امام صرصری کے یہ اشعار نعت حضور سید الابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ''مدح مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ بھی تھوڑا ہے کہ سب سے اچھا خوشنویس ہو، اس کے ہاتھ سے چاندی کے کاغذ پر سونے کے پانی سے نعت لکھی جائے اور جو لوگ شرف دینی رکھتے ہیں، وہ ان کی نعت سن کر صف باندھ کر سروقد یا گھٹنوں کے بل کھڑے ہوجائیں''۔ ان اشعار کے سنتے ہی حضرت امام سبکی وجملہ علمائے کرام، حاضرین مجلس مبارک نے قیام فرمایا اور اس کی وجہ سے اس مجلس میں نہایت انس حاصل ہوا۔ علامہ جلیل حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس قدر بیان پیروی کے لیے کفایت کرتا ہے۔ (انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، باب تسمیۃ صلی اللہ علیہ وسلم محمد واحمد دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۴)

نعتیہ قصیدہ لکھنے والے، امام صرصری رحمۃ اللہ علیہ وہ ہیں جنہیں علامہ محمد بن علی شامی مستند منکرین نے ''سبیل الہدی والرشاد'' میں اپنے زمانے کا حسّان اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبّ صادق کہا اور امام اجل حضرت امام الائمہ تقی الملۃ والدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی جلالتِ شان ورفعت تو آفتاب

سے زیادہ روشن ہے یہاں تک کہ منکرین کے پیشواء مولوی نذیر حسین دہلوی نے اپنے ایک مہر شدہ فتوے میں ان کا بالاجماع امام جلیل ومجتہد کبیر ہونا تسلیم کیا ہے۔

عالم کامل، عارف باللہ، سیدی مولانا سید جعفر برزنجی رحمۃ اللہ علیہ جن کا رسالہ ''عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' حرمین محترمین ودیگر بلادِ دارِ اسلام میں رائج ہے اور منکرین کے مستند مولانا رفیع الدین نے ''تاریخ الحرمین'' میں اس رسالے اور مصنف جلیل القدر کی نہایت مدح وثناء لکھی ہے۔ اپنے اسی رسالے مبارکہ میں فرماتے ہیں: ''بیشک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ ولادت کے وقت قیام کرنا ان اماموں نے مستحسن سمجھا ہے جو صاحب روایت ودرایت تھے تو شادمانی اس کے لئے جس کی نہایت مراد ومقصود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ہے۔

(عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر مترجم بالاردویۃ، جامعۃ الاسلامیہ لاہور صفحہ ۲۵،۲۶)

فاضل اجل، سیدی جعفر بن زین العابدین علوی مدنی نے اس کی شرح الکوکب الازہر علیٰ عقد الجوہر میں اس مضمون پر تقریر فرمائی۔ فقیہہ محدث مولانا بن حسن دمیاطی اپنے رسالہ ''اثباتِ قیام'' میں فرماتے ہیں: ''قرات مولد شریف میں ذکرِ ولادت شریف سید المرسلین صلی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کو قیام کرنا بیشک مستحب ومستحسن ہے جس کے فاعل کو ثواب کثیر وفضل کبیر حاصل ہوگا کہ وہ تعظیم ہے اور کیسی تعظیم ہے جنابِ نبی کریم، صاحبِ خُلقِ عظیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، جن کی برکت سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں ظلماتِ کفر سے نورِ ایمان کی طرف لایا اور اُنکے سبب ہمیں دوزخِ جہل سے بچا کر بہشتِ معرفت ویقین میں داخل فرمایا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم میں خوشنودی رب العالمین کی طرف دوڑنا ہے اور قوی ترین شعائر دین کا آشکار ہونا ہے اور جو شعائر خدا کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے''۔

(اثبات القیام)

پھر بعد نقل دلائل فرمایا: ''دلائل سے ثابت ہوا کہ ذکرِ ولادت شریف کے وقت قیام مستحب ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ہے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ قیام تو بدعت ہے اس لیے

کہ ہم کہتے ہیں کہ ہر بدعت بری نہیں ہوتی، جیسا کہ یہی جواب امام محقق مولیٰ ابوذرعہ عراقی نے دیا، جب اُن سے میلاد کی بابت پوچھا تھا کہ مستحب ہے یا مکروہ اور اس میں کچھ وارد ہوا ہے؟ یا کسی پیشوا نے کیا ہے؟ تو جواب میں فرمایا، ولیمہ اور کھانا کھلانا ہر وقت مستحب ہے پھر اس صورت میں کیا پوچھنا۔ جب اس کے ساتھ اس ماہِ مبارکہ میں ظہورِ نبوت کی خوشی مل جائے، اور ہمیں یہ امر سلف سے معلوم نہیں، نہ بدعت ہونے سے کراہت لازم کہ بہت سی بدعات مستحب بلکہ واجب ہوتی ہیں۔ جب تک کہ اُن کے ساتھ کوئی خرابی شامل یا ضم نہ کی گئی ہو۔''

شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے اللہ میرا کوئی عمل ایسا نہیں جسے تیرے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں۔ میرے تمام اعمال فسادیت کا شکار ہیں البتہ مجھ فقیر کا ایک عمل محض تیری ہی عنایت سے اس قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ محفل میلاد کے موقع پر کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں۔ اور نہایت ہی عاجزی وانکساری، محبت وخلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ (بحوالہ ''اخبار الاخیار'' ص ۶۲۴ مطبوعہ کراچی)

مسئلہ نور و بشر

سلف صالحین اہلسنت، علماء، صوفیاء اور اولیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بشر بے مثال اور نورِ با کمال ہونے کے بھرپور قائل اور معترف تھے۔ اگرچہ اِس طرح کی بحث کو اسلاف نہایت غیر مناسب سمجھتے تھے لیکن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور ہونے کا انکار کیا جائے تو اثبات اور صحیح عقیدہ بتلانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قرآن اور حدیث پاک میں نور بھی کہا گیا ہے اور بشر بھی۔ ہاں قرآن وحدیث سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسلمانوں نے کبھی کسی نبی کو اپنے جیسا بشر کہا ہو۔ جب قرآن کریم نے نبی کو بشر بھی کہا ہے، نور بھی کہا ہے، ان میں کوئی تعارض نہیں تو پھر اس کا منکر قرآن کا منکر ہے۔ جس ذات پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ ترین صفات سے نوازا ہے اس کو صرف بشر کہنا یا اس پر اصرار و تکرار کرنا، اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ شخص حضور نبی

اکرم ﷺ کی باقی صفات کا منکر ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم ﷺ کو نبی و رسول ماننے سے انسان مسلمان کہلاتا ہے۔صرف بشر بشر کا قول کفار کا ہے، اہل ایمان کا نہیں۔ہم اہل ایمان ہیں۔کوئی قرآن وحدیث سے ثابت کرے کہ اہل ایمان اپنے نبی کو اپنے جیسا بشر کہہ کر مسلمان ہوتے تھے یا ہو سکتے ہیں۔اصل مسئلہ نور و بشر کا نہیں، بلکہ اصل مسئلہ ادب و بے ادبی کا ہے۔اللہ بھی نور ہے، ملائکہ بھی نور ہیں، حور و غلمان بھی نور ہیں، سورج بھی نور ہے، قرآن بھی نور ہے، نبی بھی نور ہے، ایمان بھی نور، ہماری آنکھ بھی نور ہے، ہماری عقل بھی نور ہے، پھر انکار و تکرار پر افسوس کرنے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ قرآن وحدیث اور علماء ومحدثین، فقہاء وصوفیاء سب نے رسول اللہ ﷺ کو نور کہا اور مانا ہے۔مثلاً قرآن میں دیکھئے:

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ (سورۃ المائدہ:15)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد ﷺ) آ گیا ہے اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید)

اسی طرح کتبِ سیرت، احادیث، تفاسیر اور بائبل میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ کو نور فرمایا گیا ہے۔انجیل برناباس اور ”البدایہ والنہایہ شائع کردہ جماعت اسلامی“ میں بھی آپ کا نور ہونا ثابت ہے۔منکرین کے پاس رسول اللہ ﷺ کی نورانیت کے خلاف ایک دلیل بھی نہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی بشریت کا انکار کسی مسلمان کو نہیں لیکن نورانیت اور بشریت میں تضاد ثابت کرنا نری جہالت ہے۔نور کے مقابلہ میں ظلمت یعنی اندھیرا اور تاریکی ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ بشر بھی ہیں اور نور بھی ہیں اور یہی اللہ کی قدرت کا کمال ہے۔ پس نبی اکرم ﷺ کی نورانیت کا انکار کرنا جہالت و تعصب کے سوا کچھ بھی نہیں۔

مسئلہ حاضر وناظر

اسلاف علماء، صوفیاء اور اولیاء نبی کریم ﷺ کے شاہد ومشہود (حاضر وناظر)

ہونے کے قائل تھے۔ آج کے دورِ پُرفتن میں بعض لوگوں نے اِس بات کو پوری طرح نہیں سمجھا اور زبانِ طعن دراز کردی جس کی وجہ سے بے ادبی و گستاخی میں ڈوبے ہوئے منکرین ابلیس کی پیروی میں خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بننے لگے۔ ذیل میں اِس عقیدہ کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔

''حاضر وناظر'' کی لفظی ترکیب قرآن وحدیث میں نہ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوئی ہے اور نہ کسی اور کے لئے، لہٰذا اس ترکیب پر اختلاف وانکار حماقت ہے۔ ہاں قرآن وحدیث میں لفظ شاہد، شہید وغیرہ استعمال ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی اس کی شان کے مطابق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی، آپ کی شان کے مطابق۔ نیز اہل ایمان کے لئے بھی ان کی شان کے مطابق۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً

(سورۃ احزاب: 45)

ترجمہ: اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا۔

وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هٰؤُلاءِ شَهِيداً (سورۃ النساء: 41)

ترجمہ: اور (اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولاً شَاهِداً عَلَيْكُمْ (سورۃ المزمل: 15)

ترجمہ: بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجا ہے جو تم پر (اَحوال کا مشاہدہ فرما کر) گواہی دینے والا ہے۔

درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہوں میں ہے۔ آپ روئے زمین کو اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے ہاتھ کی ہتھیلی، چنانچہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین سمیٹ دی، سو میں نے اس کے مشرقوں اور

مغربوں کو دیکھ لیا اور جتنی زمین میرے لیے سمیٹی گئی، میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی اور مجھے دونوں خزانے دیدیئے گئے۔ سرخ (کسریٰ، ایران کے دینار) اور سفید (قیصر روم کے درہم)۔‘‘ (المسلم، صحیح، کتاب الفتن واشراط الساعۃ، باب ھلاک ھذہ الامۃ بعضھم لبعضٍ، 6 / 2215، الرقم:2889)

حضور گنجِ کرم، حضرت پیر سیّد محمد اسمٰعیل شاہ بخاری، حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مولوی صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا، حضرت صاحب! لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔ میں اِس بات کو درست نہیں مانتا۔ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا، مولوی جی! آپ درست کہتے ہیں اور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حاضر و ناظر نہیں۔ بلکہ مولوی جی! اصل بات یہ ہے کہ ہم سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر وموجود ہیں اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر لحظہ ہم پر نظر فرماتے ہوئے ہمیں ملاحظہ فرمارہے ہیں۔

معروف عالم دین، علامہ عبدالحق ظفر چشتی مرحوم نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ باری باری ہر ایک سے آنے کا مقصد معلوم کررہے تھے۔ جب میری باری آئی تو آپ نے مجھے نعت شریف سنانے کو ارشاد فرمایا۔ میں نے تعمیل حکم کرتے ہوئے نعت شریف سے قبل صلوٰۃ وسلام پڑھنا شروع کیا یعنی صل اللہ علیک یارسول اللہ۔۔۔۔ ابھی میں نے صلوٰۃ وسلام ہی پڑھا تھا کہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا، مولوی صاحب! آپ نے کچھ پڑھا بھی ہے؟ میں نے عرض کیا، جی! دینی تعلیم حاصل کی ہے۔ آپ نے فرمایا، اچھا یہ بتاؤ، ندا کی کتنی قسمیں ہیں؟ میں نے عرض کیا، چار قسمیں ہیں۔ آپ نے فرمایا، یہ بتاؤ کہ ندا کی قسم ’’یا‘‘ دور کے لیے استعمال کرتے ہو یا قریب کے لیے؟ میں نے عرض کیا کہ ندا کی قسم ’’یا‘‘ دور کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے اور قریب کے لیے بھی۔ آپ نے فرمایا، اچھا اب یہ بتاؤ کہ ندا کی قسم ’’ایْ‘‘ دور کے لیے استعمال

کرتے ہو یا قریب کے لیے؟ میں نے عرض کیا کہ ندا کی یہ قسم تو صرف قریب بلکہ بہت قریب کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ میری بات سن کر حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے، مولوی صاحب! جب آپ نماز میں التحیات کے دوران ''السلام علیک ایھا النبی'' پڑھا کرتے ہیں تو اب ''صل اللہ علیک یا رسول اللہ'' کس لیے پڑھ رہے ہیں؟ علامہ عبدالحق ظفر چشتی کہتے، میں حیران رہ گیا کہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ عقیدے کے معاملے میں کس قدر باریک بینی کے ساتھ غور فرماتے ہیں۔ یہ ایک ولی اللہ کی شان ہی ہو سکتی ہے۔

مسئلہ علم غیب

اسلاف علماء، صوفیاء اور اولیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبِ علمِ غیب ہونے کے قائل تھے۔ اِس عقیدے کو بھی بعض لوگوں نے اصل مسئلہ سمجھے بغیر اعتراض کا نشانہ بنا دیا حالانکہ اہلسنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس علمِ غیب ''ذاتی'' ہونے کے قائل نہیں بلکہ اِس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر طرح کا علم (ما کان و ما یکون) ''عطا'' فرمایا ہے۔ جبکہ دوسری طرف ایسی سوچ کا رَدّ بھی کیا گیا ہے کہ جس کے ماتحت یہ خیال کیا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم ایک عام مومن جیسا ہے۔

اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیوب پر اطلاع دی بلکہ عربی لغت و معنی کی مشہور و معروف کتاب ''المنجد'' میں لفظ ''نبی'' کا معنی ہی ''غیب کی خبریں بتانے والا'' درج کیا گیا ہے۔

حضور دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيماً

(سورۃ النساء:113)

ترجمہ: اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے

حضرت امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں ''یعنی احکام شرع اور غیب میں سے سکھا دیا'' (تفسیر جلالین)۔ خزائن العرفان میں ہے، ''اس آیت سے ثابت

ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو تمام کائنات کے علوم عطا فرمائے اور کتاب و حکمت کے اسرار و حقائق پر مطلع فرمایا۔ (تفسیر خزائن العرفان)

حدیثِ پاک میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی پاک ﷺ سے ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کیا گیا جن کے بارے میں سوال کرنا آپ ﷺ کو ناگوار تھا۔ جب سوالات زیادہ ہونے لگے تو آپ ﷺ کو جلال آ گیا۔ پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا: **سلونی ما شئتم** تم لوگوں کا جو جی چاہے پوچھو! اس پر ایک صاحب نے پوچھا، میرا باپ کون ہے؟ فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ اس کے بعد ایک اور شخص اٹھا اور پوچھا، یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا سالم، شیبہ کا آزاد کردہ غلام۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روئے انور پر غضب کے آثار دیکھے تو عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔ (الجامع الصحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۹، کتاب العلم، باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم، الجلد الاوّل، صفحہ: ۹۱، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی)

بخاری شریف کی اس حدیث میں سرکارِ مدینہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سلونی عما شئتم'' تم لوگوں کا جو جی چاہے پوچھو! ان مبارک الفاظ میں استعمال ہونے والے لفظ ''عما'' میں دین و دنیا کی ساری باتیں شامل ہیں۔ اس لیے کہ کھڑے ہونے والے دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے والد کے بارے میں سوال کیا تھا جو کہ ایک دنیاوی بات ہے۔ آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ تم لوگوں کا جو جی چاہے پوچھو، خواہ دنیا کی بات ہو یا دین کی۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا، یہ وہی کہہ سکتا ہے جو دین و دنیا کے سارے علوم رکھتا ہو تو اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو دین و دنیا کے جملہ علوم حاصل تھے۔ اسی سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ صرف دین کے جملہ علوم رکھتے تھے، دنیا کے علوم میں یہ حال تھا کہ دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہ تھی۔ (معاذ اللہ)

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کوسنا، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور مخلوق کی پیدائش کی ابتداء کے متعلق ہمیں خبر دی یہاں تک کہ جنتی اپنے ٹھکانوں میں اور دوزخی اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے، اسے جس نے یاد رکھا سو یاد رکھا جو بھول گیا سو بھول گیا۔(الجامع الصحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۱۹۲، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی قول اللہ عزوجل، الجلد الاوّل، صفحہ: ۴۵۳، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

متعدد شارحین حدیث نے متفق ہو کر لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مجلس میں مخلوق کی پیدائش کی ابتداء سے لیکر جنتیوں کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک تمام مخلوقات کے کل حالات کی خبر دی۔ اسی کا نام ''جمیع ما کان وما یکون (جو کچھ ہو گیا اور جو کچھ ہونا ہے) کا علم ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ اسلاف کرام اور بزرگان دین کا عقیدہ یہی تھا کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزِ اوّل سے روزِ آخر تک کے تمام حالات جانتے ہیں اور یہی علم غیب ہے۔ الحمدُ للہ ہم اہلسنت کا یہ عقیدہ قرآن وحدیث اور اسلاف کے عقیدے کے مطابق ہے۔

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے، ''لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمِ غیب پر اعتراض کرتے ہیں، مجھ پر میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نظر (ولایت) ڈالی ہے، میں قیامت کے بارے میں علم رکھنے کا دعویٰ نہیں کرتا (آپ نے اِس بات کا اِنکار کرنے کی بجائے دعویٰ کرنے سے گریز فرمایا) مگر اللہ کریم نے مجھ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھی۔ (بحوالہ معدن کرم، خزینۂ کرم، میری سرکار)

معروف عالم دین، مولانا مفتی بشیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (منڈی چشتیاں شریف والے) دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اسلافِ اہلسنت کے مخالف عقیدہ کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمِ غیب کا انکار کرتے تھے۔ وہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اِس مسئلے پر مناظرہ کرنے کے لیے گھر سے کتابیں لے کر نکلے لیکن جب حضرت

صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر پہنچے تو بغیر بتلائے حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کو ارشاد فرمایا، مولوی صاحب آ جائیں، ہم علمِ غیب کے موضوع پر بات چیت کر کے کوئی فیصلہ کرلیں۔ اگرچہ مفتی بشیر احمد صاحب اِس بات پر بہت حیران ہوئے مگر پھر بھی اپنے تیار کردہ دلائل سنانے لگے تو حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا، مولوی صاحب! ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی علمِ غیب کے قائل نہیں بلکہ عطائی علمِ غیب کے قائل ہیں۔ مفتی بشیر احمد صاحب کا زیادہ تر مسئلہ تو اِسی بات سے حل ہو گیا مگر پھر وہ علمِ غیب کے کلی اور جزوی ہونے کے معاملے پر بات چیت کرنے لگے تو حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے، مولوی صاحب! اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا ہے، **وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا** (سورۃ البقرہ:31)، مولوی صاحب! آپ کی کلی بڑی ہے یا رب کریم کا کلہ؟ مفتی بشیر احمد صاحب خاموش ہو کر رہ گئے بلکہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے گرویدہ ہو کر حلقہء ارادت میں داخل ہو گئے۔ پھر ساری زندگی آپ کی غلامی کا دم بھرتے رہے اور حضرت کرماں والا شریف کی خلافت پا کر اِس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔

مسئلہ امداد و استعانت، شفاعت، وسیلہ اور سفارش، زیارتِ قبور

انبیاء و اولیاء سے ظاہری حیات میں مدد مانگنا یا شفاعت اور وسیلہ چاہنے پر اختلافِ رائے بہت کم ہے لیکن بعد از وصال امداد و استعانت، شفاعت، وسیلہ اور سفارش کے عقیدے پر اختلاف زیادہ پایا جاتا ہے۔ اہلسنت کے اسلاف کا عقیدہ بعد از وصال امداد و استعانت، شفاعت، وسیلہ اور سفارش کے حق میں ہے۔ اِسی طرح اسلافِ اہلسنت حیاتِ ابدی بعد از وصالِ ظاہری کے بھی قائل و معترف ہیں۔ زیرِ نظر تحریر میں درج بالا عقائد کے حوالے سے وضاحت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُواْ أَنفُسَهُمْ جَآؤُوكَ فَاسْتَغْفَرُواْ اللّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُواْ اللّهَ تَوَّاباً رَّحِيماً (سورۃ النساء:64)

ترجمہ : اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں، تو آپ کے حضور حاضر ہوں، پھر اللہ سے معافی چاہیں، اور رسول اُن کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

چونکہ یہ آیت نبی اکرم ﷺ کی ظاہری حیات کے بعد بھی قابل عمل ہے، اِس لیے نبی ﷺ سے امداد اور شفاعت کی سفارش پانے کے لیے اب بھی درخواست پیش کرنا جائز بلکہ احسن و بہتر ہے۔

واقعہ ءمعراج میں نماز فرض ہونے کا معاملہ بھی انبیاء کی طرف سے امداد و استعانت بعد از وصال پر دلیل ہے۔ صحیح بخاری، جلد اوّل، باب الصلوٰۃ، حدیث نمبر 346 کے ماتحت مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پچاس نمازوں کا تحفہ پروردگار سے پانے کے بعد واپس تشریف لا رہے تھے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے گذارش کر کے واپس بھیجا اور تخفیف کروائی۔ حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں جبکہ اِن پانچ نمازوں کی ادائیگی پر ثواب پچاس نمازوں کا برقرار رکھا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بعد از وصال امتِ مصطفویٰ علیہ التحیۃ والثناء کی امداد و استعانت فرمائی ہے۔ اگر کوئی اِس بات کا انکار کرتا ہے تو پھر اُسے چاہیے کہ وہ پچاس نمازیں ہی ادا کیا کرے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات فی شرح مشکوۃ کے اندر شروع باب زیارت القبور میں لکھا ہے: ''امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے، اس سے ان کی وفات کے بعد بھی مدد مانگی جاوے، ایک بزرگ نے فرمایا کہ چار شخصوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ قبروں میں بھی وہ ہی عمل درآمد کرتے ہیں جو زندگی میں کرتے تھے یا زیادہ۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ زندہ کی مدد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ مردہ کی امداد زیادہ قوی ہے۔ اولیاء اللہ کی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ نہیں مگر ان کی روحوں کو کیونکہ ارواح باقی ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں درج ذیل حدیث لکھی ہے:

''داؤد بن ابی صالح کہتے ہیں ایک دن مروان آیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص قبر رسول اللہ ﷺ پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے ہے۔ مروان نے کہا، جانتے ہو کیا کر رہے ہو؟ وہ شخص مروان کی طرف متوجہ ہوئے تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ فرمایا، ہاں! میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں آیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے جب دین کے معاملات اہل لوگوں کے ہاتھ میں ہوں تو اس پر مت روؤ۔ ہاں جب اُمور دین نا اہل لوگوں کے ہاتھ میں ہوں تو اس پر روؤ''۔

(احمد بن حنبل، المسند، 5:422، الرقم: 23633، مؤسسة قرطبة مصر)

فوت شدہ کوئی بھی شخص کسی بھی آواز کو سنتا ہے اور سب کچھ دیکھتا ہے۔ اِس ضمن میں ایک مضبوط دلیل یہ ہے کہ اگر فوت شدہ شخص سن نہیں سکتا تو پھر جملہ مکاتبِ فکر کے لوگ قبروں میں موجود فوت شدگان کو ''السلام علیکم یا اہل القبور'' کہہ کر سلام کیوں کرتے ہیں؟ اگر کوئی جواب دینے پر ہی قادر نہ ہو تو اُسے سلام کرنے کا جواز کیا ہے؟ اور اگر فوت شدہ سلام کا جواب دینے کی طاقت رکھتا ہے تو پھر سلام کا جواب بھی ایک طرح کی دعا ہے۔ اگر وہ ایک دعا کر سکتا ہے تو کسی کے حق میں باقی دعائیں بھی کر سکتا ہے۔ کسی کے لیے دعا کرنا بھی امداد و استعانت کے مترادف ہے لہٰذا اگر ایک عام مسلمان مومن امداد و استعانت کر سکتا ہے تو اللہ کی عطا کردہ طاقت سے اولیاء بدرجہ اولیٰ امداد و استعانت فرما سکتے ہیں۔

مزارات پر حاضری، ایصالِ ثواب (عرس و ختم شریف)

اسلاف علماء، صوفیاء اور اولیاء ایصالِ ثواب کے ماننے والے اور اِس عقیدے پر عمل کرنے والے ہیں۔ اولیاء کرام کے اعراس یا ختم شریف منعقد کرنے کا سلسلہ اوائل اسلام سے جاری ہے اور اولیائے کرام اِس میں شمولیت بھی کرتے ہیں۔ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے پیر و مرشد حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مشائخ نقشبندیہ کے اعراس مبارکہ میں باقاعدگی کے ساتھ شمولیت فرماتے رہے۔

حدیث پاک بابت زیارتِ قبور

حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ إِنِّي فَرَط" لَكُمْ وَأَنَا شَهِيد" عَلَيْكُمْ وَإِنِّي وَاللّٰهِ لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الْآنَ وَإِنِّي أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ وَإِنِّي وَاللّٰهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلَكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُم أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن باہر نکلے اور اُحد میں شہید ہو جانے والوں پر نماز پڑھی جیسا کہ آپ میت پر نماز پڑھتے تھے پھر آپ منبر شریف کی طرف واپس تشریف لائے (اور منبر پر جلوہ افروز ہو کر) فرمایا میں تمہارے لئے (فرط) مقدم (آگے جانے والا) ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں اور اللہ کی قسم میں اپنے حوض کو اب دیکھ رہا ہوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئی ہیں یا فرمایا زمین کی کنجیاں اور اللہ کی قسم، میں تم پر شرک کرنے کا خوف نہیں رکھتا لیکن مجھے تم پر یہ خوف ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرنے لگ جاؤ گے۔(بخاری، الصحیح، 1:451، الرقم، دار ابن کثیر الیمامۃ بیروت)

شارحین حدیث نے علی التحقیق لکھا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال والے سال کا واقعہ ہے، چونکہ یہ حدیث آگے بھی بخاری میں روایت کی گئی ہے جس میں صحابی کہتے ہیں کہ منبر پر خطاب کرتے ہوئے یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری منظر تھا جو ہم نے دیکھا۔ حدیث میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے نماز پڑھی جیسے الوداع کرنے والا پڑھتا ہے۔ اس پر محدثین نے کہا کہ یہ آخری سال کا واقعہ ہے گویا اس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے مزارات پر تشریف لائے، شہدائے احد کو آٹھ سال بیت چکے تھے۔

درج بالا حدیثِ پاک کے مضمون سے حسبِ ذیل نکات معلوم ہوتے ہیں:

☆ حضور ﷺ نے تمام صحابہ کو ساتھ لیا اور ایک پورا اجتماع شہدائے احد کی زیارت کے لئے گیا۔ لہٰذا اجتماعی طور پر مزارات کی زیارت کے لیے جانا سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے۔

☆ آپ کے ساتھ سینکڑوں صحابہ تھے جنہیں آپ ﷺ نے خطاب کیا۔

☆ گویا سینکڑوں صحابہ کا اجتماع ہوا تو پھر مزارِ ولی اور مزارِ شہید پر سینکڑوں کا اجتماع اور زیارت کرنا یہ بھی سنت ہے اور اسی کو عرس کہتے ہیں۔ گویا حضور ﷺ نے شہدائے احد کا عرس منایا تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے عرس کہاں سے ثابت ہے؟ حدیث کا اگلا حصہ اس امر کو واضح کررہا ہے کہ جب آپ نے وہاں نماز پڑھ لی یا دعا فرمالی (شارحین حدیث کے ہاں دونوں معنیٰ آئے ہیں)

ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَی الْمِنْبَرِ

یعنی آپ ﷺ منبر کی طرف متوجہ ہوئے اور منبر پر قیام فرما کر خطاب کیا۔

چونکہ منبر پر کھڑے ہوکر خطاب کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کی تعداد کثیر تھی کیونکہ اگر تعداد کم ہوتی تو منبر پر قیام فرما کر خطاب کی ضرورت وحاجت نہ تھی۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کی کثیر تعداد آپ ﷺ کے ہمراہ تھی اور ان تمام کو ساتھ لے کر مزاراتِ شہدائے احد پر تشریف لائے۔ شہدائے اُحد کی قبور کے مقام پر منبر کی موجودگی سے معلوم ہوتا ہے کہ منبر ساتھ لے کر گئے تھے یا منگوایا گیا تھا۔ گویا جاتے ہوئے یہ ارادہ تھا کہ صرف زیارت ہی نہیں ہوگی بلکہ خطاب بھی ہوگا۔

اِس سے پتہ چلتا ہے کہ جب مزار کی زیارت ہو، سینکڑوں کا اجتماع ہو، منبر لگے اور منبر پر خطاب ہو اور یہ تمام اجزاء مل جائیں تو اسی کو عرس کا نام دیا جاتا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ

نے وفات سے قبل آداب سکھادیئے کہ شہداء، اولیاء، صالحین کے مزار پر جانا، ان کے مزارات/قبور کی اجتماعی زیارت کرنا، خطاب کرنا، ذکر وتذکیر اور وعظ و نصیحت کرنا درحقیقت سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

اس موقع پر خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فضائل اور مناقب بیان کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احکام و شریعت میں سے کوئی مسئلہ بیان نہیں کیا بلکہ خطاب شان و مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر تھا۔ اِسی لیے فرمایا: لوگو! میں تم سے پہلے جارہا ہوں تاکہ آگے تمہاری بخشش کا انتظام کروں، میں وہاں تمہارا استقبال کروں گا۔

فرمایا: **اِنِّی فَرَط'' لَکُمْ** میں تمہاری خاطر آگے جانے والا ہوں

اور اِسی مضمون کی حدیث میں ایک دوسری روایت میں ہے۔ ''میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میرا وصال (بھی) تمہارے لیے بہتر ہے'' یعنی میں تم میں تھا تب بھی تمہیں فیض دیتا رہا، اب آگے جارہا ہوں، وفات بھی تمہارے لئے باعث فیض ہوگی، تمہیں بخشوانے کا سامان کرنے جارہا ہوں۔

اب ربط بین الالفاظ کے ذریعے حدیث کو پڑھیں۔ پہلا جزیہ تھا کہ **اِنِّی فَرَط'' لَکُمْ** اس میں اپنے وصال اور آخرت میں صحابہ وامت کی شفاعت کا اشارہ موجود ہے کہ تمہاری شفاعت کا بندوبست کرنے جارہا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا **وَ أَنَا شَهِيد'' عَلَيْكُمْ** اور یہ نہ سمجھنا کہ میں رخصت ہوگیا، نہیں بلکہ میں پھر بھی تمہیں دیکھتا رہوں گا۔ تمہارے اوپر گواہ اور نگہبان رہوں گا۔ **اِنِّی فَرَط'' لَکُمْ** اور **وَ أَنَا شَهِيد'' عَلَيْكُمْ** کے درمیان ایک معنوی ربط ہے۔ **اِنِّی فَرَط'' لَکُمْ** وصال کی خبر دے رہا ہے اور **وَ أَنَا شَهِيد'' عَلَيْكُمْ** اشارہ دے رہا ہے کہ کہیں یہ نہ سمجھنا کہ اب میں نہیں رہا بلکہ میں تم پر نگہبان رہوں گا، تمہارے اعمال اور درود وسلام مجھ پر پیش ہوتے رہیں گے میں تمہارے اعمال نیک وبد سے خوش وغمزدہ ہوتا رہوں گا اور ہر لحہ تم سے باخبر رہوں گا۔ پھر فرمایا: **وَ اِنِّی وَ اللّٰهِ لَأَنْظُرُ اِلَى حَوْضِى الْآنَ**

اس تیسرے جملے میں خوشخبری دی کہ ایک حوض، حوض کوثر ہے اور میں اس وقت اس حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ حوض، جنت میں ہے مگر اس کا ظہور قیامت کے دن ہوگا اور یہ حقائق غیبیہ میں سے ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی سرزمین پر کھڑے ہوکر اسی لمحے اس حوض کوثر کا مشاہدہ بھی فرما رہے ہیں جو جنت میں ہے یا جو قیامت کے دن ظاہر ہونے والا ہے۔ گویا وہاں کھڑے ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت بھی دیکھ رہے ہیں اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن کا منظر بھی دیکھ رہے ہیں پھر فرمایا:

وَاِنِّی أُعطِیتُ مَفَاتِیحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ أَوْ مَفَاتِیحَ الْأَرْضِ

''اور زمین کے سب خزانوں کی ساری چابیاں مجھے عطا کردی گئی ہیں''۔

''مفاتیح'' جمع منتہی الجموع ہے اور ''خزائن'' بھی جمع ہے۔ ''مفاتیح'' اور ''خزائن'' آپس میں مضاف اور مضاف الیہ ہیں، جب مضاف و مضاف الیہ دونوں جمع ہوں نیز مضاف جمع منتہی الجموع ہو یعنی جمع کی اضافت جمع پر ہو تو یہ استغراق کلی کا فائدہ دیتا ہے، کلیت پر دلالت کرتا ہے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتا رہے ہیں کہ جتنی قِسموں کے خزانے ہیں اور ان کی جتنی بھی چابیاں ہیں، رب نے مجھے عطا کردی ہیں۔ گویا خزانوں کے مالک بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور چابیوں کے مالک بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ (سورۃ الانعام: 59)

''اور غیب کی کنجیاں (یعنی وہ راستے جس سے غیب کسی پر آشکار کیا جاتا ہے) اس کے پاس (اس کی قدرت و ملکیت میں) ہیں''۔

غیروں کے لئے تالا ہوتا ہے اور اپنوں کے لئے چابیاں ہوتی ہیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی امت کے لئے اشارہ فرمادیا کہ زمین کے کل خزانوں کی کل چابیاں مجھے دی ہیں۔ **اِنَّمَا اَنَا قَاسِم** ''تم میرے قدموں سے جڑ جاؤ، جس کو طلب ہوگی، صدق کا تعلق ہوگا، اس کو خزانوں سے بھر دوں گا''۔

مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ میں مستقبل میں فتوحاتِ اسلام کی طرف بھی اشارہ ہے نیز اس سے عرب کی سرزمین سے نکلنے والے تیل کی طرف بھی اشارہ ہے۔ یہ بات بغیر دلیل کے نہیں ہے، امام حجر عسقلانی بھی اس بابت ارشاد فرماتے ہیں کہ یہاں سرزمین عرب کے تیل و معدنیات کی طرف اشارہ ہے۔تو پھر جو کچھ زمین سے نکلا، حضور ﷺ نے 1400 سال قبل بیان فرما دیا اور اب جس وقت میں جو کچھ بھی ظاہر ہوگا اور جو اس سے بہرہ مند ہوگا اور نفع اٹھائے گا وہ سب حضور ﷺ کے قدموں کا صدقہ ہوگا۔ مانے یا نہ مانے یہ الگ بات ہے مگر ہر کوئی مصطفیٰ ﷺ کے قدموں کا صدقہ ہی کھائے گا۔

اہلسنت (سوادِ اعظم) پر شرک کے فتوے لگانے والوں کے لیے مقام غور!

حضور ﷺ نے شہدائے احد کی زیارت کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے آخری حصے میں فرمایا: **وَ اِنِّی وَ اللّٰهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِی**

''خدا کی قسم! مجھے اس بات کا کوئی خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرو گے''۔

حضور ﷺ کی امت کو مشرک قرار دینے والے غور کریں۔ حضور ﷺ کی امت پر شرک کی تہمت لگانے والوں کیلئے مقام غور ہے کہ حضور ﷺ نے قسم کھائی کہ مجھے اس بات کا خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اللہ کے محبوب نبی ﷺ کی قسم (معاذ اللہ) حق کے بغیر ہو سکتی ہے؟ اگر آپ ﷺ کے اِس دعویٰ پر اعتبار نہ کیا جائے تو پھر کون سی بات معتبر رہ جائے گی بلکہ پورا اسلام ہی شک و شبہ سے معدوم ہو جائے گا۔شرک کے راگ الاپنے والوں کو خدا کا خوف کرنا چاہیے۔

انتہائی قابلِ غور نکتہ

اِس حدیث پاک میں نبی اکرم ﷺ نے توحید کا بیان نہیں فرمایا بلکہ شانِ رسالت کا بیان فرمایا ہے جبکہ شرک کا معاملہ توحید کے مخالف ہے تو یقیناً یہ بھی نبی اکرم

ﷺ کے دانائے غیوب ہونے کا ایک استدلال ہے کہ آپ ﷺ کو اِس بات کا بخوبی علم تھا کہ بعد میں کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو زیارتِ قبور اور انعقادِ عرس وغیرہم کو بھی شرک سے تعبیر کریں گے اور عرس منانے والوں کو مشرک قرار دیں گے۔ اِس لیے حضور ﷺ نے اللہ کی قسم اُٹھا کر ایمان والوں کے مبتلائے شرک ہونے کے امکان کو ہی رَدّ کر دیا۔ اب اگر کوئی پھر بھی باز نہیں آتا تو وہ اپنے ایمان کا ازسرِنو جائزہ لے۔

مسئلہ بدعت

بعض متشددین، محفل میلاد کے انعقاد، ختم شریف اور عرس کے انعقاد وغیرہ کو بدعت کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر بدعت ضلالت ہے۔ بیشک حدیث پاک میں بدعت سے اجتناب اور پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ بدعت کا مفہوم کیا ہے اگر بدعت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ عمل جو عہد رسالت میں اور عہد خلافت میں نہ تھا اور اس کے بعد ظہور پذیر ہوا وہ بدعت ہے اور بدعت مذمومہ ہے اور اس پر عمل کرنے والا گمراہ ہے اور دوزخ کا ایندھن ہے تو پھر اس کی زَدّ صرف محفل میلاد، ختم شریف، عرس وغیرہ پر ہی نہ پڑے گی بلکہ امت کا کوئی فرد بھی اس کی زَدّ سے بچ نہیں سکے گا۔ یہ علوم جن کی تدریس کے لیے بڑے بڑے مدارس اور جامعات اور یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں اور جن پر کروڑہا روپیہ خرچ کیا جارہا ہے ان علوم میں سے بیشتر وہ ہیں جن کا خیر القرون میں یا تو نام ونشان ہی نہ تھا اور اگر تھا تو اس کی موجودہ صورت کا کہیں وجود نہیں تھا۔ صرف، نحو، معانی، بلاغت، اصول الفقہ، اصول حدیث، یہ تمام اصول بعد کے ہیں کیا جن علماء وفضلاء نے ان علوم کو مدون کیا اور اپنی گراں قدر زندگیاں، اپنی قیمتی صلاحیتیں اور اوقات ان کو معراج کمال تک پہنچانے کے لیے صرف کیں تو اس بدعت کے ارتکاب کے باعث وہ سب ان حضرات کے فتویٰ کے مطابق جہنم کا ایندھن بنے پھر گزشتہ چودہ صدیوں میں اسلام کے دامن میں کون رہ جاتا ہے جسے جہنم کا مستحق قرار نہ دیا جائے۔ اسی طرح علوم قرآن وسنت اور فقہ کی تدوین تو خیر القرون میں نہیں کی گئی تھی یہ بھی بعد میں آنے والے علماء وفضلاء کی شبانہ روز محنتوں

اور کاوشوں کا ثمر ہیں۔ پھر یہ علوم جن کا وجود ہی مجسمہ بدعت ہے ، اِن کی تدریس کے لئے جو جامعات اور یونیورسٹیاں آج تک تعمیر کی گئیں یا اب بھی تعمیر کی جارہی ہیں اور ان پر کروڑ ھا روپیہ خرچ کیا جارہا ہے کیا یہ سب تعلیماتِ دین کی خلاف ورزی کرتی ہے اور غضب الٰہی کو دعوت دینے کا باعث ہے؟ یہ عظیم الشان مسجدیں اور ان کے فلک بوس مینار اور ان کے مزین محراب، عہد رسالت میں کہاں تھے؟ کیا ان سب کو آپ گرا دینے کا حکم دیں گے؟ کیا آپ قاطع بدعت کہلانے کے جنون میں اپنی فوج سے توپیں، ٹینک، بمبار طیارے سب چھین لیں گے اور ان سب کی بجائے انہیں تیر کمان دے کر میدان جنگ میں جھونک دیں گے۔ بدعت کی جو تعریف آپ نے کی ہے وہ تو ان تمام چیزوں کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ کیا اسلام جو دین فطرت ہے اس کی ہمہ گیر تعلیمات اور اس کی جہاں پرور روح کو آپ اپنے ذہن کے تفنگِ زنداں میں بند کرنے کی ناکام کوشش میں اپنا وقت ضائع کرتے رہیں گے؟ ہم ان حضرات کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ علماء اسلام نے بدعت کی جو وضاحت اور تشریح کی ہے اسکو پیش نظر رکھا جائے تو اس قسم کے توہمات سے انسان کو واسطہ نہیں پڑتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔

☆ واجب، مستحب، مباح، مکروہ، حرام۔

ا۔ واجب: اس نئی چیز میں کوئی مصلحت ہو تو وہ واجب ہے۔ جیسے علومِ صرف ونحو وغیرہ کی تعلیم و تدریس اور اہلِ باطل کا ردّ۔ اگر چہ یہ علوم عہد رسالت میں موجود نہ تھے لیکن قرآن وسنت اور دین کو سمجھنے کے لیے اب ان کی تعلیم اور تدریس واجبات دینیہ میں سے ہے۔ اسی طرح جو باطل فرقے اُس زمانہ میں ظاہر نہیں ہوئے تھے بلکہ بعد میں موجود ہوئے ان کی مخالفت آج کل کے علماء پر فرض ہے۔

۲۔ مستحب: وہ چیزیں جن میں لوگوں کی بھلائی، بہتری اور فائدہ ہے وہ مستحب ہیں جیسے سراؤں کی تعمیر۔ تاکہ مسافر وہاں آرام سے رات بسر کر سکیں یا میناروں پر چڑھ کر اذان دینا تاکہ موذن کی آواز دور دور تک پہنچ سکے یا عام مدارس کا قیام تاکہ علم کی روشنی ہر سو پھیلے۔ یہ مستحبات

میں سے ہے۔

۳۔مباح: جیسے کھانے پینے میں وسعت اور فراخی، اچھا لباس پہننا، آٹا چھان کر استعمال کرنا یہ مباحات شرعیہ ہیں۔ اگرچہ عہد رسالت میں اَن چھنے آٹے کی روٹی استعمال ہوتی تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی اَن چھنے آٹے کی روٹی استعمال کرتے لیکن اگر کوئی شخص آٹا چھان کر روٹی پکاتا ہے تو یہ اس کے لیے مباح ہے۔ بدعت اور گمراہی نہیں۔

۴۔مکروہ: وہ کام جس میں اسراف ہوں وہ مکروہ ہیں۔ اس طرح مساجد اور مصاحف کی غیر ضروری زیب و زینت۔

۵۔حرام: ایسا فعل جو کسی سنت کے خلاف ہو اور اس میں کوئی شرعی مصلحت نہ ہو۔

امام ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی نے شرح مسلم اور تہذیب الاسماء واللغات میں لفظ ''بدعت'' پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس کے مطالعہ کے بعد اس کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے شبہات جو اذہان و قلوب کو پریشان کرتے ہیں خود بخود کافور ہو جاتے ہیں۔ تہذیب الاسماء واللغات کی چند سطور ناظرین کے مطالعہ کے لیے یہاں نقل کی جا رہی ہیں: ''شریعت میں بدعت اس کو کہتے ہیں کہ ایسی نئی چیز پیدا کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں نہیں تھی اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت حسنہ، بدعت قبیحہ۔ علامہ ابو محمد عبد العزیز بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی امامت و جلالت اور شان پر ساری امت متفق ہے اور تمام علوم میں ان کی مہارت کو سب تسلیم کرتے ہیں انہوں نے اپنی تصنیف کتاب القواعد کے آخر میں بیان کیا ہے کہ بدعت کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں۔ واجب، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح۔''

(القسم الثانی من تہذیب الاسماء ص ۲۲)

تعظیمِ تبرکات و آثار

تبرکاتِ انبیاء و اولیاء کی تعظیم کرنا اسلافِ اہلسنت، علماء، صوفیاء اور اولیاء کا طریقہ رہا ہے۔ ذیل میں اِس عقیدے کی وضاحت درج کی گئی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا پیراہن

قرآن مجید میں فرمانِ خدا ہے: **اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيراً وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ** (سورۃ یوسف:93)

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا، میری قمیص کو لے جاؤ اور میرے بابا کی آنکھوں سے مس کرو تاکہ دوبارہ ان کی بینائی پلٹ آئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیصِ یوسف علیہ السلام کو جس کی بافت وساخت غیر معمولی نہ تھی (ایک عام کپڑا تھا) اپنی آنکھوں سے مس کیا اور اسی وقت ان کی بینائی پلٹ آئی، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: **فَلَمَّا أَن جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيراً** (سورۃ یوسف:96)

اگر اب کوئی مسلمان، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور یا مرقد کی خاک چومے، اِسی طرح ائمہ کی قبور اور تبرکات کو بعنوان احترام بوسہ دے یا ان سے تبرک حاصل کرے اور کہے کہ خدا نے اس خاک یا تبرک کو با اثر بنایا ہے اور اپنے عمل میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیروی کرے تو اس کی مخالفت کرنا ہرگز دانشمندی نہیں۔ لہذا حصولِ برکت کے ارادے سے مقامات مقدسہ کو چومنا، اسی طرح نیک لوگوں کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینا، نیت وارادہ کے اعتبار سے اچھا اور قابل تعریف کام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ وہ اپنی ناف سے کپڑا اٹھائیں، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوسہ دیا تھا۔ پھر اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی اولاد کے آثار سے برکت حاصل کرنے کے لیے اسے بوسہ دیا۔ اور (امام) ثابت بنانی جب تک بوسہ نہ دیتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ نہ چھوڑتے اور فرمایا کرتے یہ وہ ہاتھ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو چھوا ہے۔ وہ لوگ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح حیات سے باخبر ہیں، انہیں معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے پانی کو ہاتھوں ہاتھ لینے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اِس سلسلہ میں بخاری شریف کی یہ حدیث (جلد دوم،

شرطوں کا بیان، حدیث نمبر 4) ملاحظہ فرمائیں: (بات چیت کے بعد) عروہ بن مسعود ثقفی گوشہء چشم سے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو دیکھنے لگا، راوی کہتا ہے کہ اس نے یہ حال دیکھا کہ جب نبی ﷺ ﷺ لعابِ دہن خارج فرماتے تو وہ صحابہ میں کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پڑتا جس کو وہ اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا، اور جب آپ ﷺ کوئی حکم دیتے تو وہ بہت جلد اس کی تعمیل کرتے جب آپ ﷺ وضو کرتے، تو وہ لوگ آپ ﷺ کے وضو کے غسالہ پر پُر امن تکرار کرتے تھے (ایک کہتا تھا ہم اس کو لیں گے، دوسرا کہتا تھا کہ ہم لیں گے) جب وہ لوگ بات کرتے تھے تو آپ ﷺ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے تھے اور آپ ﷺ کی طرف بوجہ تعظیم نہ دیکھتے تھے، پھر عروہ اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ گیا اور کہا اے لوگو اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے دربار میں گیا، قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار میں گیا، مگر اللہ کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے مصاحب اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے اصحاب اُن کی تعظیم کرتے ہیں، اللہ کی قسم! جب تھوکتے ہیں، تو وہ جس کسی کے ہاتھ پڑتا ہے، وہ اس کو اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے اور جب وہ کسی بات کے کرنے کا حکم دیتے ہیں تو ان کے اصحاب بہت جلد اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں، جب وضو کرتے ہیں، تو ان کے غسالہ وضو کیلئے لڑتے مرتے ہیں، اپنی آوازیں ان کے سامنے پست رکھتے ہیں، نیز بغرض تعظیم ان کی طرف دیکھتے تک نہیں۔

بخاری شریف کی ہی ایک اور حدیث (جلد اوّل، باب وضو کا بیان، حدیث نمبر 191) بھی ملاحظہ کریں: عبدالرحمٰن بن یونس، حاتم بن اسماعیل، جعد، سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے میری خالہ نبی ﷺ کے پاس لے گئیں، عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ میری بہن کا لڑکا بیمار ہے، آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی، پھر آپ نے وضو فرمایا اور میں نے آپ ﷺ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو پی لیا، اس کے بعد آپ کے پس پشت کھڑا ہو گیا، تو میں نے مہر نبوت کو دیکھ لیا۔

بخاری شریف کی ایک دوسری حدیث (جلد دوم، باب انبیاء علیہم السلام کا بیان، حدیث نمبر 807) ملاحظہ کریں: حسین بن منصور ابوعلی حجاج بن محمد الاعور شعبہ حکم سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوپہر کے وقت بطحا کی جانب تشریف لے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کر کے ظہر کی دو رکعتیں اور عصر کی دو رکعتیں ادا کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے چھوٹا نیزہ گاڑ دیا گیا۔ اس نیزہ کے آگے سے عورتیں گزر رہی تھیں (نماز کے بعد) لوگ کھڑے ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں ہاتھ لے کر اپنے چہروں پر ملنے لگے میں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ لیا اور اس کو اپنے چہرہ پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ سرد اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔

بخاری شریف کی ایک دوسری حدیث (جلد دوم، باب انبیاء علیہم السلام کا بیان، حدیث نمبر 821) ملاحظہ کریں: حسن محمد مالک بن مغول عون حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ میں اتفاق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا۔ دوپہر کا وقت تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابطح میں خیمہ کے اندر تھے۔ بلال رضی اللہ عنہ باہر نکلے، اذان کہی، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی نکالا، لوگ اس پانی پر ٹوٹ پڑے اس کے بعد بلال رضی اللہ عنہ اندر جا کر نیزہ نکال لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے گویا میں اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پنڈلی کی چمک دیکھ رہا ہوں پھر بلال رضی اللہ عنہ نے نیزہ گاڑ دیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی دو رکعتیں اور عصر کی دو رکعتیں پڑھیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کی محبت اور آپ کے آثار و تبرک سے برکات کے حصول کی یہ چند مثالیں تھیں اس قسم کے واقعات کی جمع آوری کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے صحیح بخاری کے اواخر میں کتاب جہاد اور اسی طرح زرہ، عصا، شمشیر، ظروف، مہر، انگشتری، موئے مبارک اور کفن مبارک کے ابواب میں ان تبرکات کے نمایاں نمونوں سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

نسبت (بیعت)

’’نسبت بہت ضروری ہے، اب سوال یہ ہے کہ نسبت (بیعت) کس سے کریں؟ اس کے بھی اُصول ہیں، پہلا اور بنیادی اُصول یہ ہے کہ سلسلے کی سند صحیح ہو۔ جیسے حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ ، اعلیٰ حضرت شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں، آپ بیعت ہیں بابا جی امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے، وہ بیعت ہیں حضرت پیر سیّد امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، آپ بیعت ہیں حضرت حاجی شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ سے، آپ بیعت ہیں قاضی احمد رحمۃ اللہ علیہ سے، آپ بیعت ہیں خواجہ محمد زمان رحمۃ اللہ علیہ سے، آپ بیعت ہیں حضرت شیخ محمد ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور یہ سلسلہ چلتا چلتا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تک جاتا ہے، پھر چلتا چلتا حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تک جاتا ہے، تھوڑا اور آگے جائیں تو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تک جاتا ہے۔ پھر یہ سلسلہ چلتا ہوا سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک جاتا ہے اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جاتا ہے، اِسے کہتے ہیں سند۔ چنانچہ بے سند جگہ پر بیعت نہ کریں، بلکہ بیعت وہاں کریں جہاں سند صحیح ہو‘‘

(ربیع الاوّل ۱۴۲۹ھ)

شیخ المشائخ، بابا جی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری

سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف اوکاڑا

روحانی گفتگو بمقام بدر بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

(سورۃ المائدہ آیت 35)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو (تقویٰ اختیار کرو)، اور اُس کی طرف (پہنچنے کا) وسیلہ تلاش کرو۔ اور اُس کی راہ میں (جہاد) کوشش کرو تاکہ تم (آخرت میں) کامیاب ہو جاؤ۔

تشریح:۔

آیتِ درج بالا میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ اِن نکات کو بیان کیا گیا ہے۔

☆ایمان یعنی عقیدہ ☆تقویٰ یعنی عمل ☆وسیلہ یعنی ذریعہ یا بیعت ☆کوشش یعنی تربیت حاصل کرنا اور کسی نیک وصالح کی پیروی کرنا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِسی آیت کی تشریح اپنی تفسیر "القول الجمیل" میں اِس طرح لکھی ہے کہ درج بالا آیت میں وسیلہ پکڑنے کا جو حکم دیا گیا ہے اُس سے مراد یہ ہے کہ بندہ کسی نیک صالح بزرگ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے اور بیعت اختیار کرے۔ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ ایمان اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہوسکتا ہے تو مذکورہ آیت میں خطاب ایمان والوں سے ہی ہے۔ اگر آیت کے آغاز میں عام لوگوں یا کفار کو خطاب ہوتا تو ایمان کو اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھا جاسکتا تھا۔ پھر اگر کوئی یہ خیال کرے کہ عمل یعنی نماز روزہ فقط اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے تو پھر تقویٰ اختیار کرنے کا حکم علیحدہ نہ ہوتا بلکہ ایمان والوں کو پکارنے کے بعد وسیلہ پکڑنے کا حکم دیا جاتا یعنی نیک عمل وسیلہ ہوتے لیکن آیتِ درج بالا میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایمان اور عمل کے بعد جو وسیلہ پکڑنے کا حکم ہے، اُس سے مراد کسی نیک صالح اللہ والے کی بیعت اختیار کرنا ہے۔

بیعت کے معنی ہیں کہ ''خود کو بیچ دینا'' یا ''بِک جانا''۔ اور بیعت سے مراد ہے کہ کسی ولیٔ کامل، نیک بزرگ یا مردِ حق کی صحبت اختیار کرنا، گناہوں سے توبہ کرنا اور شریعتِ مطہرہ پر پابندی کرنے کا عہد کرنا۔ بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ حضور سرکارِ مدینہ ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر ۱۴۰۰ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے درخت کے نیچے بیعت لی، جسے ''بیعت رضوان'' کہا جاتا ہے، اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''بے شک جو لوگ آپ (ﷺ) کی بیعت کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت ان کے ہاتھوں پر ہے۔ (سورۃ فتح)'' چونکہ حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب وخلیفہ ہیں، اس لیے معلوم ہوا کہ خلیفہ یا نائب سے بیعت، اصل سے بیعت ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام سے مختلف معاملات پر بیعت لیا کرتے تھے، جن میں کبھی جہاد پر، کبھی ترک معیصت پر اور کبھی ارکانِ اسلام پر قائم رہنے پر۔

ضرورت شیخ اور بیعت کی اہمیت پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ضرورت شیخ کو محسوس کیا اور ہر زمانے میں کسی نہ کسی نبی یا ہادی یا رسول کو مبعوث فرمایا۔ کوئی زمانہ کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جہاں کوئی ہادی مقرر نہیں کیا گیا حتیٰ کہ نبوت ختم ہونے کے بعد بھی ایسے ہادی آتے رہے ہیں۔ لیکن اسلام دشمن کوششوں کے باعث ایک جماعت یہ کہنے لگی ہے کہ ہمارے لیے قرآن اور سنت ہی ہدایت کے لیے کافی ہیں۔ دراصل ان کا یہ انکار قرآنی آیات اور احادیث کا نکار ہے اور اس انکار کی سزا ان کو یہ ملی کہ وہ اُس روحانی ہدایت سے محروم ہو گئے۔

کسی کی بیعت اختیار کرنے سے پہلے ضرور دیکھیں کہ ☆ جس کی بیعت کر رہے ہیں وہ بدعقیدہ نہ ہو، اہلسنت صحیح العقیدہ ہو۔ ☆ فاسق (اعلانیہ گناہ کرنے والا یا جان بوجھ کر سنت ترک کرنے والا) نہ ہو۔ ☆ کم از کم اتنا علم رکھتا ہو کہ کتابوں سے دیکھ کر رہنمائی کر سکے۔ ☆ نبی پاک ﷺ تک اُس کا سلسلہ متصل ہو (یعنی وہ کسی کا بیعت ہو اور اُس کا مرشد بھی کسی کا بیعت ہو اِس طرح نبی پاک ﷺ تک سلسلہ پہنچ جائے)

بیعت ہونے کے بعد تربیت حاصل کرنا اور عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ اگر کوئی بیعت ہونے کے بعد اپنے مرشد کے طریقے پر عمل نہ کرے تو اُس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے کوئی گاڑی تو خرید لے مگر اُسے چلانے کی بجائے کھڑا رکھے تو وہ منزل پر کیسے پہنچ سکتا ہے۔

احادیث کی روشنی میں:

☆ حدیث قدسی شریف ہے کہ جس میں واضح طور پر فرمان مولا کریم ہے: ''**لا یشقٰی جلیسھم**'' یعنی ان کی مجلس میں بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوسکتا۔ (مشکوٰۃ شریف)

☆ احادیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے مختلف مقاصد کے لیے بیعت لی ہے۔ مشکوۃ کی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ''میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں۔ تم جس کی بھی اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے۔'' صحابہ کرام نے اپنے زمانے میں بیعتِ خلافت کے علاوہ بھی بیعت لی ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے جاری کرنے کا عمل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے شروع ہوا۔ جب کہ دوسرے سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شروع ہوئے۔ ثابت ہوا کہ سلسلہ بیعت کو قائم کرنا اور جاری رکھنا صحابہ کرام کا فعل ہے۔ اوران کے طریقے کو جاری کرنا اور بیعت کرنا افعال ہدایت میں شامل ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مکتوبات شریف میں فرمایا ہے۔ دیکھیں مکتوب نمبر ۱۲۳ دفتر سوم حصہ دوم۔

☆ جامع سبیل اور کنوز الحقائق میں حدیث دی گئی ہے کہ مکان بنانے سے پہلے پڑوسی کی تحقیق کرلو۔ سفر سے پہلے ساتھی کی اور کوچ سے پہلے زادراہ کی۔

☆ سردلبراں میں حدیث نقل کی گئی ہے میری امت میں ہر صدی کے خاتمے پر اللہ تعالی ایسا مجدد بھیجے گا جو دین کی تجدید کرتا رہے گا۔ اس سے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔ آپ نے جو کچھ اس کے اثبات میں کہا ہے وہ مکتوبات میں موجود ہے۔

☆ کنوز الحقائق میں حدیث ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ اگر تمام علماء کو انبیاء کے وارث تصور کرلیا جائے تو سکھ، عیسائی اور یہودی مذہب میں بھی علماء ہوتے ہیں۔ لہذا

یہاں علماء سے مراد باعمل مسلمان علماء اور مشائخ کے علاوہ کوئی اور مذکور نہیں ہو سکتا۔

☆ حضرت سہیل بن عبداللہ طشتری رحمۃ اللہ علیہ نے ''معارف المریدین'' میں ایک حدیث لکھی ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہیں اس کا مرشد شیطان ہوتا ہے۔

اس حدیث کو شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے عوارف المعارف میں، حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے عین الفقر اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوح الغیوب میں بھی نقل کیا ہے۔

☆ جامع صغیر اور کنوز الحقائق میں حدیث شریف ہے ''شیخ اپنی بستی میں ایسے ہوتا ہے جیسے کسی قوم میں کوئی نبی''۔

☆ مستدرک کی حدیث ہے کہ میرے اہل بیت کی مثال سفینہ نوح علیہ السلام کی طرح ہے جو اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا۔ یہاں ''سوار ہونے'' سے مراد بیعت کرنا ہے۔

☆ مسلم اور احمد کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ دلوں اور تمہارے اعمال پر نگاہ رکھتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ دلوں کی اصلاح ضروری ہے۔ چنانچہ دلوں کی اصلاح کرنے والے مرشد کی بیعت کرنا بھی ضروری ہوا۔

☆ مشکوۃ شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ والوں کے پاس بیٹھنے والا شقی نہیں ہو سکتا۔ اس میں مشائخ کرام سے فیض حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

☆ امداد السلوک میں ایک حدیث منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شریعت میرے اقوال کا نام ہے۔ طریقت میرے اعمال کا اور حقیقت میری باطنی کیفیت کا اور معرفت میرا راز ہے۔ اس حدیث میں طریقت کا ذکر آیا ہے۔

☆ ایک حدیث شریف میں ہے کہ میں تمہارے لیے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت۔ ایک اور حدیث میں اہل بیعت کا ذکر ہے۔ اور فرمایا کہ اہل بیت وہ کشتی ہے جس پر سوار ہو کر تم گمراہ نہیں ہو سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اہل

بیت کی سنگت اختیار کرو جس سے بیعت ہی مراد ہے۔

اولیائے متقدمین کے اقوال کی روشنی میں:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ''اولیاء اللہ'' کی محبت کے فیوض و برکات کے متعلق اپنے مکتوب شریف 290 میں فرماتے ہیں کہ ''ان بزرگوں کی نگاہ دلی امراض کو شفا بخشتی ہے اور ان کی محبت غیر پسندیدہ عادات کو بالکل دور کر دیتی ہے۔''

نیز فرماتے ہیں کہ:

''فقراء کے آستانوں کی خاکروبی، دولت مندوں کے ہاں کی صدر نشینی سے بہتر ہے۔ آج اگر یہ بات آپ کو معقول معلوم ہو یا نہ ہو، آخر کار معقول معلوم ہو جائے گی۔ مگر اس وقت کچھ فائدہ نہ ہوگا۔'' (مکتوباتِ امام ربانی (علیہ الرحمہ)، مکتوب نمبر ۱۳۲)

اگر کوئی شیخ کامل کے بغیر لاکھ تسبیح پڑھتا رہے کچھ نفع نہیں ہوگا حالانکہ ذکر الٰہی میں یہ صفت ہونی چاہیے کہ وہ خود کافی ہو جایا کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ پیر کامل قرب خداوندی کے آسمان کی سیڑھی ہے۔ وسیلہ شیخ کیوں ضروری ہے؟ اسکی مثال یہ ہے کہ کاٹ جب بھی کرے گی تلوار ہی کرے گی لیکن شرط یہ ہے وہ کسی کے ہاتھ میں ہو ورنہ اکیلی تلوار کچھ نہیں کر سکتی۔ اور کوئی بغیر استاد کے کتاب نہیں پڑھ سکتا اور نہ ہی بغیر سیڑھی کے چھت پر چڑھ سکتا ہے اور نہ ہی باپ کے بغیر اولاد ہو سکتی ہے، تیر خود بخود نہیں اڑتا بلکہ اسے کمان میں رکھ کر پھینکا جاتا ہے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ہے کہ کوئی لوہا خود بخود تیر یا خنجر نہیں بن سکتا جب تک کسی لوہار کے ہاتھوں نہیں چڑھتا اور کوئی حلوائی از خود اپنے کام میں استاد نہیں بن سکتا جب تک کسی شکر ریز کی شاگردی نہیں کرتا۔ یہی معنی درج ذیل اشعار میں پائے جاتے ہیں۔

ہیچ کس از نزد خود چیزے نہ شد ہیچ آہن خنجر تیزے نہ شد
ہیچ حلوائی نہ شد استاد کار تا کہ شاگردے شکر ریزے نہ شد

ضرورت شیخ کے لیے دوسری اہم دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے آئے ہیں کہ ماضی میں کسی

ایسے بزرگ کا نام نہیں ملتا جو کسی بزرگ کی بیعت کیئے بغیر بزرگی کے رتبے پر پہنچ گیا ہو۔ جس قدر بزرگ اب تک ہوئے ہیں ہر ایک نے کسی نہ کسی کی بیعت ضرور اختیار کی ہے۔

☆ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو اللہ تک نہیں پہنچ سکا تو اس لیے کہ وہ اس رستہ پر چلا ہی نہیں۔ وہ اس راہ پر اس لیے نہ چل سکا کہ اس نے اس راہ کی تلاش ہی نہ کی۔ تلاش اس لیے نہ کی کہ اس کو اس راہ کی پہچان نہ ہو سکی۔ اور اس سے راہ کی پہچان اس لیے نہ ہوئی کہ اس کا ایمان مکمل نہ تھا۔ فرماتے ہیں کہ اس کا ایمان اس لیے مکمل نہ ہوا کہ وہ مردِ راہ دان کی راہبری سے محروم رہا۔

☆ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عادت الٰہی اس بات پر جاری ہے کہ اس دنیا میں ایک پیر اور ایک مرید ہو ایک مقتداء اور دوسرا مصاحب ہو۔ ایک پیشوا اور دوسرا پیرو کار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو استاد بنایا اور فرشتوں کو ان کے تابع بنایا۔ دنیا میں انبیاء کو ارسال فرمایا اور کچھ لوگوں کو ان کا جانشین یا حواری بنایا۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بنایا اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ مرشد اللہ اور بندے کے درمیان واسطہ یا برزخ ہے۔ (غنیۃ الطالبین)

☆ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیر کامل کی صحبت کے بغیر کوئی شخص صوفی اور عارف باللہ نہیں بن سکتا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فقہ کا علم حاصل کیئے بغیر تصوف حاصل کرنے والا زندیق ہوتا ہے اور تصوف کے بغیر فقہ کا علم حاصل کرنے والا فاسق ہوتا ہے۔

☆ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توحید و رسالت، عقائد، زہد و تقویٰ، مکاشفات اور ذکر و اذکار وغیرہ کی درستگی کے لیے شیخ کا ہونا ضروری ہے۔ اور سلوک کا طے کرنا ایک شیخ کے بغیر ممکن نہیں۔ فرماتے ہیں کہ خواہ کتنا ہی زاہد اور عابد کیوں نہ ہو۔ وہ شیطان کے پھندوں سے نہیں بچ سکتا۔ یہ علم سلسلہ وار بزرگوں سے چلا آ رہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ کسی شیخ سے

ذکر کا سیکھنا نہائیت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ طریقہ سلسلے کے بزرگوں سے چلا آ رہا ہے اور اس تعلیم کی ابتدا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی۔ شیخ نائب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتا ہے اور مریدین کی جماعت کو راہ حق دکھاتا ہے۔ آپ نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا شیطان پیر ہوتا ہے۔

☆ حضرت شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پیر کے بغیر روحانیت ممکن نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پیر کی محبت سے خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت نصیب ہوتی ہے۔ مرید کو چاہئے کہ خود کو پیر میں محو کر دے۔ تا کہ وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مظہر کو دیکھ سکے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت معین الدین چشتی ایک قبرستان سے گزر رہے تھے تو آپ نے مشاہدہ کیا کہ حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کو قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی روح وہاں پہنچ گئی اور فرشتوں کو عذاب دینے سے منع کیا ۔فرشتوں نے کہا کہ آپ کے مرید کو اس لیے عذاب دیا جا رہا کہ اس کے اعمال آپ کی ہدایت کے مطابق نہ تھے۔ حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ ٹھیک ہے لیکن اس شخص نے اپنا ہاتھ اس فقیر کے ہاتھ میں دیا ہوا ہے۔ یہ سن کر فرشتے چلے گئے اور ایک ندا آئی کہ اس شخص کو اس کے پیر کے طفیل بخش دیا گیا ہے۔ قران مجید میں بزرگوں کی خاطر ان کے عزیزوں کو بخش دینے کا ذکر سورۃ الرعد کی آیت ۲۳ میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ احادیث اس بات پر ناطق ہیں کہ رسول اللہ کی امت سے ستر ہزار ایسے لوگ ہوں گے جن میں سے ہر ایک ستر ہزار ان لوگوں کو بخشوا لے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔

☆ شیخ الاسلام ہروی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ''الٰہی تو نے اپنے دوستوں کو کیا مرتبہ عطا کر دیا ہے۔ کہ جس نے ان کو پہچان لیا اس نے تجھے پہچان لیا۔ اور جس کو تیری شناخت نصیب نہ ہوئی وہ ان کی شناخت سے بھی محروم رہا''۔ آپ کی اس بات سے معلوم ہوا کہ جو اولیاء کو پہچان سکتا ہے بشرطیکہ کچھ خدا شناسی کا تجربہ اس کو پہلے سے حاصل ہو۔ یعنی جو خدا شناس نہیں وہی

بزرگوں کا منکر ہوتا ہے۔

☆ حضرت عبدلوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''انور قدسیہ'' میں بیعت کو واجب قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ جب باطنی نجاستوں کا دور کرنا واجب ہے تو ان نجاستوں کے دور کرنے کا طریقہ (یعنی طریقت) کا سیکھنا واجب ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ آدمی خود بخود اپنی اصلاح کرنے لگے تو اس کو کچھ فائدہ نہ ہوگا اگرچہ ہزاروں کتابیں حفظ کرلے۔

☆ حضرت عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ شروع شروع میں کے اولیاء کے منکر تھے۔ جب ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام سنا تو چیخ اٹھے کہ لوگو! سنو یہ وہ کلام ہے جو پہلے نازل نہیں ہوا۔ اس کلام سے متاثر ہوکر آپ نے ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت حاصل کی جب آپ کی صحبت سے مشرف ہوئے تو فرمایا کہ گروہ صوفیاء دین کی بڑی بنیاد پر قائم ہے اور اس کی دلیل ان کی وہ کرامات ہیں جو ان کے ہاتھوں صادر ہوتی ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ ان بزرگوں کو نہیں مانتے ان کے چہرے بے رونق ہوتے ہیں۔ اور یہ حقیقت اہل مشاہدہ سے پوشیدہ نہیں۔

☆ حضرت عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ولی کامل انسان کو ایک لحظہ میں واصل باللہ بنا سکتا ہے۔

☆ حضرت ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ کو پکڑنا۔ کتاب سنت اجماع اور قیاس کے عین مطابق ہے۔

☆ حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف میں خدا سے دل کا بلا واسطہ تعلق قائم کردیا جاتا ہے۔ جس نے تصوف نہ سیکھا وہ نکما ہے۔ آپ کے قول کے مطابق جو لوگ طریقت کا راستہ اختیار نہیں کرتے ان کا تعلق اللہ کے ساتھ استوار نہیں ہوسکتا۔

☆ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''جب تک کچھ حصہ قرآن کا اور کچھ حصہ اپنے پیروں کی حکایات کا نہ پڑھ لو تب تک ایمان سلامت ہی نہیں رہ سکتا۔''

☆حضرت شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''اخبار الاخیار'' میں لکھتے ہیں کہ ایک درویش سجادہ نشین ہر جمعہ کو اپنی نشست گاہ سے باہر آ کر لوگوں سے دریافت کرتے کہ مسجد کو جانے کا راستہ کدھر ہے؟ ایک مرتبہ ایک آدمی نے جواب دیا کہ حضرت! آپ برس ہا برس سے مسجد کی جانب جاتے ہیں اور اتنا معلوم نہیں کہ مسجد کا راستہ کون سا ہے؟ یہ سن کر اس درویش نے کہا کہ راستہ تو میں جانتا ہوں لیکن جس راستہ پر میں چلتا ہوں، اس پر محکوم ہو کر چلنا، حاکم بن کر چلنے کی نسبت بہتر سمجھتا ہوں۔ یعنی خود کو کسی کی اتباع میں سمجھنا بڑا کام ہے۔ (اخبار الاخیار مترجم، صفحہ ۲۷۷، مطبوعہ لاہور)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے طریقت پر بہت سی کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ اور مکتوبات شریف'' میں تصوف کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ مبداء و معاد میں روحانی علوم پر وافر تفصیل فراہم کی ہے۔ آپ نے واصل باللہ ہونے کے طریقے، مرید کا کام پیر کے بغیر دشوار ہونے، تربیتی مراحل کو طے کرنے، قلیل مدت میں نسبت کی تکمیل ہونے، صحبت فقراء سے فیوض و برکات حاصل کرنے، مرشد کی نظروں سے فیضان حاصل کرنے، اولیاء اللہ کا امراض قلبی کا علاج کرنے، مرید کو بلند مراتب پر فائز کرنے، طریقت میں شریعت کی مطابقت اور شیخ سے محبت کا لزوم ہونے، اولیاء اللہ کا نسبت کی عطا پر پوری قدرت رکھنے پر بہت طویل تحریریں رقم فرمائی ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ بزرگوں کا طریق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے۔ کوئی کتنا بڑا پرہیز گار کیوں نہ ہو بزرگوں کی صحبت سے مستغنی نہیں۔ پیغمبر بھی اللہ کی صحبت میں رہتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے دو سال کے لیے بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو گیا ہوتا۔ حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں متعدد بار اس حقیقت کا اظہار کیا ہے فرمایا ہے ''سایہ رہبر بہ است از ذکر حق''، یعنی پیر کا سایہ ذکر حق سے بہتر ہے۔

☆حضرت سائیں توکل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''ذکر خیر'' میں فرمایا ہے کہ

بیعت کرنے سے مرید کو دینی، دنیاوی کاموں میں اللہ کی حفاظت مل جاتی ہے۔فرماتے ہیں کہ مرید کی ہر چیز کا مالک اس کا پیر ہوتا ہے۔اوراس کے بدلے میں پیر پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ مرید کے لیے جان کنی کے وقت مدد کرے۔تاکہ اس وقت اس کے لب پر ذکرالٰہی جاری ہو جائے اورشیطان اس کا ایمان سلب نہ کرسکے۔فرماتے ہیں کہ پیر منکرنکیر کے سوال کے جواب میں آسانی پیدا کروادیتا ہے اور پل صراط پراس کی مدد کرتا ہے،اور سید المرسلین ﷺ کی شفاعت میں داخل کروانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔فرماتے ہیں کہ جو مرید دل وجان سے پیر کے عاشق ہوں توان کا معاملہ تو بیان سے باہر ہے۔

صوفی شعراء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ کسی مرشد کے بغیر راہ طریقت پر چلنا ممکن نہیں۔پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالی نے ہر چیز پر قادر ہونے کے باوجود ''وسیلہ'' قانون قدرت بنادیا، وسیلہ کی حقیقت تسلیم کرنا عین ایمان ہے۔اللہ تعالی نے انسان کو زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ اوراس کی ہدایت وراہنمائی کے لیے انبیاء کو مبعوث فرمایا جو شخص ان کی پیروی واتباع کرتا ہے اللہ تعالی اپنے اختیارات عطا کر دیتا ہے۔ان محدود اختیارات کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ موجود ہے۔ مثلاً حضرت عیسی علیہ السلام کا مادر زاد اندھوں کوڑیوں اور مردوں کو تندرست اور زندہ کرنا۔حضرت موسی علیہ السلام کا اپنی قوم کی مشکلات میں کام آنا۔دربار سلیمان علیہ السلام میں ایک ولی کا پلک جھپکنے میں وزنی تخت لانا۔حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی توڑنا، بچے کو قتل کرنا اور زمین میں خزینہ کو دیکھ کراس پر دیوار کا کرنا۔ہمارے نبی کریم ﷺ کا چاند کو دوٹکڑے کرنا۔بارش کا برسنا۔درختوں کا چل کر آنا۔پتھروں کا کلمہ پڑھنا،سورج کا واپس پلٹنا وغیرہ۔

ان کمالات کا انکار کرنا اللہ تعالیٰ کی طاقت وقدرت اور قرآنی آیات واحادیث کا انکار ہے۔بعض لوگ اولیاء اللہ اور بتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھتے اور بتوں کی آیات اولیاء اللہ کے متعلق پڑھتے ہیں اور غلط عقیدے کو قرآنی آیات سے ثابت کرنے کی بے سود کوشش کرتے ہیں۔وہ سراسر گمراہی وضلالت کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔مولانا عارف رومی فرماتے ہیں کہ

پاک لوگوں کو اپنے جیسا خیال نہ کرو۔

منقول ہے کہ حضرت خواجہ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ کے دربار میں شاہی جلاد تھے۔ ایک مجرم پیش ہوا۔ سلطان نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ آپ اُسے قصاص گاہ میں لے گئے اُس کی آنکھیں باندھ لیں۔ تلوار کھینچی اور اُس کی گردن پر ماری مگر تلوار نے اثر نہ کیا۔ دوسری بار اسی طرح کیا مگر تلوار نے اثر نہ کیا تیسری بار ایسا ہی کیا گیا مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت نے دیکھا کہ تلوار کھینچتے وقت مجرم ہونٹ ہلاتا تھا اور منہ میں کچھ کہتا تھا۔ آپ نے پوچھا، خدا کی عزت کی قسم کہ جس کے سوا کوئی معبود بحق نہیں تو سچ بتا کہ کیا کہتا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ میں اپنے شیخ کو یاد کرتا تھا۔ حضرت خواجہ نے پوچھا کہ تیرا شیخ کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے شیخ سید امیر کلال ہیں۔ پوچھا کہ اس وقت کہاں ہیں؟ جواب دیا کہ علاقہ بخارا میں قریہ سوخار میں ہیں۔ یہ سن کر حضرت خواجہ نے تلوار پھینک دی اور فوراً روانہ ہوئے فرماتے تھے کہ وہ بزرگ جو مرید کو تلوار کے نیچے سے بچالے اگر کوئی اس کی خدمت بجالائے تعجب نہیں کہ حق تعالیٰ اُسے دوزخ کی آگ سے بچالے۔ خواجگان نقشبند اگر توجہ فرمائیں تو آج بھی لوگوں کو اللہ کے حکم سے ان کو مصائب سے نجات دلواتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ ان بزرگوں کی ارواح حاضر ہو جاتی ہیں ۔ اور اپنے متعلقین کے کام کے لیے امداد فرماتی ہیں۔ (دیکھئے مکتوبات نمبر ۵۸ حصہ ہفتم دفتر دوم)

موجودہ زمانے میں اکثر لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان دنوں بزرگان سلف کی مانند کوئی ہستی نہیں۔ اسی خیال سے وہ اولیاء اللہ کی تلاش اور صحبت کے فیض سے محروم رہتے ہیں۔ اور زندگی غفلت میں گزار دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ ”جس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہل کی موت مرا۔“ اور ”جس کا کوئی رہنما نہ ہو وہ بے دین ہے۔“ امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے“، امام ابوالقاسم اپنی مشہور کتاب ”رسالہ قشیریہ“ میں ضرورت شیخ

پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مرید پر واجب ہے کہ کسی شیخ سے ادب و تعلیم حاصل کرے۔ شیخ کامل کی نظر کرم اور صحبت کے بغیر نفس کو فنا کرنا اور اس کی اصلاح کرنا ممکن نہیں، جو لوگ یہ سوچتے ہیں کہ آج کل شیخ اور مرشد کامل نہیں ملتے۔ ان کا یہ خیال درست نہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے " **کونو مع الصادقین** "یعنی سچوں کے ساتھ رہو"۔﴿پارہ ۱۱: ع ۴﴾ اس بات سے صاف ظاہر ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں صادقین کاملین کو رکھا ہوا ہے، اس لیے ان کے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔

آج کوئی مریض یا بیمار یہ نہیں کہتا کہ آج کل ڈاکٹر یا حکیم اچھے نہیں ملتے۔ اور علاج ترک نہیں کرتے۔ اسی طرح روحانی امراض کے لیے روحانی طبیب بھی تلاش کر کے علاج کرانا ضروری ہے۔ یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ یہ دنیا ایسے بزرگوں سے کسی لمحہ خالی نہیں رہ سکتی۔ ان کی برکت سے آسمانوں سے پانی برستا ہے۔ ان کی بدولت زمین کو تروتازگی اور رعنائی حاصل ہوتی ہے۔ پہاڑ ان کی برکت سے قائم اور دریا ان کی فیض سے جاری ہیں۔ جو سمجھ دار ہے وہ انہیں تلاش کر لیتا ہے۔ اس گئے گزرے زمانے میں بھی اولیاء اللہ موجود ہیں، بے شک شب قدر کی طرح پوشیدہ ہیں۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہزاروں کتابوں کو آگ میں پھینک دو اور پھر اپنے دل کا رخ اپنے محبوب شیخ کی طرف پھیرنے سے ہی دین حاصل ہوتا ہے۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے بغیر مرشد کے راہ نہیں ملتی۔ علامہ اقبال نے فرمایا دین کو کتابوں میں نہ ڈھونڈو۔ دین سوائے نظر کے اور کچھ نہیں۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عطار رحمۃ اللہ علیہ، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سنائی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کا پورا کلام ہی مرشد سے فیض حاصل کرنے کے متعلق ہے۔ غرضیکہ اب تک کوئی صوفی شاعر نہیں ہوا جس نے طریقت کی زندگی گزارنے سے منع کیا ہو۔ یہ ہمیشہ تصوف کے حامی رہے۔

’’ملفوظات چہارم‘‘ میں منقول ہے کہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا نزع کا وقت قریب آیا تو شیطان آ گیا، کیونکہ اُس وقت شیطان ایمان سلب کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے، اُس نے پوچھا، اے رازی! تو نے ساری عمر مناظروں میں گزاری، بتاؤ! تمہارے پاس خدا کے وجود پر کیا دلیل ہے، آپ نے ایک دلیل دی، لیکن وہ خبیث تو معلم الملکوت رہ چکا تھا، اس نے وہ دلیل علم کے زور سے بے سود ثابت کر دی اور دوسری دلیل مانگی، آپ نے دوسری دلیل دی، اُس نے وہ بھی توڑ دی، یہاں تک کہ آپ نے 360 دلیلیں قائم کیں اور اُس نے تمام توڑ دیں، اِس پر آپ سخت پریشان ہو گئے اور شیطان نے کہا کہ اب بول خدا کو کیسے مانتا ہے؟ آپ کے پیرومرشد حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے میلوں دور کسی مقام پر وضو فرما رہے تھے اور چشم باطن سے یہ مناظرہ بھی دیکھ رہے تھے، آپ نے وہاں سے ہی آواز دی، رازی! کہہ کیوں نہیں دیتا کہ میں خدا کو بغیر دلیل کے مانتا ہوں، حضرت امام رازی نے یہ کہا اور حالت ایمان میں جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ قابل غور و فکر یہ امر ہے کہ اگر آپ کے پیرومرشد نہ ہوتے تو یقیناً شیطان بھکانے میں کامیاب ہو جاتا لہذا ؎

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں   عشق پر ایمان کی بنیاد رکھ

کلام مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ اور بیعت و شیخ طریقت کی ضرورت و اہمیت:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان بڑے بڑے علماء میں سے ہوتا ہے جو جید عالم بھی ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ روحانی دنیا میں بھی بہت بلند مقام رکھتے ہوں۔ علامہ اقبال نے اپنے کلام میں ان کو اپنا مرشد تسلیم کیا ہے۔ مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ روحانیت کے موضوع پر بہترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ آپ کی مثنوی قرآن و احادیث کے اسباق کو شعروں کے لباس میں اپنے اندر اس طرح سموئے ہے کہ کسی مکتبہ فکر کے صوفی کو آپ کے کلام پر اعتراض کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ بلکہ آپ کے اشعار کو بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی مولانا روم میں دو باتوں کی بڑی وضاحت فرمائی ہے۔ ایک تو

یہ کہ شریعت کا سختی سے اتباع کیا جائے اور دوسرا یہ کہ کسی شیخ کامل کا دامن مضبوطی سے تھام لیا جائے جو سالک کو اللہ تعالی کی بارگاہ میں پیش کر دے گا۔ بعض اوقات تو آپ یہ بھی کہہ جاتے ہیں کہ انسانوں کی تمام بیماریوں کا علاج ہی مرشد رکھنے میں ہے۔ حتیٰ کہ آپ خود اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ مولوی کبھی مولانا روم (علیہ الرحمۃ) نہیں بن سکتا تھا، جب تک کہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا غلام نہ بنا، اس کے پس منظر میں یہ واقعہ ہے کہ ایک دن مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ندی کے کنارے کتابوں کے ڈھیر میں بیٹھے مطالعہ فرما رہے تھے کہ اچانک حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اُدھر آ نکلے۔ آپ نے جب مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو یوں منہمک ہو کر (صرف علمِ ظاہری کا) مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا تو نزدیک تشریف لے گئے اور ایک ٹھوکر مار کر تمام کتابیں ندی میں پھینک دیں۔ یہ دیکھ کر حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ چلا اٹھے اور پکار کر کہنے لگے ''اے درویش! تو نے میری متاعِ حیات کو پانی میں پھینک دیا ہے'' اس پر حضرت شمس تبریز مسکرائے اور ندی کی طرف دیکھا تو مچھلیاں کتابیں اٹھا کر سطح پر آ گئیں، آپ نے ایک کتاب ہاتھ بڑھا کر پکڑی اور مولانا روم کے ہاتھ میں تھما کر فرمایا، دیکھ لو! یہ گیلی بھی نہیں ہوئی اور وہاں سے تشریف لے گئے۔ جب مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیکھا تو اپنی متاع حیات وہیں بھول کر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے چل دیے اور پھر مولوی سے مولانا روم بن گئے۔ تب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم   تا غلامِ شمس تبریزے نہ شد

یعنی مولوی اُس وقت تک مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نہیں بن سکتا تھا جب تک کہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا غلام نہ بنا۔

آپ کی مثنوی سے ماخوذ چند خوبصورت اور معروف اشعار کا مجموعہ پیش کیا جا رہا ہے کہ پوری مثنوی سے ایسے اشعار کو ڈھونڈ نکالنا ہر شخص کے لیے آسان کام نہیں۔ ان اشعار کے معنی بھی لکھ دیے گئے ہیں۔ لہذا ان کو سمجھنا کوئی مشکل بات نہیں۔

☆ نورانی لوگ اللہ کی راہ سے آگاہ کرتے ہیں۔ وہ اپنی کلام کے الفاظ کے ساتھ نور بھی ہمراہ کر

دیتے ہیں۔

☆ شیخ کی بات سے سکون ملتا ہے۔ دنیا داروں کے کلام سے انتشار حاصل ہوتا ہے۔

☆ جب تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے گا تو گمراہوں کی دسترس سے نکل جائے گا۔

☆ راہ طریقت کا راہبر وہ ہوتا ہے جو خود بھی احکام شریعت کی راہ پر چلتا ہے۔

☆ اگر وہ عمل میں ثابت قدم نہ ہو۔ تو مخلوق کو غم سے کیسے رہائی دلا سکتا ہے؟

☆ جو بھی ولی اللہ ہو اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے خواہ وہ علی رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہو یا عمر رضی اللہ عنہ کی۔

☆ اگر تو کہ کوئی پیر نظر نہیں آتا تو لاکھوں کروڑوں میں اسے تلاش کر، کیونکہ دنیا میں اگر کوئی پیر نہیں رہتا تو یہ زمین اور مکان اپنی جگہ پر نہ رہتے۔

☆ اللہ کے خاص بندے دستگیری فرماتے ہیں۔ طالبان حق کو خدا کی راہ میں لے جاتے ہیں۔

☆ اگر تو سخت پتھر اور سنگ مرمر بھی ہو تو اگر کسی صاحب دل کے پاس پہنچے تو ہیرا بن جائے گا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی تلوار بنانا چاہے تو وہ لوہار کے پاس جاتا ہے اور اگر حلوائی کا کام سیکھنا ہو تو کسی حلوائی کی شاگردی کی جاتی ہے۔ ایسے ہی اگر کوئی روحانی دنیا میں قدم رکھنا چاہے تو کسی پیر کامل کے بغیر اس راستے کو طے کرنا ممکن نہیں۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح اسرافیل علیہ السلام مردہ بدنوں کو زندہ کر سکتے ہیں بالکل اسی طرح اولیاء کرام (اعمال کے اعتبار سے) مردہ انسانوں میں (کردار کی) روح پھونک دیتے ہیں۔ ان بزرگوں کے سینے میں خداوند کے جلوے موجود ہوتے ہیں۔ اور ان کی صحبت سے لوگ باخدا بن جاتے ہیں۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا　　　او نشیند در حضور اولیاء

ترجمہ: جو بھی خدا کی ہم نشینی چاہتا ہے اس کو کہو کہ اولیاء کے حضور بیٹھا کرے۔

ہیں کہ اسرافیل وقت اند اولیاء　　　مردہ را زیشاں حیات است ونما

ترجمہ: یاد رکھو اولیاء اپنے وقت کے اسرافیل ہیں مردہ لوگوں کو ان سے زندگی اور نمو ملتی

ہے۔

مسجدے کو اندرون اولیاء ست　　　سجدہ گاہے جملہ است آنجا خداست

یعنی وہ جو اولیاء کے اندر ہے جملہ خلائق کی سجدہ گاہ ہے وہاں خدا ہے۔

اولیاء اللہ دلوں کے جاسوس ہیں:

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء کے پاس جا کر بیٹھو تو دلوں میں کوئی میعوب بات یا عقیدت میں فرق نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ دلوں کی باتوں کو بھی محسوس کر لیتے ہیں۔ احادیث میں ان کا جواسیس القلوب ہونے کا ذکر شرح تعرف میں ہے۔ اور نور فراست سے ان کا دیکھنا حدیث سے ثابت ہے۔ ''یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ جل شانہٗ کے نور سے دیکھتا ہے۔''

بندگان خاص عَلَّامُ الغُیُوب

در جہان جاں جواسیسُ القُلُوب

ترجمہ: خدائے علام الغیوب کے خاص بندے روح کی دنیا میں دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں۔

چوں شوی دور از حضور اولیاء

در حقیقت گشتۂ دور از خدا

ترجمہ: جب تو اولیاء اللہ کی حاضری سے دور ہو گیا تو حقیقتاً خدا سے بھی دور ہو گیا۔

آنکہ واقف گشت بر اسرارِ ہُو

سرِّ مخلوقات چہ بود پیشِ اُو

ترجمہ: جو خدا کے اسرار سے واقف ہو گیا تو مخلوق کے راز اس کے لیے کیا ہیں۔

علم حق در علم صوفی گم شود

ایں سخن کے باور مردم شود

ترجمہ: حق تعالیٰ کا علم، عارف صوفی کے علم میں پوشیدہ ہوتا ہے، اگرچہ عام لوگوں کو یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ترجمہ: ولی کی گفتگو، دراصل اللہ تعالیٰ کی گفتگو ہوتی ہے، اگرچہ بظاہر بندۂ خدا کے حلق سے نکلتی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مولانا نے ان اولیائے کرام کی ضرورت سے زیادہ تعریف کر دی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کی خود پرورش کرتے ہیں۔ اور فیضانِ خاص کے پیمانے زیرِ تربیت اولیاء کو پلاتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی پرورش آپ ﷺ نے خود فرمائی اور پھر حکم دیا کہ فلاں شیخ سے جا کر بیعت کر لو تا کہ سلسلہ آگے بھی جاری رہے۔ فرماتے ہیں کہ لوگ ان اولیاء کرام پر شکوک کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر وہ خود اپنی برائیوں پر نظر نہیں کرتے۔ ان میں سے اکثر تو مسجدوں کی سوداگری کرنے سے بھی عار نہیں کرتے۔

ما کلیسا دوست ما مسجد فروش
او ز دست مصطفیٰ پیمانہ نوش

ترجمہ: ہم تو کلیسا دوست اور مسجد فروش ہیں تو وہ حضور ﷺ کے ہاتھوں سے جام پیتے ہیں۔

در جہان بے ثبات او را ثبات
مرگ او را از مقامات حیات

اس جہان بے ثبات میں ان کو قرار حاصل ہے ان کی موت بھی زندگی کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔

طریقت میں تنہا چلنا خطا ہے:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اندھا بغیر کسی راہنمائی کے گھر سے باہر نہیں نکل سکتا اور ایسا کرنا اس کے لیے خطرے کا باعث ہوگا۔ جو لوگ خودسری کے باعث راہ طریقت کو تنہا طے کرنے لگتے ہیں، اور اس صحرائے بے پایاں میں سفر کرتے ہیں۔ تو وہ بھی ان اولیائے کرام کی ہمت کی وجہ سے راہ طے کر پاتے ہیں۔

دست او راحق چو دست خویش خواند
تا ید اللہ فوق ایدیھم براند

ترجمہ: خدا تعالیٰ نے ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہا ہے اسی لیے یہ "ید اللہ" کی آیتِ مبارکہ نازل ہوئی ہے۔

یار باید راہ را تنہا مرو
وز سر خود اندریں صحرا مشو

ترجمہ: کسی راہ کے لیے ساتھی چاہئے تو تنہا مت جاؤ۔ خودسری سے اس صحرا میں قدم مت رکھو۔

کور ہرگز کہ تواند رفت راست
بے عصائش کور را رفتن خطاست

ترجمہ: اندھا خود بخود کیسے چل سکتا ہے۔ عصا کے بغیر تو اس کا چلنا ہی خطا ہے۔

دست پیر از غائباں کو تاہ نیست
دست او جز قبضۂ اللہ نیست

پیر کا ہاتھ غائب لوگوں کے لیے کوتاہ نہیں۔ اس کا ہاتھ اللہ کی قدرت کے بغیر نہیں۔

ہر کہ تنہا نادریں راہ کہ برید
ہم بعونِ ہمتِ پیراں رسید

جس کسی نے اس راہ کو تنہا طے کیا وہ بھی پیروں کی ہمت سے ہی پہنچا ہے۔

اولیاء اللہ راہست قدرت ازالہ

تیر جستہ باز گردانند ز راہ

اولیاء اللہ کو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے یہ قدرت ملتی ہے کہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو واپس لوٹا دیں۔

اولیاء اللہ ہی خداوندان دل ہیں:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کشت (کھیتی) انسان میں تخم دل کو کاشت کرنے کے لیے خداوندان دل (یعنی اولیاء اللہ) کی نظر کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ اس کھیت سے طرح طرح کی پیداوار حاصل کی جاسکے۔ چنانچہ انسان کی قیمت اس وقت نہیں لگتی ہے جب تک وہ کسی اہل حال بزرگ کے دامن میں ہاتھ نہ ڈالے۔ فرماتے ہیں کہ بیعت سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ جس نے کسی پیر کی بیعت کی تو گویا اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ کیونکہ جو دیا کسی دیئے سے جلایا جاتا ہے تو اس دیئے میں سب سے پہلے دیئے کی روشنی ہی تصور کی جاتی ہے۔

می نہ روید تخم دل از آب وگل

بے نگاہے از خدا وندان دل

دل کا تخم مٹی اور پانی میں نہیں اگتا اور نہ ہی خداوندان دل کی نگاہ کے بغیر۔

چوں چراغ نور شمع راکشید

ہر کہ دید آں رایقیں آں شمع دید

ترجمہ: جب چراغ کے نور نے شمع کی روشنی کو کھینچ لیا تو جس نے اس کو دیکھا گویا اصل شمع کو دیکھا۔

ہم چنیں تا صد چراغ ازنقل شد

دیدن آخر لقائے اصل شد

ترجمہ: اس طرح اگر سو چراغ بھی جلائے گئے ہوں تو آخری چراغ کو دیکھنا اصل چراغ کو دیکھنا ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کسی نے پیر کامل کی لمحہ بھر کے لیے صحبت حاصل کی تو اس کی یہ صحبت سو سالہ طاعت بے ریا سے بہتر تصور کی جاتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی صحبت کے وصف سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہلائے۔ اور صحبت کے باعث ساری دنیا کے عابدوں سے افضل قرار دیے گئے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

اولیائے کرام کی ایک گھڑی کی صحبت سو سالہ بے ریاء اطاعت سے بہتر ہے۔

صد کتاب وصدورق در نار کن
روئے دل را جانب دلدار کن

ترجمہ: سو کتابیں اور سو اوراق آگ میں پھینک دو اور اپنے دل کا چہرہ اپنے محبوب کی طرف کرلو۔

پیر کامل صورت ظل علےٰ
یعنی دید پیر دید کبریاء

پیر کامل خدا کا سایہ ہے گویا پیر کا دیدار خدا کا دیدار ہے۔

ہر کہ پیر وذات رایکجا نہ دید
نے مرید ونے مرید ونے مرید

جو کہ خدا اور پیر کی ذات کی یکجا نہیں دیکھتا وہ مرید نہیں ہرگز مرید نہیں۔

ہر کہ بیند روئے پاکاں صبح وشام
آتش دوزخ شود بروئے حرام

جو پاک لوگوں کا چہرہ صبح وشام دیکھتا ہے اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔

سرمہ کن در چشم خاک اولیاء
تا کہ بیند ابتدا تا انتہا

اولیاء کی خاک پا کو سرمہ بناؤ تا کہ اول تا انتہا چیزوں کا مشاہدہ کرلو۔

ہیں بجو ایں قوم رائے مبتلا
ہیں غنیمت دار شاں پیش از بلا

اے مبتلائے رنج! اس قوم کو تلاش کر۔ کسی بلا کے آنے سے پہلے انہیں غنیمت سمجھ

نامراداں را رساند بامراد
اعتقاد است اعتقاد است اعتقاد

نامراد لوگ ان سے مراد پاتے ہیں یہ ساری بات اعتقاد کی ہے۔

نفس را نہ کشد بغیر از ظل پیر
دامن آں نفس کش محکم بگیر

ترجمہ: نفس کا مرنا پیر کے سائے بغیر نہیں۔ نفس کو مارنے والے شیخ کا دامن اچھی طرح پکڑ لے۔

☆ منکران طریقت سے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی سخت برہمی:

جو لوگ طریقت اور اہل طریقت کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اُن کو کافر طریقت خیال کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو ایک ایسے چوہے کی طرح تصور کرتے ہیں جو شیر کی دم سے چھیڑ چھاڑ کرتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی عبادت میں ذرا چاشنی نہیں پائی جاتی۔ اور ان کی اطاعات ایسی ہیں جیسے کوئی تخم ہو اور اس پر مغز نہ ہو۔

چیست کافر؟ غافل از ایمان شیخ
کیست مردہ بے خبر از جان شیخ

ترجمہ: کافر کون ہے؟ جو ایمان شیخ سے غافل ہے۔ مردہ کون ہے جو شیخ کی روح سے

بے خبر ہے۔

پس تو اے نا شستہ رو در چیستی
در نزاع و در حسد با کیستی

اے ناپاک چہرے والے تو کس خیال میں ہے؟ تو دیکھ کہ تو کس کے ساتھ حسد اور جھگڑا کرتا ہے۔

بادم شیرے تو بازی می کنی
بر ملائک ترکتازی می کنی

شیر کی دم کے ساتھ تو کھیلتا ہے اور فرشتوں پر تو حملہ کرتا ہے۔

بدچہ می گوئی تو خیر محض را
ہیں تو رفعے کم شمر ایں خفض را

جو خیر محض ہے کیا تو اس کو برا کہتا ہے۔ اپنی اس پستی کو بلندی خیال نہ کر

در رخ مہ عیب بینی می کنی
در بہشتے خار چینی می کنی

تو چاند کے چہرے میں عیب دیکھتا ہے اور تو بہشت میں کانٹے چننا چاہتا ہے۔

☆ **حضرت شیخ فریدالدین عطار** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے بعد کسی کلام کو فوقیت حاصل ہے تو وہ اولیاء اللہ کا کلام ہے کیونکہ ان کا کلام عشق الٰہی میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ کا کلام دنیاوی طمع کو دل سے نکال دیتا ہے۔ اور ان کے کلام سے آخرت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اور خدا کی دوستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

☆ کلام حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ :

حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کو دنیائے روحانیت میں جو مقام حاصل ہے اس سے کون

آشنا نہیں۔آپ کے بلند پایہ کے عارف باللہ اور عالی مرتبت ولی ہونے کے ناطے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کا کلام قرآن اور سنت کے معارف سے لبریز ہے اور آپ کے فرمودات میں قرآن اور حدیث سے متعارض ہونے یا متضاد ہونے کا ہرگز ہرگز کوئی شائبہ نہیں۔آپ کے کلام کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مشائخ سے نسبت کا ہونا ہر مسلمان کے لیے ایک نہایت اہم امر ہے۔بلکہ اس گروہ کے ساتھ لاتعلقی کی زندگی گزارنے والا مسلمان روح اسلام کی دولت سے قطعاً محروم رہتا ہے۔آپ کے افکار کے مطابق ایک مسلمان کے لیے روحانیت کے بغیر پکا اور سچا مسلمان بننا کسی صورت بھی ممکن نہیں۔

☆

حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ نے ادبیات اور دیگر تصانیف میں جو کچھ لکھا ہے وہ زیادہ تر مرشد سے محبت کرنے اور اس کی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر فیض حاصل کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔آپ نے اپنے کلام میں ایک نہایت پر وقار فقر، صوفیانہ بلند ہمتی اور خودگری کے نمونوں کو مریدوں کے لیے پیش کیا ہے تا کہ وہ طریقت کے اغراض و مقاصد کو سمجھ سکیں۔حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ اپنے کلام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے شیخ سے براہ راست تعلق رکھنے، رشد و ہدایت کی زندگی اختیار کرنے، مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کا دم بھرنے کی تلقین کرتے ہیں۔جیسا کہ آپکے کلام میں ملتا ہے:

عاشق ھو، تے عشق کما دل رکھیں وانگ پہاڑاں ھو
جتھے پون غضب دیاں لہراں قدم اٹھائیں دھریئے ھو
جس دکھ تھیں سکھ حاصل ہووے اس تھیں مول نہ ڈریے ھو
جس مرشد تھیں نئیں ہدایت اوہ ہادی کیہہ پھڑنا ھو
الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ھو
نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگے ہر جائی ھو

اندر بوٹی مشک مچایا جان پھلاں تے آئی ھو
جیوے مرشد کامل باہو جیں ایہہ بوٹی لائی ھو

نہ میں جوگی نہ میں جنگم نہ میں چلہ کمایا ھو
نہ میں بھج مسیتی وڑیا نہ تسبا کھڑکایا ھو
جو دم غافل سو دم کافر مرشد ایہہ فرمایا ھو
مرشد سوہنی کیتی باہو پل وچ چا بخشایا ھو

پیر ملے تے پیڑ نہ جاوے ناں اس ''پیر'' کیہہ دھرنا ھو
مرشد ملیاں رشد نہ من نوں اوہ مرشد کیہہ کرنا ھو
جس ہادی تھیں نئیں ہدایت اوہ ہادی کیہہ پھڑنا ھو
سر دتیاں حق حاصل ہووے موتوں مول نہ ڈرنا ھو

مرشد اوہ پھڑیئے جیہڑا دو جگ خوشی دکھائے ھو
اول غم ٹکرے دا میٹے وت رب دا راہ سمجھائے ھو
کلر والی کندھی نوں چا چاندی خاص بنائے ھو
جس مرشد اتھ کجھ نہ کیتا اس نوں ندی رڑھایئے ھو

☆

مرشد سے بیعت کا سب سے بڑا مقصد یہی ہوتا ہے کہ عبادت میں خدا کی حضوری میسر ہو جائے اور خدا کو راضی کرنے کے طریقے بے نقاب ہو جائیں۔ اگر کسی کامل، مکمل راہ دان اور رہبر پیر کی راہنمائی حاصل ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ خاردار جھاڑی پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ نیچے دیئے گئے اشعار سے یہی معنی مقصود ہیں۔

تسبیح پھیری تے دل نہ پھریا کیہہ لینا تسبیح پھڑ کے ھو
علم پڑھیا تے ادب نہ سکھیا کیہہ لینا علم نوں پڑھ کے ھو

چلہ کٹیا کجھ نہ کھٹیا کیہہ لینا چلیاں وڑ کے ھو
جاگ بِناں دُدھ جمدے ناہیں بھنویں لال ہووّن کڑھ کڑھ کے ھو
باجھ حضوری نئیں منظوری پئے پڑھن بانگ صلاتاں ھو
روزے نفل نماز گزارن پئے جاگن ساریاں راتاں ھو
باجھوں قلب حضور نہ ہووے پئے کڈھن سہ زکاتاں ھو
باجھ فنا رب حاصل ناہیں نہ تاثیر جماتاں ھو

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خدا کا ملنا ظاہری عبادات سے نہیں ہوتا۔ بلکہ نیت کا خالص ہونا اور ذوق عبادت کا ہونا ضروری ہے۔

جے رب نہاتیاں دھوتیاں مِلدا ، مِلدا ڈڈواں مچھیاں ھو
جے رب مِلدا مون منایاں، مِلدا بھیڈاں سسیاں ھو
جے رب جیتاں ستیاں مِلدا ، مِلدا انداں خصیاں ھو
رب انہاں نوں مِلدا باہو ، نیتاں جہناں اچھیاں ھو
دل دریا سمندروں ڈونگے ، کون دلاں دیاں جانے ھو
وچے بیڑے وچے جھیڑے منجھ مہانے ھو
چوداں طبق دلے دے اندر تنبو وانگن تانے ھو
جوئی دل دا محرم ہووے سوئی رب پچھانے ھو
نہ رب عرش معلیٰ اُتے نہ رب خانے کعبے ھو
نہ رب علم کتابیں لبّھا نہ رب وچ محرابے ھو
گنگا تیرتھ مول نہ ملیا پینڈے بے حسابے ھو
جد دا مرشد پھڑیا باہو چُھٹے سب عذابے ھو
اللہ پڑھیوں حافظ ہویوں نہ گیا حجابوں پردہ ھو

پڑھ پڑھ عالم فاضل ہویوں بھی طالب ہویوں زر دا ھو
لکھ گزار کتاباں پڑھیاں پر ظالم نفس نہ مردا ھو
باجھ فقیراں کوئی نہ مارے ایہو چور اندر دا ھو
اوہو نفس ساڈا بیلی جو نال ساڈے سِدھا ھو
جو کوئی اس دی کرے سواری نام اللہ اس لِدھا ھو
زاہد عابد آن نوائے جتھ ٹکڑا ویکھن تھدھا ھو
راہ فقر دا مشکل باہو گھر ماںنہ سیرا رِدّھا ھو
تسبیح دا توں کسبی ہویوں ماریں دم ولیاں ھو
دل دا منکا ہک نہ پھیریں گل پائیں پنج ویہاں ھو
ایہہ تن میرا چشماں ہووے مرشد ویکھ نہ رجاں ھو
لوں لوں دے مُڈھ لکھ لکھ چشماں ہک کھولاں ہک کجاں ھو
ایناں ڈِٹھیاں مینوں صبر نہ آوے ہور کسے ول بھجاں ھو
مرشد دا دیدار ہے مینوں لکھ کروڑاں حجاں ھو
سن فریاد پیراں دیا پیرا عرض سنیں کن دھر کے ھو
بیڑا اڑیا وچ کپراں جتھے مچھ نہ بہندے ڈر کے ھو
شاہ جیلانی محبوب سبحانی خبر لیو جھٹ کر کے ھو
پیر جہناں دا میراں اوہی کدھی لگدے تَر کے ھو
جد دا مرشد کاسہ دتڑا تد دی بے پروائی ھو
کیہہ ہویا جے راتیں جاگے جے مرشد جاگ نہ لائی ھو

☆ میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کا عارفانہ کلام:

پنجاب میں میاں محمد بخش کھڑی شریف والوں کا پنجابی صوفیانہ کلام بے حد مقبول ہے

اور زبان زد خاص و عام ہے۔ پڑھنے والے اسے ایک خاص روائتی ترنم سے روحانی محفلوں میں سناتے ہیں۔ آپ ایک نہایت بلند پایہ مشہور عالم اور صوفی شاعر تھے۔ آپ کا کلام موضوع گفتگو پر روحانی حقائق کی اس خوبصورتی سے ترجمانی کرتا ہے کہ سننے والوں کو اس کے مضامین کا الہامی ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا۔

میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ایسا نہیں کہ انہوں نے خود اپنے پاس سے خیالات کا اظہار کیا ہو بلکہ اس میں آپ نے محض ان باتوں کا چناؤ کیا ہے جو قرآن وحدیث یا مشائخ کبار کے اقوال سے ثابت ہوں اور جن پر تمام صوفیائے کرام کا اتفاق رائے ہو چکا ہو۔ صاحب دل لوگوں کو تو قطعاً ان کے اقوال سے اختلاف نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ کلام سچائی، حقیقت، معرفت اور طریقت کے اصولوں کے عین مطابق ہے۔ اس جگہ آپ کے کلام کے چند نمونے پیش کئے جا رہے ہیں۔ جو عوام میں بہت زیادہ پسند کئے جاتے ہیں۔ آپ کا ایک ایک شعر ضرورت شیخ، افادیت شیخ اور تصرف شیخ کی نشاندہی کرتا ہے۔

رحمت دا دریا الٰہی ہر دم وگدا تیرا
جے اک قطرہ مینوں بخشیں کم بن جاوے میرا

سب کجھ کیتا یار حوالے تن من جان وی تیری
میں کوجھی دا مرشد تو ایں لاج رکھیں ہن میری

مرشد دا احسان میرے تے سار لئے محتاجاں
ایتھے اوتھے دوئیں جہانیں پیر میرے نوں لاجاں

پیر دے ہتھ وچ ہتھ نوں دے کے بھید نہ دلدا کھولیں
جہیڑا کلمہ پیر پڑھاوے اوہی کلمہ بولیں

لوئے لوئے بھرلے کڑئیے جے تدھ بھانڈا بھرنا
شام پئی بن شام محمدؐ، گھر جاندی نے ڈرنا

جنہاں عشق نمازاں پڑھیاں اوہ کدے نہ مردے
کامل مرداں دے در جا کے ویکھ لے دیوے بلدے
راہ دے راہ دے ہر کوئی آکھے، میں وی آکھاں راہ دے
بن مرشد تینوں راہ نئیں لبھنا مر ویسیں وچ راہ دے
مالی دا کم راکھی کرنا، پھل پکے ہوون یا کچے
پیر مریداں دے سر تے رہندے جھوٹے ہوون یا سچے

صحبت شیخ اور استمداد کے متعلق آپ نے مثالیں پیش کی ہیں۔فرماتے ہیں:

بُرے بندے دی صحبت یارو! جیویں دکان لوہاراں
کپڑے بھنویں کنج کنج بیہے، چنگاں پین ہزاراں
چنگے بندے دی صحبت یارو! وانگ دکان عطاراں
سودا بھانویں مول نہ لیئے ہُلھے آون ہزاراں
کی ہویا جے میں اوگن ہاری،بھیڑے عملاں والی
میرے عیب چھپاون کارن، سرکار دی کملی کالی
مینوں یاراں نے آن ڈرایا رات قبر دی کالی
میں سنیا اُتھےاوہنے آونا جدے موہڈھے کملی کالی

اور فرماتے ہیں کہ:

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ مرداں دے آئی
مرد نگاہ کرن جس ویلے،مشکل رہے نہ کائی
قلم ربانی ہتھ ولی دے لکھے جو من بھاوے
مرداں نوں رب قدرت بخشی لکھے لیکھ مٹاوے
مرد انیندے مرد تنیدے کردے مرد لویراں
سیون مرد، پوشاک بناون، شاد کرن دلگیراں

مرداں دے ہتھ کارج سارے آپ خداوند سُٹے
دنیا باغ ، ولی وچ مالی ، بوٹے لاوے ، پُٹے
کدھرے پتلا بیج رلاوے کدہرے کرے گھنیرا
کدھرے تھوڑا پانی لاوے ، کدھرے دیوے ودھیرا
ڈالی قلم کرے اک رکھوں، جادوئے پر جوڑے
پیوند لا بناوے میوہ آپے پھیر تروڑے
ہر ہر پھکے پانی پھیرے، ہر آڈے، ہر بنّے
ہکناں نوں سر راس کریندا،گل ہکناں دے بھنے
دنیا باغ، انبر کھوہ وہیندا دل نہ چن وانگن بیلاں
مالی مرد اُتے رب مالک،بھور عاشق وچ سیلاں
غیر کولوں میں کیونکر منگاں،خصم کنگال نئیں میرا
غوث الاعظم بوہڑ شتابی ، تار اساں دا بیڑا

اور فرماتے ہیں کہ:

جِتن جِتن ہر کوئی کھیڈے ، توں ہارن کھیڈ فقیرا
جِتن دا مُل کوڈی پے سی ہارن دا مل ہیرا
مرد ملے تے مرض گواوے اوکن دے گن کردا
کامل پیر محمد بخشا لعل بنان پتھر دا
مرداں ہمت ہار نہ مولے ، مت کوئی کہے نامردا
ہمت نال لگے جس لوڑن ،پائے باجھر نہ دا
اَوکھی گھاٹی مشکل پینڈا ، واٹ لمبی توں کلا
جے منزل مقصود پاونا ، پھڑ مرشد دا پلّا

ولی اللہ دے بھانڈا تک کے پاندے خیر حضوروں
جیہڑا پاک،غروروں خالی ، سو پُر کردے نوروں
جے لکھ زہد عبادت کریئے بن عشقوں کس کاری
جاں جاں عشق نا ساڑے تینوں تاں تاں نبھے نہ یاری
جس دل اندر عشق نہ رچیا،کتے اس تھیں چنگے
مالک دے در راکھی کر دے،صابر، بکھے، ننگے
عشق دا جو دَارو دَسّے باجھ ملاپ سجن دے
اوہ سیاناں جاں ایاناں،روگ نہ جانے من دے
عاماں بے اخلاصاں اندر خاصاں دی گل کرنی
مِٹّھی کھیر پکا محمدؐ کُتیاں اَگے دَھرنی
نیچاں دی اشنائی کولوں فیض کِسے نئیں پایا
ککر تے انگور چڑھایا ہر گچھا زخمایا

میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے جو کچھ ملا اپنے مرشد سے ہی ملا ہے۔مرشد کی محبت سے حاصل کردہ فیوض کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

میں نیواں میرا مرشد اُچّا میں اُچّیاں دے سنگ لائی
صدقے جاواں انہاں اُچّیاں اُتوں جنہاں نیویاں نال نبھائی
صحبت مجلس پیر میرے دی بہتر نفل نمازوں
ہر ہر سخن شریف انہاں دا کردا محرم رازوں
چھبی مار لیاون موتی وحدت دے دریاؤں
کھریاں گلاں کھریاں چالاں، دامن پاک ریاؤں
خشخش جناں قدر ناں میرا ، صاحب نوں وڈیائیاں
میں گلیاں دا روڑا کوڑا محل چڑھایا سائیاں

پہلے تحقیق، پھر تصدیق

بیعت کرنے سے پہلے تحقیق کر لینی چاہیے کہ جسے مرشد تسلیم کر رہے ہیں یا جس کی بیعت کرنی ہے، کیا وہ رہنمائی کرنے کے لیے اہلیت رکھتا ہے، کیا وہ اِس قابل ہے کہ اُسکی بیعت اختیار کی جائے کیونکہ شیخ المشائخ، بابا جی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری (سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف) نے فرمایا کہ بیعت کرنے سے پہلے اچھی طرح تحقیق کر لو اور پھر بیعت کرو لیکن بیعت کرنے کے بعد اگر تحقیق کے چکر میں پڑ گئے تو گمراہی کا اندیشہ ہے لہذا پہلے تحقیق کرو پھر تصدیق کرو۔

علمائے شریعت اور مشائخ طریقت نے مرشد کی اہلیت کے بارے میں جن ضروری باتوں کا ذکر کیا ہے، ذیل میں درج ہیں۔

شرائطِ مرشد

☆ صحیح العقیدہ اہلسنت و جماعت ہو اور اس کا عمل شریعت و طریقت اور اسلاف کے طریقے کے خلاف نہ ہو۔ مزید برآں عقائد اہلسنت سے باخبر ہو ورنہ آج بد مذہب نہیں تو کل ضرور ہو جائے گا۔

☆ ۔ضرورت کے مطابق دین کا کم از کم اتنا علم رکھتا ہو کہ کتابوں سے دیکھ کر رہنمائی کر سکے اور مسائل کا حل بتا سکے۔

☆ ۔ طریقت کا سلسلہ، حضور نبی کریم ﷺ تک صحیح متصل ہو، کیونکہ منقطع ذریعہ سے اتصال ممکن نہیں۔

☆ ۔فاسق نہ ہو، کیونکہ فاسق کی توہین واجب ہے اور پیر کی تعظیم لازم۔

دیگر ضروری باتیں

☆ -دنیا کی طمع اور حرص نہ رکھتا ہو۔ کامل ہونے کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی دنیا کی ایک شاخ ہے۔

☆-کسی پیر کامل کی صحبت میں کچھ دن رہا ہو۔

☆-اس کے پاس چند روز بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور اللہ کی محبت میں اضافہ معلوم ہو۔

☆-اپنے مریدوں کی تعلیم و تربیت لگن سے کرتا ہو اور چاہتا ہو کہ یہ درست ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔

☆-رابطہ شیخ کو معیوب نہ سمجھے بلکہ اس کی وجہ سے تصرف حاصل کرتا ہو۔

☆-ظہور کرامت کسی ہستی کی فضلیت کا اصلاً باعث نہیں بلکہ اصل کام تو استقامت اور اتباع شریعت ہے۔ کرامات پر نظر نہیں رکھنی چاہئے۔

☆-بقول امام ربانی، حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کلاہ اور شجرہ پیری مریدی کی حقیقت سے خارج ہے۔ کسی کے اعلیٰ قسم کے جبے اور پگڑی و تسبیح کو دیکھ کر مرعوب ہو کر بیعت نہ کریں۔

☆-حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے: جو ہوش وحواس اور شریعتِ مطہرہ پر کاربند نہیں، اُسے ولی نہ مانو خواہ ہوا میں اڑتا ہو۔

☆اگر کوئی شیخ داڑھی کے بغیر طریقت کا علمبردار بنتا ہو (بشرطیکہ مجذوب نہ ہو) تو اس کا دعوی فقیری بے بنیاد ہے۔ (خشخشی داڑھی بھی اسی حکم میں شامل ہے)۔ کیونکہ آج تک کوئی نبی، صحابی، ولی اللہ بغیر داڑھی والا نہیں ہوا۔ لہذا داڑھی منڈوانے والوں کی بیعت سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں۔

☆پس مندرجہ بالا علامات کے ذریعے تلاش مرشد جاری رکھے۔ یہ نہ دیکھے کہ اس سے کوئی کرامت بھی صادر ہوتی ہے کہ نہیں۔ پوشیدہ یا آئندہ آنے والی باتیں اس کو معلوم ہوتی ہیں یا نہیں یا یہ جو دعا کرتا ہے وہ قبول ہوتی ہے یا نہیں۔ یا یہ اپنی باطنی قوت سے کچھ کام کر دیتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ باتیں پیر یا ولی ہونے کے لیے ضروری نہیں ہیں۔

اگر مرشد کی تلاش ہے تو۔۔۔

حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کو کوئی پیر نہ ملتا ہو تو وہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''کشف المحجوب'' کا مطالعہ کرے تو اسے پیر مل جائے گا۔ مزید اگر ''مثنوی مولانا روم''، ''مکتوبات امام ربانی''، ''عوارف المعارف''، ''غنیۃ الطالبین''، ''تذکرۃ الاولیاء''، ''مدارج النبوت''، ''اخبار الاخیار''، ''رسالہ مکیہ''، ''معدن کرم''، ''میری سرکار''، ''بیعت کی تشکیل وتربیت'' یا ''رابطہ شیخ'' کا مطالعہ کرلے تو بالیقین مرشد کامل کی تلاش میں کامیاب ہو جائے گا۔

عورت کی بیعت جھوٹی اور نا قابلِ اعتبار ہے:

کوئی مرد کسی عورت کا مرید نہیں ہو سکتا ۔ خواہ وہ عورت کتنی نیک باز اور (اپنے تئیں) اجازت یافتہ بھی ہو۔ ایسی بیعت جھوٹی اور نا قابل اعتبار ہے۔ کسی مردِ کامل کی بیعت کرنا نہایت ضروری ہے۔ اسی سلسلے میں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عورت کے واسطے نہ پیغمبری ثابت ہے نہ عہدۂ قضاء نہ بیعت لینا اور نہ ہی سجادہ نشینی ۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ تین چیزیں عورتوں کے لیے ثابت نہیں ہیں۔ ایک نبوت ، دوسرے مشیخیت اور تیسرے قضاء، کیونکہ یہ ناقص العقل اور ناقصِ دین ہیں۔ پھر آپ نے اس کی حدیث مبارک بھی ارشاد فرمائی۔

دوسری بیعت کب ضروری ہوتی ہے؟

ایک بار مرشد کی بیعت کر کے دوسرے شخص کا خیال بھی دل میں نہیں آنا چاہیے۔ لیکن کچھ صورتیں ایسی ہیں جب بیعت ثانی واجب ہو جاتی ہے۔

☆ - جب معلوم ہو جائے کہ اس کا شیخ بدعقیدہ اور شریعت کا پابند نہیں۔ یا وہ صریحاً حرام کاموں کا ارتکاب کرتا ہے اور واقعی اس کی راہنمائی نہیں کرتا تو دوسری بیعت جائز ہے۔ اگر کوئی بلاوجہ کامل شیخ چھوڑ کر کسی اور سے بیعت کرلے تو ایسے مرید کو کسی جگہ سے فیض نہیں ملتا۔ خواہ وہ جبرائیل علیہ السلام کی صحبت میں بھی چلا جائے تو بھی محروم رہے گا۔

☆۔ مرشدِ کامل کا وصال ہو جائے اور بعد از وصال فیض ملنا بند ہو جائے۔ مراد یہ ہے کہ مرشدِ کامل خواب یا کشف کے ذریعے مسائل اور پیچیدگیاں سلجھا دے اور مدد کرے اور اگر ایسا نہ ہو تو بیعتِ ثانی یا کسی دوسرے مرشدِ کامل کے ساتھ وابستگی نہایت ضروری ہے۔ اگر اُسی مرشدِ کامل سے استفادہ کرنا مقصود ہو تو ضروری ہے کہ اُن کے خلیفۂ مجاز یا سجادہ نشین سے وابستگی کر لی جائے۔ کیونکہ بعض اوقات مرشدِ کامل تو فیض دے سکتا ہے لیکن مرید میں فیض لینے کی استطاعت نہیں ہوتی۔

☆۔ اگر مرشدِ کامل کا وصال ہو جائے اور اُس کا کوئی خلیفۂ مجاز یا سجادہ نشین موجود نہ ہو اور فیض ملنا بھی بند ہو جائے تو کسی دوسرے مرشد، ولیٔ کامل یا مردِ حق کی بیعت کر لینی چاہیے۔ لیکن اگر سجادہ نشین یا خلیفۂ مجاز موجود ہوں تو اُس سلسلے کا فیض حاصل کرنے کے لیے انہی کے ساتھ وابستگی کرنا ہو گی۔

مرشدِ کامل کے وصال کے بعد خلیفہ مجاز/سجادہ نشین سے بیعت یا وابستگی

چونکہ مرشدِ کامل اللہ جل شانہٗ، حضور نبی کریم ﷺ اور بندے کے درمیان ایک وسیلہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم مرشدِ کامل کی زبان سے جو احکامات سنتے ہیں، انہیں اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات مانتے ہیں۔ جب مرشدِ کامل کا وصال ہو جائے تو اس وقت ہم مرشدِ کامل کے فرامین اور احکامات سننے اور سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے سجادہ نشین یا خلیفہ مجاز سے تجدیدِ بیعت کی جاتی ہے۔ تاکہ پہلے والے نورانی فرامین اور احکامات سے استفادہ حاصل کر سکیں۔ اس لیے سجادہ نشین یا خلیفہ مجاز سے تجدید بیعت کے ذریعے مرشد کی بیعت کو مضبوط اور فعال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ؛

☆۔ حضرت شیخ مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی رسمِ سجادہ نشینی کی گئی تو خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ستائیس برس کے تھے اور اس روز پچاس ہزار مریدین نے آپکی بیعت کی۔ جن میں حضرت شیخ مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء بھی شامل

تھے۔ کیونکہ حضرت شیخ مجددالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اب انہیں نورِ حق اور فیض آپ رحمۃ اللہ علیہ سے ہی مل سکتا تھا۔

☆۔ حضرت مجددالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بیٹے خواجہ محمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آپ نے خازنِ رحمت کی خلعت سے نوازا تھا اور فرمایا تھا کہ قیامت کے دن اللہ کی رحمت کے خزائن میرے اس بیٹے کے کنٹرول میں ہوں گے۔ خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے حضرت خواجہ عبدالاحد (گلِ وحدت) رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت اور بیعت کرنے کی اجازت دی تھی مگر آپکے وصال کے بعد خواجہ گلِ وحدت رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً اپنے عم بزرگوار حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی اور آپ کے ہاتھ پر ہی تجدیدِ بیعت فرمائی کیونکہ اب آپ کو فیض اور نورِ حق انہی سے ملنا تھا۔ (بحوالہ تذکرۃ الاولیائے نقشبند، مؤلف: مولانا محمد امین شرقپوری)

☆۔ اِسی طرح حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا "میں باغبانپورہ میں حضرت ایشاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ مبارک پر گیا تو وہاں سے آواز آئی کہ یہاں کچھ نہیں ہے۔ گدی والوں (سجادہ نشین) کے پاس چلے جاؤ، میں ان کے پاس گیا تو اُن کی طبیعت میں جلالی و جمالی دونوں نسبتیں دیکھیں۔ اُن کا نام حضرت میر جان (رحمۃ اللہ علیہ) تھا"

(بحوالہ خزینہ معرفت)

☆۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرشد کے وصال کے بعد اگر فیض کا سلسلہ بند ہو جائے یا مرشد کی خواب یا کشف میں زیارت نہ ہو تو بیعتِ ثانی نہایت ضروری ہے۔ لیکن صرف خلیفہ مجاز یا سجادہ نشین کی بیعت مزید راہنمائی یا نورِ حق کا ذریعہ بنے گی۔ لیکن چونکہ اب عوام علمِ دین اور متقدمین کے طریقہ سے نا آشنا ہیں اس لیے اسلاف اب تجدیدِ بیعت کی بجائے قلبی وابستگی کا حکم فرماتے ہیں۔

☆۔ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ عالیہ میں بھی موجودہ دور میں تمام مریدین کے لیے لازم ہے کہ حضرت کرماں والا شریف کا فیض حاصل کرنے کے لیے موجودہ

سجادہ نشین کے ساتھ باقاعدہ نیت وارادہ کے ساتھ قلبی وابستگی اختیار کریں۔ چنانچہ گنجِ کرم، پیر سید محمد اسمٰعیل شاہ بخاری، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ، باباجی سید محمد علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، باباجی سید عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور پیر سید غضنفر علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے جو مریدین موجودہ سجادہ نشین (باباجی سید میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہ العالی) کے ساتھ وابستہ نہیں ہوں گے۔ وہ بہر حال راہِ سلوک کی کوئی منزل طے نہیں کرسکیں گے۔

آداب مرشد

جب تک مرید کے دل میں اپنے شیخ کے لیے مناسب ادب کے جذبات موجود نہ ہوں اس وقت تک عبادات اور مجاہدات اپنا پورا اثر نہیں دکھاتے۔ اولیائے کرام کا متفقہ فیصلہ ہے تصوف سارے کا سارا ادب ہی ہے۔ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بادشاہ کی محفل میں بے ادب بیٹھے گا تو اس کی جہالت اسے قتل کروادے گی اور زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلے میں تھوڑا ادب حاصل کرنا زیادہ ضروری ہے۔ مرید کی اپنی کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ (المرید لا یرید) صوفیائے کرام کا قول ہے کہ طریقت میں جو گستاخی کرے وہ ہمیشہ کے لیے راندۂ طریقت اور نامراد رہتا ہے۔ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ حصول فیض کے لیے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ہر روز نمازِ عشاء کے بعد اسی طرح حاضری دیتے کہ نماز عشاء خرقان میں ادا کر کے بسطام آتے اور نماز فجر اسی وضو سے واپس خرقان میں جا کر ادا کرتے اور یہ سلسلہ عرصہ بیس سال تک چلتا رہا ایک دن بھی ناغہ نہیں ہوا۔ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ مزارِ بایزید پر بڑے ادب سے کھڑے رہتے اور واپسی پر تمام راستہ مزار مبارک کی طرف پیٹھ نہ کرتے۔ وصال کے وقت آپ نے وصیت فرمائی کہ میری قبر تیس گز گہری کھودنا کیونکہ خرقان کی زمین بسطام کی زمین سے تیس گز اونچی ہے اور یہ بے ادبی ہوگی کہ میری قبر حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی قبر سے اونچی ہو۔

انوار الاصفیاء میں ہے کہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سے نہ صرف عقیدت ومحبت تھی بلکہ کمال درجے کا عشق تھا۔ ایک مرتبہ ایک ضرورت

مند نے خواجہ صاحب کی خدمت میں سوال کیا۔ اتفاق سے اس وقت آپ کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ آپ نے اپنے پاؤں سے جوتیاں اتار کر اسے دے دیں۔ وہ جوتیاں لے کر چل دیا۔ اتفاقاً جنگل میں اس کی ملاقات حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ سے ہوگئی۔ جو اس وقت لاکھوں روپے کا مال تجارت اور نقدی لے کر واپس دہلی آرہے تھے۔ حضرت امیر خسرو نے اس شخص کو دیکھا تو فرمایا۔ اجنبی! تیرے پاس سے مجھے اپنے شیخ کی خوشبو آرہی ہے۔ اس شخص نے تمام واقعہ بیان کر دیا اور کہا کہ خواجہ صاحب نے یہ جوتیاں عنایت فرمائی ہیں۔

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کی جوتیاں دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور اس سے چاندی کے پانچ لاکھ سکوں کے بدلے خرید لیں اور نہایت ادب و احترام سے وہ جوتیاں سر پر رکھے جھومتے ہوئے (خوشی سے) شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا حضور! اس سائل نے آپ کی یہ نعلین پاک بڑے سستے داموں میرے ہاتھ بیچ دی۔ اگر وہ ان کے بدلے جان بھی مانگتا تو میں دریغ نہ کرتا۔

''ذکر حبیب'' میں ہے کہ ایک دن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت علیل تھی۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو حکیم سے دوا لینے بھیجا۔ جب آپ حکیم صاحب کی دکان پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک بزرگ پالکی میں سوار ہیں اور ایک شخص ندا کر رہا ہے کہ جو شخص ان کی زیارت کرے گا جنتی ہوگا۔ لوگ جوق در جوق زیارت کر رہے ہیں مگر حضرت بابا جی رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی توجہ نہ دی بلکہ منہ چھپا کر دکان کے اندر چلے گئے۔ پالکی گزر گئی تو آپ دوا لیکر واپس آئے۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیر سے آنے کی وجہ دریافت فرمائی تو سارا واقعہ بیان کر دیا۔ فرمایا ''فرید! کیا تجھے جنت کی ضرورت نہ تھی؟ عرض کیا حضور! میری جنت تو آپ کے قدموں میں ہے۔ جہاں آپ کا دیدار میسر نہیں مجھے ایسی جنت کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''ذکر خیر'' میں ہے کہ ایک دن ایک بدکردار اور فاسق و فاجر شخص دریائے دجلہ پر ہاتھ پاؤں دھونے لگا اچانک اس نے دیکھا کہ جدھر پانی جا رہا ہے اس طرف حضرت سیدنا امام احمد بن حنبل

رحمۃ اللہ علیہ وضو فرما رہے ہیں۔ اس آدمی کے دل میں خیال آیا کہ یہ تو بڑی بے ادبی کی بات ہے۔ نیچے اللہ تعالیٰ کا مقبول اور وقت کا امام وضو کر رہا ہے اور میرے جیسا نالائق انسان ان سے اوپر بیٹھ کر ہاتھ پاؤں دھو رہا ہے۔ یہ خیال آتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور امام صاحب سے نیچے پانی کے بہاؤ کی طرف آبیٹھا اور ہاتھ پاؤں دھو کر چلا گیا۔ جب وہ شخص مر گیا تو ایک صاحب کشف بزرگ کو خیال آیا کہ دیکھیں تو سہی اس فاسق و فاجر شخص کے ساتھ قبر میں کیا معاملہ پیش آیا۔ انہوں نے قبر پر مراقبہ کر کے جب اس شخص سے پوچھا تو اس نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری بخشش صرف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ادب کرنے کی وجہ سے ہوئی اور سارا واقعہ سنایا۔

''ذکر خیر'' میں ہے کہ ایک ہندوستانی شخص جس کی مادری زبان اُردو تھی، حضرت خواجہ محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا۔ دورانِ گفتگو اس نے کہا کہ پنجاب کی زبان بڑی خراب ہے۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ جلال سے سرخ ہو گیا اور اس کی سخت سرزش کی اور فرمایا تو نہیں جانتا کہ ہمارے شیخ سائیں توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ پنجابی تھے اور ان کی زبان پنجابی تھی، تُو ہمارے شیخ کی زبان کی توہین کرتا ہے؟ چنانچہ وہ بہت نادم ہوا اور معافی مانگی۔

حضرت شیخ احد سعید رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ سے اس قدر والہانہ عقیدت تھی کہ ان کی جوتیاں اٹھا کر سر پر رکھتے، آنکھوں سے لگاتے اور فرط عقیدت سے روتے رہتے، پیر خانے پر خاکروبوں کی کمی نہ تھی لیکن اس کے باوجود وہاں قیام کے دوران شیخ کے ذاتی بیت الخلاء (لٹرین) کی صفائی خود اپنے ہاتھ سے کیا کرتے اور اسے اپنے لیے باعث صد افتخار سمجھتے تھے۔

''فتاویٰ افریقہ'' میں امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فرمان ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''جو مرید اپنے شیخ کی بات پر ''کیوں'' کہے گا وہ کبھی فلاح نہ پائے گا۔''

عوارف المعارف میں ہے کہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''میں ایک رات اوراد پڑھ رہا تھا اور اپنے پاؤں محراب کی طرف دراز کئے ہوئے تھا، اس وقت میں نے غیب سے آواز

سنی ''اے سری! کیا اس طرح تم بادشاہوں کے سامنے بیٹھتے ہو''؟ یہ سن کر میں نے اپنے پاؤں کھینچ لیے اور کہا ''اے اللہ مجھے تیری ذات کی قسم! میں اب کبھی بھی پاؤں دراز نہیں کروں گا۔''

آپ کے مرید حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اس کے بعد ان کی ساٹھ سال تک یہ حالت رہی کہ انہوں نے روز و شب کبھی پاؤں دراز نہیں کیئے۔''

شیخ عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ''ہمیں بہت زیادہ علم کی بجائے تھوڑے ادب کی زیادہ ضرورت ہے''۔ شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جس نے اپنا وقت ادب میں نہیں گزارا، اس کا وقت اس کے لیے قابل نفرت ہے۔''

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ خاندان قادریہ فاضلیہ کے مورث اعلیٰ الشیخ محمد فضل الدین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ گیارہ سال تک متواتر اپنے شیخ کا کھانا لے کر جاتے رہے، ایک رات شدید آندھی اور بارش عین اسی وقت آ گئی جس وقت وہ گھر سے نکلا کرتے تھے۔ موسم کی خرابی پر تردد ہونے لگا تو والدہ نے کہا۔ ''بیٹا! آج ناغہ نہ کرنا آج جاؤ گے تو گیارہ سال کی محنت کا پھل مل جائے گا۔'' اس روز گھر میں گجریلا پکا تھا۔ والدہ نے ٹوکرے میں ڈال دیا اسی کیفیت کے ساتھ چلتے رہے۔ پانی کے قطروں سے دیگچے کے نچلے حصے کی سیاہی ڈھل کر سر اور چہرے پر پڑتی رہی۔ اسی حالت کے ساتھ پیرومرشد کے دروازے پر جا پہنچے۔ انہوں نے دیکھا تو فرمایا ''محمد فضل! دیگچہ یہاں رکھو اور تمہارے لیے وہاں طاق میں ایک چیز رکھی ہے، اٹھا لاؤ'' دیکھا تو گنا تھا، فرمایا ''اسے چوس لو ،جتنی گرہیں گنے کی ہیں اتنی پشت تک تمہاری اولاد میں کاملین ہوں گے۔''

اقتباسات از مکتوباتِ امام ربانی، مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ :

''پیر ایسا (ہونا) چاہیے جو جذبہ اور سلوک کی دولت سے مشرف ہوا ہو اور فنا و بقا کی سعادت سے بہرہ ور ہو اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ اور سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیاء باللہ کو انجام تک پہنچایا ہو اور اس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہے اور مرادوں کی تربیت سے تربیت یافتہ ہے ،تو اس کا وجود سرخ گندھک (کیمیا) کی طرف ہے۔ اس کی کلام دوا اور اس کی نظر شفا ہے۔ مردہ

دل اس کی توجہ شریف سے زندہ ہوتے ہیں اور مرجھائی ہوئی جانیں اس کے لطیف التفات سے تازہ ہوتی ہیں اور اگر اس قسم کا صاحبِ دولت نہ ملے تو سالک مجذوب بھی غنیمت ہے، وہ بھی ناقصوں کی تربیت کرسکتا ہے اور فنا و بقا کی دولت تک پہنچا سکتا ہے اور اگر خدا جل شانہ کی عنایت سے کسی طالب کو اس طرح کا پیر کامل مل جائے تو چاہیے کہ اس کے وجود شریف کو غنیمت سمجھے اور اپنے آپ کو ہمہ تن اُس کے حوالہ کر دے اور اپنی سعادت کو اُس کی رضا مندی میں جانے اور اپنی بدبختی کو اُس کی ناراضگی میں سمجھے۔ حاصل کلام یہ کہ اپنی نفسانی خواہشات کو اُس کی رضا کے تابع کر دے۔ حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات میں ہے کہ ''تم میں سے کوئی اُس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی خواہش اُس امر کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لایا ہوں'' اور جان لے کہ آداب صحبت کی رعایت اور شرائط کو مدنظر رکھنا اس راہ کی ضروریات میں سے ہے تاکہ فائدہ اٹھانے اور فائدہ پہنچانے کا راستہ کھل جائے ورنہ صحبت سے کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوگا اور مجلس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا، بعض ضروری آداب و شرائط بیان کیے جاتے ہیں۔ گوش و ہوش سے سننے چاہیے۔

طالب کو چاہیے کہ اپنے دل کی توجہ تمام اطراف سے پھیر کر اپنے پیر کی طرف کر لے اور پیر کی خدمت میں، اُس کی اجازت کے بغیر نوافل و اذکار میں مشغول نہ ہو اور اُس کے حضور میں اُس کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے اور بالکل اُسی کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا رہے۔ حتیٰ کہ جب تک وہ امر نہ کرے، ذکر میں بھی مشغول نہ ہو اور اُس کے حضور میں نماز فرض و سنت کے سوا کچھ ادا نہ کرے۔ کسی بادشاہ کی نسبت نقل کرتے ہیں کہ اُس کا وزیر اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ اتفاقاً وزیر کی نظر اپنے کپڑوں پر پڑی اور وہ اپنے ہاتھ سے درست کرنے لگا۔ اسی حال میں بادشاہ کی نظر اُس وزیر پر پڑی اور دیکھا کہ غیر کی طرف متوجہ ہے۔ لہذا جھڑک کر فرمایا کہ میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ تو میرا وزیر ہو اور میرے سامنے جامہ کے بند کی طرف توجہ کرے۔ تو سوچنا چاہیے کہ جب حقیر دنیا کے وسائل کے لیے اتنے چھوٹے آداب ضروری ہیں تو وصول الیٰ اللہ کے وسائل کے لیے ان

آداب کی رعایت نہایت ہی کامل طور پر ضروری ہوگی اور جہاں تک ہو سکے مرید ایسی جگہ کھڑا نہ ہو کہ اُس کا سایہ پیر کے کپڑے یا پیر کے سایہ پر پڑے اور پیر کے مصلے پر پاؤں نہ رکھے اور اُس کے وضو کی جگہ میں وضو نہ کرے اور اُس کے برتنوں کو استعمال نہ کرے اور اُس کے سامنے پانی نہ پئے اور کھانا نہ کھائے اور کسی کے ساتھ بات نہ کرے بلکہ کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے اور پیر کی غیر حاضری میں جس طرف کہ وہ ہو اُس طرف پاؤں دراز نہ کرے اور تھوک بھی اُس طرف نہ پھینکے اور جو کچھ پیر سے صادر ہو اُسے درست سمجھے خواہ ظاہر میں درست معلوم نہ ہو۔ پیر جو کچھ کرتا ہے، الہام سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کرتا ہے۔ اس صورت میں اعتراض کی گنجائش نہیں، اگر بعض صورتوں میں اُس کے الہام میں خطا واقع ہو جائے تو یہ الہامی خطا مثل خطائے اجتہادی ہے۔ اس پر ملامت و اعتراض کرنا جائز نہیں اور نیز چونکہ مرید کو پیر سے محبت پیدا ہو جاتی ہے، محبّ کی نظر میں محبوب سے جو کچھ صادر ہوتا ہے، محبوب ہی معلوم ہوتا ہے۔ پس اعتراض کی گنجائش نہیں اور چھوٹے بڑے ہر طرح کے اُمور کھانے، پینے، سونے اور طاعت کرنے میں پیر کی پیروی کرے۔ پیر کی طرز پر ہی نماز کو ادا کرنا چاہیے اور فقہ کو اُس کے عمل سے سیکھنا چاہیے اور پیر کی حرکات و سکنات میں کسی اعتراض کو دخل نہ دے۔ خواہ وہ اعتراض رائی کے دانے کی مقدار ہو۔ کیونکہ اعتراض کا نتیجہ سوائے محرومی کے کچھ نہیں ہے اور تمام مخلوقات میں سب سے بدبخت وہ شخص ہے جو اُس بزرگ کے عیب تلاش کرنے والا ہے، حق تعالیٰ ہم کو اس بڑی بلا سے نجات دے اور اپنے پیر سے خوارق و کرامات طلب نہ کرے۔ اگرچہ وہ طلب، خطرات اور وسواس کے طریق پر ہو۔ کیا تو نے کبھی سنا ہے کہ کسی مومن نے کسی پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہو۔ کفار و منکر ہی معجزے کے طالب ہوا کرتے ہیں۔ اگر دل میں شبہ پیدا ہو تو بغیر توقف کے عرض کرے۔ اگر حل نہ ہو تو اپنا قصور سمجھے اور کوئی عیب پیر کی طرف عائد نہ کرے اور جو واقعہ پیش آئے، پیر سے پوشیدہ رکھے اور واقعات کی تعبیر اُسی سے دریافت کرے اور اپنے کشف پر ہرگز اعتماد نہ کرے۔ کیونکہ اس دنیا میں حق و باطل اور صواب و خطا ملے جلے ہیں اور بغیر ضرورت و بغیر اجازت پیر سے جدا نہ ہو۔ کیونکہ

غیر کو اس پر اختیار کرنا ارادت کے خلاف ہے اور اپنی آواز کو اُس کی آواز پر بلند نہ کرے اور بلند آواز سے اُس سے بات نہ کرے، کیونکہ یہ بے ادبی ہے اور جو فیوض وفتوحات حاصل ہوں، اُن کو پیر ہی سے تصور کرے۔ غرض الطریق کلہ ادب‘‘ مثل مشہور ہے، کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچا اور اگر مرید آداب میں سے بعض کی رعایت میں اپنے آپ کو قصوروار جانے اور اُسے کما حقہ ادا نہ کرسکے اور کوشش سے بھی اُسے پورا نہ کرسکے تو معاف ہے لیکن کوتاہی کا اقرار ضروری ہے۔ اگر نعوذ باللہ آداب کی رعایت نہ کرے اور اپنے آپ کو قصوروار بھی نہ جانے تو ان بزرگوں کی برکتوں سے محروم ہے۔

(پیر کی) خوارق وکرامات مریدوں کو جذب کرنے کے لیے نہیں ہیں، (بلکہ) مرید روحانی اور باطنی مناسبت سے کھنچے چلے آتے ہیں اور جو شخص ان بزرگواروں سے نسبت نہیں رکھتا، وہ ان کے کمالات کی دولت سے محروم رہتا ہے، اگرچہ ہزارہا معجزے اور خوارق وکرامات دیکھے، ابوجہل اور ابولہب کا حال اس بات کا شاہد ہے۔ حق تعالیٰ کفار کے متعلق فرماتا ہے: ’’خواہ یہ لوگ کتنے ہی آیات ومعجزات دیکھیں، ان پر ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ وہ تیرے پاس آتے ہیں تو جھگڑتے ہیں اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔‘‘

﴿بحوالہ مکتوبات شریف، جلد اول، مکتوب شریف نمبر 292﴾

درج بالا اقوال، ملفوظات اور واقعات سے اخذ کرکے چند آداب شیخ لکھے جاتے ہیں تا کہ انہیں پڑھ کر اپنے پیر کے ادب احترام کا سلیقہ آجائے۔

☆ شیخ کامل رسول اللہ ﷺ کا نائب ہے اس لیے اس کے حضور ویسے ہی آداب ملحوظ رہیں جیسا کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کا ادب کیا کرتے تھے۔ نیز شیخ کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے محبوب ﷺ کی محبت کی طرح فرض ہے۔

☆ اگر سہواً کوئی بات خلاف ادب ہو جائے تو فوراً شیخ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی کوتاہی کا اقرار کرکے خلوص دل سے توبہ کرے ورنہ فیضان کا دروازہ بند ہو جائے گا اور ذکر وفکر کی

لذت ختم ہو جائے گی۔

☆مرید اپنی تمام توجہات کا مرکز شیخ کو بنائے اور یہ اعتقاد رکھے کہ میرا شیخ ہمہ صفت موصوف ہے اور کوئی دوسرا ایسا کامل نہیں اور یقین کرے کہ ایک خدا، ایک رسول، ایک قرآن، ایک قبلہ اور ایک شیخ ہے۔

جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہو تو سلام کہے، با ادب مصافحہ کرے۔ اپنی جوتیاں سامنے نہ اتارے اور نہ رکھے۔ جہاں خالی جگہ دیکھے بیٹھ جائے۔

☆اٹھتے بیٹھتے شیخ کی طرف پیٹھ نہ کرے۔ شیخ سے بے تکلف نہ ہو۔ بار بار اس کے چہرے پر نظر نہ ڈالے اپنی آواز شیخ کی آواز سے بلند نہ کرے۔ اس وقت تک بات نہ کرے جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ شیخ اس کی بات سننے کے لیے تیار ہیں اور بات مختصر کرے۔ آنکھیں ملا کر بات نہ کرے۔

☆اتنی دیر جم کر نہ بیٹھے کہ شیخ پر گراں گزرے، شیخ کی مجلس میں بلا اجازت نہ کچھ کھائے نہ کچھ پیئے۔ بلا اجازت شیخ کی اشیاء کو استعمال نہ کرے۔ اگر کوئی چیز لینی ہو تو اٹھ کر لے اور اگر کچھ پیش کرنا ہو تو ادب سے پیش کرے۔ شیخ کے اٹھنے سے پہلے اٹھے اور جب وہ بیٹھیں تو بعد میں بیٹھے۔ ساتھ چلتے وقت پیچھے پیچھے چلے۔ شیخ کے آگے نہ بڑھے نہ ہی اس کی محفل میں دوسروں سے گفتگو میں مشغول ہو۔

☆ شیخ جب کھا پی رہے ہوں تو ان کی طرف نظر نہ کرے نہ ان کے ساتھ کھائے۔ ہاں ان کا بچا ہوا کھانا (تبرک) یا پانی کھا پی لے تو موجب صد برکات ہوتا ہے۔

☆ شیخ کی خدمت میں اگر کچھ پیش کرنا ہو تو جو میسر آئے بے تکلف پیش کرے نہ احسان جتائے اور نہ کسی سے اس کا ذکر کرے اور نہ ہی اس خدمت کے عوض کوئی دینوی امید رکھے کیونکہ شیخ خدا فروش نہیں ہوتا کہ مال و متاع سے کچھ دے۔ بلکہ یہ شیخ کا عظیم احسان جانے کہ اس نے اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرما لیا اور رَدّ نہیں کیا۔

☆ اپنے شیخ کی ہیبت دل میں پختہ طور پر جمالے اور شیخ کی شفقت و مہربانی پر مغرور نہ ہو ورنہ بامراد نہ ہوگا۔ غیر حاضری کے وقت جدھر شیخ کو سمجھے ادھر پاؤں نہ پھیلائے اور نہ تھوکے۔ اپنے شیخ کا نام عمدہ اور اچھے القاب سے لے۔ کبھی ایسی بات منہ سے نہ نکالے جس میں بے ادبی کا شائبہ بھی ہو۔ شیخ کی نسبت والی چیزوں بلکہ جگہ و مقام اور مسکن کا نام بھی عزت واحترام سے لے۔

☆ شیخ کے مقابلہ میں اپنے حسب ونسب پر فخر نہ کرے شیخ کے حضور اس طرح خالی الذہن ہو کر بیٹھے کہ اپنی خوبیوں کا خیال تک دل میں نہ لائے۔ اگر شیخ کے روبرو کوئی مسئلہ زیر بحث ہو اور مرید اس کا جواب دینے کا ملکہ رکھتا ہو۔ تب بھی خاموش رہے اور شیخ کے کلام کو دل سے لگا کر سنے۔ شیخ کی کسی بات کو حاضری یا غیر حاضری میں دلیل سے بھی رَدّ نہ کرے بلکہ خاموش رہے اور اگر کوئی بات کر بیٹھے تو فوراً توبہ کرلے۔

☆ شیخ کے دوستوں کو دوست اور دشمنوں کو دشمن سمجھے اور اپنے متعلقین کو بھی شیخ کا مؤدب بنائے اور خود شیخ کے رشتہ داروں کا ادب کرے۔ اگر کسی مرید کو شیخ زیادہ چاہتے ہوں تو حسد کرنے کی بجائے اس کا احترام کرے۔

☆ شیخ کے ہر حکم کو بلا چون و چرا بجالائے اگر شیخ کا کوئی قول و عمل مرید کو اپنی کم فہمی کی وجہ سے خلاف شرع نظر آئے تو اعتراض نہ کرے بلکہ حکمت کے ظہور کا انتظار کرے ورنہ مرید نفاق میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو جائیگا۔

☆ شیخ کی موجودگی میں کسی کام پر دلیری نہ کرے۔ اگر کوئی ضرورت مند (سائل) آجائے تو شیخ کی مہربانی کا انتظار کرے ورنہ اجازت لے کر خود اس کی حاجت پوری کردے۔

☆ شیخ کی اجازت کے بغیر سفر نہ کرے اور نہ کسی دوسرے کی طرف رجوع کرے۔ خواہ وہ غوث، قطب، ابدال ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں اگر شیخ کی اجازت سے کسی اور کی طرف رجوع کیا اور فیض حاصل ہوا تو اس فیض کو اپنے شیخ کا فیض جانے اور اگر ویسے ہی کسی دوسرے شخص کی طرف سے فیض نظر آنے لگے تو شیخ کا اس سے ذکر کرے اور ہوشیار رہے کہ کہیں ابلیسی دھوکا نہ ہو کیونکہ

اتباعِ شیخ، طریقت کا جزو اعظم ہے۔

☆کسی صورت میں بھی شیخ سے کشف وکرامات کا خواہاں نہ ہو کیونکہ کسی مومن نے کبھی کسی پیغمبر سے معجزہ طلب نہیں کیا۔ ہمیشہ کفار اور منکر ہی معجزہ طلب کرتے تھے۔ ہاں اگر کوئی شبہ پیدا ہو تو شیخ کی خدمت میں مؤدب ہو کر عرض کرے۔

☆اگر شیخ کا سلسلہ جاری ہے دوسروں کو فیض مل رہا ہے تو ہرگز دوسرے شیخ کی طرف رجوع نہ کرے۔ بلکہ اسے اپنی کم ہمتی اور کم استعدادی خیال کرے۔

☆اگر شیخ غصہ یا رنج کے آثار ظاہر کریں یا چشم پوشی کریں تو الگ نہ ہو جائے بلکہ ناراضگی کی وجہ معلوم کرے اور شیخ کی خدمت میں اپنی تقصیر کے عذر کے ساتھ معافی کا خواہاں ہو۔

☆اگر محفل میں کسی نعت خواں یا مقرر کے کلام سے شوق کا غلبہ ہو جائے تو اس کو چھپائے اور کلام کو دہرانے کی خواہش نہ کرے اور نہ فرمائشی کلام سننے کے لیے کہے بلکہ یہ تمام باتیں شیخ کے حوالے کر دے۔

☆مرید کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے شیخ کا احترام ماں باپ سے بھی زیادہ کرے۔ جب شیخ کی بارگاہ میں حاضری دے کر واپس آئے تو الٹے پاؤں لوٹے شیخ کے آتے جاتے وقت ایسے کھڑا ہو کہ تعظیم سے بڑھ کر عاجزی کا اظہار ہو۔ شیخ کی خدمت میں آتے جاتے وقت تعظیم کو ملحوظ خاطر رکھے اور یہ یقین جانے کہ مجھے جو کچھ حاصل ہو رہا ہے وہ میرے شیخ کے طفیل مل رہا ہے۔

☆اگر شیخ وصال فرما گئے ہوں تو فاتحہ، صدقہ، تلاوت قرآن مجید کی ایصال ثواب کے ذریعے بدستور روحانی تعلق قائم رکھے۔ شیخ کی موجودگی اور بظاہر عدم موجودگی میں یکساں ادب ملحوظ رکھے۔ حصول فیض کے لیے اس کی قبر پر جا کر باقاعدہ فیض حاصل کرتا رہے۔

☆مزارِ شیخ پر حاضر ہو کر اپنے بدن میں روح کی طرح تصور کرے اور ایسے رہے جیسے نو آموز طالب ہے اور کچھ نہیں جانتا۔ جب شیخ کے مزار پر حاضری کو جائے تو نزدیک پہنچ کر نہ زیادہ

تیز چلے اور نہ آہستہ بلکہ درمیانی رفتار سے چلے۔ فاتحہ پڑھتے وقت منہ شیخ کی طرف ہو اور وہی آداب ملحوظ رکھے جن کا شیخ کی ظاہری زندگی میں رکھتا تھا کیونکہ شیخ سامنے جلوہ فرما ہیں اور اس کی ہر بات یہاں تک کہ قلبی واردات کو بھی ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ اگر کوئی حرج نہ ہو تو مزار کو بوسہ دے اور رخسار کو ملے اور واپس جاتے وقت کم از کم تین قدم الٹے پاؤں چلے۔

☆مزار شریف پر حاضری کے بعد یہ آستانہ ہی عقیدت ومحبت کا مرکز ومحور ہونا چاہیے۔ وگرنہ گستاخی اور بے ادبی پر محمول ہوسکتا ہے۔ اس لیے سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

☆ہر مرید کو اپنے شیخ کے سالانہ عرس پاک کی تقریب میں شرکت کرنا لازمی ہے۔ چاہے اسے دشوار گزار راستوں پر چل کر ہی کیوں نہ آنا پڑے۔ علاوہ ازیں سال کے دوسرے ایام میں بھی جہاں تک ممکن ہو شیخ کی یاد میں محافل کا انعقاد کرتا اور کرواتا رہے۔

☆ شیخ کے ارشادات کے مطابق کام کرے۔ جب وہ کام کرے گا تو پیر کے دل سے خود بخود اس کی کامیابی کے لیے دعا نکلے گی۔ مرید اپنے شیخ کے علاوہ کسی دوسرے سے اصلاح کی توقع نہ رکھے۔ کسی دوسرے بزرگ کو اپنے شیخ سے برتر نہ سمجھے۔

☆جس قدر شیخ سے محبت ہوگی اس قدر روحانی درجات بلند ہونگے اور دنیا کی نعمتوں میں اضافہ ہوگا۔

☆جو درود اور وظیفہ مرشد تعلیم کرے اس کو پڑھے اور تمام وظیفے چھوڑ دے خواہ اس نے اپنی طرف سے پڑھنا شروع کیا ہو یا کسی دوسرے نے بتایا ہو۔

☆مرشد کی موجودگی میں سوائے فرض وسنت کے نماز نفل اور کوئی وظیفہ بغیر اس کی اجازت کے نہ پڑھے۔

☆مرید ایسی جگہ نہ کھڑا ہو جہاں اس کا پیر کے کپڑے یا سائے پر سایہ پڑے۔ پیر کے کپڑے پر پاؤں نہ رکھے۔

☆اس کی طہارت یا وضو کی جگہ طہارت یا وضو نہ کرے، مرشد کے برتنوں کو استعمال نہ

کرے، اس کے سامنے کھانا پینا اور سونا خلاف ادب ہے۔

☆ جو کچھ مرشد کہے یا کرے اس پر اعتراض نہ کرے۔ اپنے مرشد سے کرامت کی خواہش نہ کرے۔

☆ بلا ضرورت اور بلا اجازت مرشد سے علیحدہ نہ ہو۔

☆ اگر کوئی شبہ دل میں ہو تو فوراً عرض کرے اور اگر کوئی شبہ حل نہ ہو تو اپنے فہم کا نقص سمجھے۔ اگر مرشد کوئی جواب نہ دے تو سمجھے میں اس جواب کے لائق نہ تھا۔

☆ خواب میں جو کچھ دیکھے وہ مرشد سے عرض کرے۔

☆ پیر کی مجلس میں بیٹھ کر اس کے چہرے کی طرف محبت سے دیکھنا ہی سب سے بڑی نفلی عبادت ہے۔

☆ پیر کی طرف اپنی پشت نہ کرے۔ اس کی قیام گاہ کی طرف پاؤں نہ کرے۔ اس کے سامنے دیوار وغیرہ کے ساتھ ٹیک لگا کر نہ بیٹھے۔

☆ مرید خود کو پیر سے افضل تصور نہ کرے۔

☆ پیر کے حکم کو دل و جاں سے تسلیم کرے۔ شکوک اور بحث و مباحثہ میں نہ اُلجھے۔

☆ طریقت کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ اگر مرید اپنے شیخ سے دور کسی مقام پر رہتا ہے تو بھی سال میں کم از کم چار بار ضرور حاضری دینی چاہیے۔

عمل و کردار

خانقاہی نظام کے پانچ ستونوں میں ''عمل و کردار'' دوسرا اور انتہائی اہم ستون ہے۔ایمان لانے کے بعد اعمال کی بجا آوری بے حد ضروری ہے۔ ہمارا دین ۲ چیزوں کا مجموعہ ہے۔ پہلا عقیدہ یا ایمان ہے اور دوسرا عمل ہے۔

عمل و کردار

''عمل و کردار کو ایک جگہ پر اکٹھا نہیں کریں گے تو ہم لوگ قابل اعتماد نہیں ہو سکتے۔ مثال کے طور پر ایک حکیم صاحب بہت صاحبِ کردار ہیں، بہت نیک ہیں اور اُن کے پاس بڑا اخلاص ہے۔ لیکن وہ جدید نہیں ہیں، پرانے خیالات والے ہیں، اُن کے پاس موجودہ دور کے نئے علوم نہیں ہیں، وہ سائنس اور ٹیکنالوجی سے بالکل ہی کوئی واقفیت نہیں رکھتے اور وہ نہ تو کسی کا آپریشن کر سکتے ہیں اور نہ کوئی بہتر دوا دے سکتے ہیں۔ کیا ایسے معالج کے پاس علاج کے لیے اپنے بچے کو لے کر جائیں گے؟ یقیناً نہیں لے کر جائیں گے! دوسری طرف ایک ڈاکٹر صاحب جو بڑے قابل اور جدید تعلیم یافتہ ہیں، جو پرانے خیالات کے مالک نہیں ہیں، بڑے ماہر ہیں لیکن بے کردار یا بدکردار ہیں تو کیا ایسے شخص کے پاس آپ اپنے مریض یا اپنے بچے کو لے جائیں گے؟ یقیناً نہیں۔ لہذا ہمیں عمل کے ساتھ ساتھ کردار اور کردار کے ساتھ ساتھ عمل کی بھی ضرورت ہے۔''

شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری

سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف اوکاڑا

اسلام عقائد اور اعمال کا مجموعہ ہے۔ دونوں لازمی ہیں مگر ترتیب کے اعتبار سے عقائد پہلے نمبر پر ہیں جبکہ اعمال کا درجہ دوسرا ہے۔ اعمال کے سلسلہ میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ساتھ ساتھ ذاتی سطح پر درست کردار اور تقویٰ بھی ضروری ہے۔ جس طرح ایک باعمل شخص کا باکردار ہونا نہایت ضروری ہے اِسی طرح ایک باکردار شخص کا باعمل ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ عمل و کردار کو یکجا کرنا از حد لازمی ہے۔

جانشینِ گنجِ کرم، شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف نے ایک تربیتی نشست میں ارشاد فرمایا:

''یہ دونوں چیزیں ایک جگہ پر اکٹھی نہیں ہوں گی تو ہم لوگ قابل اعتماد نہیں ہو سکتے۔ مثال کے طور پر ایک حکیم صاحب بہت صاحبِ کردار ہیں، بہت نیک ہیں اور اُن کے پاس بڑا اخلاص ہے۔ لیکن وہ جدید نہیں ہیں، پرانے خیالات والے ہیں، اُن کے پاس موجودہ دور کے نئے علوم نہیں ہیں، وہ سائنس اور ٹیکنالوجی سے بالکل ہی کوئی واقفیت نہیں رکھتے اور وہ نہ تو کسی کا آپریشن کر سکتے ہیں اور نہ کوئی بہتر دوا دے سکتے ہیں۔ کیا ایسے معالج کے پاس علاج کے لیے اپنے بچے کو لے کر جائیں گے؟ یقیناً نہیں لے کر جائیں گے! دوسری طرف ایک ڈاکٹر صاحب جو بڑے قابل اور جدید تعلیم یافتہ ہیں، جو پرانے

خیالات کے مالک نہیں ہیں، بڑے ماہر ہیں لیکن بے کردار یا بدکردار ہیں تو کیا ایسے شخص کے پاس آپ اپنے مریض یا اپنے بچے کو لے جائیں گے؟ یقیناً نہیں۔ لہذا ہمیں عمل کے ساتھ ساتھ کردار اور کردار کے ساتھ ساتھ عمل کی بھی ضرورت ہے۔''

عمل و کردار میں بہتری پیدا کرنے کے لیے خانقاہ و درگاہ کا کردار بہت اہم ہے کیونکہ دیگر مراکزِ تعلیم میں صرف تعلیم دی جاتی ہے لیکن خانقاہوں اور درگاہوں میں تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی طور پر تربیت کے مواقع میسر آتے ہیں۔ معروف صوفی بزرگ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی خانقاہ میں تہجد کے وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کا بیٹا بھی آپ کے ساتھ نماز میں مشغول تھا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ کا بیٹا قریب سوئے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے تاسف کے ساتھ اپنے والد سے کہنے لگا، ابا جان! ہم نماز پڑھ رہے ہیں مگر افسوس کہ یہ لوگ نہیں اُٹھتے اور سو رہے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کی یہ بات سن کر جواباً ارشاد فرمایا: ''بیٹا! دوسروں کے عیبوں پر نظر رکھنے سے بہتر تھا کہ تم بھی سوئے رہتے''۔

☆

تمام مشائخِ طریقت اِس بات پر متفق ہیں کہ مقامات و درجات کا حصول شریعت کی پابندی اور اعمال کی بجا آوری کے ساتھ ممکن ہے۔ اگر کوئی شریعت کی پابندی کے بغیر فلاح و کامیابی کا خواہش مند ہو تو اُسے صرف شیطان کی موافقت اور ہمراہی ملتی ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید اِس زعم میں مبتلا ہو گیا کہ اُسے مقامات و درجات حاصل ہو گئے ہیں اور ہر روز جنت کی سیر کرتا ہے چنانچہ وہ اعمال کی بجا آوری سے بھی دور ہونے لگا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس سے جب استفسار کیا تو اُس نے بتایا کہ مجھے تمام اعلیٰ مقامات حاصل ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اچھا اب دوبارہ جب تم اعلیٰ مقامات کی سیر کرو تو ایک مرتبہ لاحول ولاقوۃ الاباللہ پڑھنا۔ جب اُس نے ایسا ہی کیا تو اچانک منظر بدل گیا۔ اچھے خوان گندگی میں بدل گئے،

فرشتے بوسیدہ ہڈیاں بن گئے، جنہیں حوریں سمجھتا تھا وہ چڑیلوں کی شکل میں ڈھل گئیں، غلامان شیطان کے چیلے دکھائی دیئے۔ تب مرید کو ہوش آئی کہ جسے وہ مقامات و درجات سمجھ رہا تھا وہ شیطان کا دھوکہ تھا۔

☆

اِسی طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی محبوبِ سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کو ندائے غیبی سنائی دی کہ اے میرے بندے عبدالقادر! تم نے بڑی عبادت و ریاضت کر لی ہے۔ جاؤ آج سے تمہیں عبادت و نماز وغیرہ معاف کی جاتی ہے۔ آپ نے فی الفور سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز و عبادت کو ترک نہیں کیا تو مجھے کیسے معاف ہو رہی ہے۔ آپ نے فوراً لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا تو اُسی وقت شیطان کی چیخ سنائی دی اور کہنے لگا، اے عبدالقادر! تم اپنے علم کی وجہ سے ہلاکت میں پڑنے سے بچ گئے۔ آپ نے فوراً جواب دیا، اے لعین! تم نے پھر وار کر دیا۔ مجھے میرے علم نے نہیں بلکہ میرے پروردگار کے فضل نے بچالیا ہے۔

☆

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ نے پوشاک زیبِ تن فرما رکھی تھی۔ اچانک کسی نے پیچھے سے آپ کی پوشاک کو زوردار جھٹکا دیا۔ آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک عقیدت مند موجود تھا۔ وہ کہنے لگا کہ میں آپ کے دامن کا ٹکڑا لینا چاہتا ہوں تو آپ نے پوچھا، کیوں لینا چاہتے ہو؟ اُس نے عرض کیا کہ مجھے آپ سے محبت و عقیدت ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، میرے دامن کا ٹکڑا چھوڑ کر تم اگر میری کھال بھی لے جاؤ مگر میرے طریقے پر عمل پیرا نہ ہو تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ (نوٹ: اِسی نفسِ مضمون کا واقعہ بعض کتابوں میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منسوب ہے)

☆

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ جب کسی بزرگ یا ولی اللہ کے مزارِ

اقدس پر حاضری کی سعادت حاصل ہو تو قبر شریف کو ہاتھ نہ لگاؤ بلکہ کچھ فاصلے پر ادباً اور احتراماً ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاؤ۔ تلاوت کر کے ثواب کا نذرانہ پیش کرو، سلام پیش کرو۔ آپ فرماتے کہ یہ کتنی اچھی بات ہے کہ مزار کو ہاتھ نہ لگاؤ بلکہ صاحبِ مزار کے ساتھ دل لگاؤ یعنی اُن کے بتائے ہوئے رستے پر چلنے کی کوشش کرو اور اُن کے طریقے پر عمل کرو۔

☆

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف میں وارد ہونے والی غلط رسومات کا خاتمہ کیا۔ آپ فرائض اور احکاماتِ شریعت کی ادائیگی کو نفلی عبادات وصدقات پر فوقیت دیتے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''فضیلت تمام تر سنت کی پیروی سے وابستہ اور امتیاز واعزاز شریعت پر عمل کرنے سے مربوط ہے، مثلاً دوپہر کا سونا جو اتباع سنت کی نیت سے ہو، کروڑوں شب بیداریوں سے افضل ہے اور زکوٰۃ کا ایک پیسہ ادا کرنا، نفلی صدقہ کے طور پر سونے کے پہاڑ خرچ کر دینے سے افضل ہے''۔ (مکتوباتِ امام ربانی)

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں: ''خام صوفیاء ذکر وفکر کو اہم سمجھ کر فرائض وسنن کی ادائیگی میں تساہل برتتے ہیں۔ چلوں اور ریاضتوں کو اختیار کر کے جمعہ و جماعت ترک کر دیتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ جماعت کے ساتھ ایک فرض کی ادائیگی ان کے ہزار چلوں سے بہتر ہے۔ ہاں جو ذکر وفکر آداب شرعی کی رعایت کے ساتھ ہوں بہتر اور ضروری ہیں۔ منافق علماء بھی نوافل کی ترویج میں کوشاں رہتے ہیں اور فرائض کو خراب وابتر رکھتے ہیں۔ (مکتوباتِ امام ربانی)

ایک اور مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بے عمل صوفیاء کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''خام متصوفین اور ملحدین اس فکر میں ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت کو طوق غلامی سے آزاد اور احکام شرعیہ کو عوام کے ساتھ مخصوص بنا دیں۔ ان کا خیال ہے کہ خواص صرف معرفت کے مکلّف ہوتے ہیں جیسا کہ امراء وسلاطین محض عدل وانصاف کے مکلّف ہیں، وہ کہتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنے کا مقصد حصول معرفت ہے اور جب معرفت میسر آ گئی تو شرعی احکامات ساقط

ہوگئے''۔(مکتوباتِ امام ربانی)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ ''صوفیاء کا عمل حلت وحرمت میں سند نہیں، کیا اتنا کافی نہیں کہ ہم ان کو معذور رکھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں''۔ جب کبھی صوفیاء کی طرف سے کتاب وسنت اور جمہور اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف کوئی بات سنتے تو اس پر سخت گرفت فرماتے۔ ''فقیر کو ایسی باتیں سننے کی تاب نہیں۔ بے اختیار میری رگِ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے اور تاویل وتوجیہ کا موقع نہیں دیتی''۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف میں وارد ہونے والی خرابیوں اور غلط نظریات کے خاتمے کے سلسلے میں تجدیدی واصلاحی فریضہ سرانجام دیا۔

حضرت سیّدنا علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''صحیح اور سچے صوفیاء کرام، علمائے حق سے بھی کچھ بڑھ کر ہی خدا کے دین کے پہرے دار تھے اور باطن ہی میں نہیں بلکہ ظاہر شریعت میں بھی نہایت درجہ شریعتِ الٰہی اور سنتِ رسول کے پابند تھے۔ دین کی اصل روح اور اس کی جان تو احکام الٰہی کی اخلاص ومحبت کے ساتھ پیروی ہی ہے۔ اگر اس کا انکار کر دیا تو پھر دین کہاں رہا۔ لیکن اگر اس کو مانتے ہو اور یہ موجود ہے تو اسی کو ہم تصوف کہتے ہیں۔'' (کشف المحجوب: ۴۴۴، ۳۹)

صوفیاء اور اولیائے متقدمین کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ

- شریعت کے بغیر معرفت نہیں ہوسکتی اور بغیر شریعت کے معرفت کا دعویٰ کرنے والا شخص جھوٹا ہوتا ہے۔
- کوئی بھی کامل ولی یا صوفی بزرگ تارکِ نماز یا تارکِ شریعت نہیں ہوسکتا جو تارکِ نماز ہو یا شریعت پر عمل پیراء نہ ہو یا ارکان اسلام پر عمل پیراء نہ ہو تو وہ شخص ولی اور صوفی نہیں ہو سکتا۔ ایسا شخص جھوٹا ہے اور لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے اور اگر کوئی شریعت کی مخالفت کر رہا ہے تو وہ شیطان ہے۔ ولی، صوفی یا بزرگی یعنی ولایت اور تصوف کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

O جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہیں نماز پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ گناہوں سے پاک ہیں اور اُنہیں اسلام کے بنیادی اراکین پر پابندی کی کوئی ضرورت نہیں، تو ایسے لوگ شیطان کے دوست ہیں۔ شیطان کی پیروی اور اتباع کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ولی ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اسلام کے اندر کوئی بھی ایسا شخص نہیں کہ وہ اس مقام پر فائز ہو کہ اس پر نماز پڑھنا فرض نہ ہو یا شریعت پر عمل کرنا فرض نہ ہو۔ جب حضور ﷺ کے لیے نماز کو ساقط نہیں کیا گیا تو پھر کسی اُمتی کو نماز کیسے معاف ہو سکتی ہے؟ ایسا کہنے والے کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ اسلام اور تصوف کو بدنام کرنے والے ہیں۔ شیطان کے دوست ہیں۔ اولیاء کرام اور صوفیاء کرام کے اوصاف اور خصوصیات قرآن وحدیث سے ثابت ہیں جو ہر وقت یادِ الٰہی عزوجل میں مصروف رہتے ہیں۔

☆

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ جب کسی کو خط تحریر فرماتے تو آپ خط کی ابتداء میں یہ عبارت لکھا کرتے تھے:

”اللہ رب العالمین محض اپنے فضل ورحم سے ہر ایک مرد وعورت مسلمان کا انجام بخیر فرماویں۔ ذکرِ الٰہی وشریعت کی پابندی ضروری۔ جیسے موت ضروری“

اور کبھی کبھار آپ اِس عبارت کو ایسے بھی تحریر فرماتے:

”اللہ رب العالمین محض اپنے فضل ورحم سے ہر ایک مرد وعورت مسلمان کا انجام بخیر فرماویں۔ ذکرِ الٰہی وشریعت کی پابندی بہر حال ضروری“

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ بیشتر اولیائے متقدمین کی طرح یہ بات بھی ارشاد فرمایا کرتے: ”اگر کوئی ظاہری طور پر شریعت کا پابند نہ ہو تو اُسے ہرگز مرشد نہ مانو، خواہ وہ ہوا میں ہی کیوں نہ اُڑتا ہو“

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں آپ کا ایک بیلی حاضر ہو

موجود تھا۔ محبت و عقیدت میں غوطہ زن ہو کر اُس نے اپنے دل میں یہ خیال پیدا کیا کہ میرے مرشد کو اللہ تعالیٰ نے اتنی فضیلت و طاقت عطا فرمائی ہے کہ اگر آپ چاہیں تو مردے کو زندہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے فوراً اُس بیلی سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

''بیلیا! دلوں کی باتیں جان لینا، یا مردے زندہ کر دینا، کوئی کمال نہیں ہے بلکہ یہ تو شعبدہ باز بھی کر لیتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی مردہ دل کو زندہ کر دیا جائے اور اُسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر عمل پیرا کر دیا جائے۔''

☆

کتاب ''میری سرکار'' میں تحریر ہے: ''ایک صاحب جو ایک بڑی گدی کے وارثوں میں سے ہیں (جن کا نام میں یہاں ظاہر کرنا نہیں چاہتا) داڑھی مونچھ صفا' کوٹ پتلون پہنے حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا، ''بابو جی! کہاں سے آئے ہو؟'' انہوں نے اس معزز جگہ کا نام لیا، جہاں سے وہ آئے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے زور دے کر اُس جگہ مبارک کا نام لیا کہ جہاں سے وہ آئے تھے۔ پھر آپ نے جگہ مبارک کا نام دہراتے ہوئے فرمایا۔ ''آپ وہاں سے آئے ہیں؟'' وہ صاحب چیخ مار کر الٹے پاؤں چلے گئے۔ چند یوم کے بعد دوبارہ آئے تو داڑھی رکھ لی تھی۔ پھر تیسری مرتبہ آئے تو داڑھی شریعت کے مطابق تھی اور تہبند و کرتا پہنے ہوئے تھے اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی اقامت گاہ کے سامنے جو وضو کے لئے رہٹ لگا تھا، اسے اپنی دھن میں مست ہو کر چلا رہے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے مشہور تھا کہ انہیں سنت کے مطابق مستحب داڑھی رکھوانے اور حقہ چھڑانے کا طریقہ خوب آتا ہے اور سنت کی پیروی سختی سے کرواتے ہیں۔ آپ ہمیشہ اس تمنا کا اظہار کرتے کہ ان سے ملنے والے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل و صورت بنائیں۔ داڑھی نہ منڈوائیں اور لباس و اطوار میں مسلمان نظر آئیں۔ آپ پردۂ نسواں کے سخت پابند تھے۔ کبھی کوئی عورت آپ کی مجلس مبارک میں نہیں آ سکتی تھی۔ بلکہ پانچ چھ سال کی بچیوں کے آنے کی بھی ممانعت تھی۔ اگر کسی وقت

زنان خانہ میں جانا ہوتا تو پہلے پردے کا اہتمام فرماتے۔ محرم مستورات کے سوا کوئی عورت آپ کے روبرو نہیں آتی تھی"۔ (میری سرکار)

☆

حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودہ وظائف

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں جب کوئی شخص بیعت ہونے کی درخواست کرتا تو آپ اُسے حسبِ ذیل درود شریف (درودِ خضری) بطور سبق پڑھا کر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں مرید فرمایا کرتے تھے۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَسَلَّم

مرید کرنے کے بعد آپ حسبِ ذیل وظائف پر باقاعدگی کے ساتھ عمل کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

1۔ اذانِ فجر سے تقریباً آدھ ایک گھنٹہ قبل بیدار ہو کر وضو کرنے کے بعد 12 رکعت نوافل تہجد (ہر 2 نفل کے بعد سلام کی ترتیب سے) پڑھنے ہیں جن کے دوران ہر پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ (الحمد شریف) کے بعد 5 مرتبہ سورۃ اخلاص (بسم اللہ شریف کے بغیر) پڑھنی ہے اور ہر دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ (الحمد شریف) کے بعد 3 مرتبہ سورۃ اخلاص (بسم اللہ شریف کے بغیر) پڑھنی ہے۔ اِس طرح مکمل 12 رکعت نوافل تہجد کی ادائیگی کرنی ہے۔

2۔ اذانِ فجر کے بعد باادب، دوزانو اور قبلہ رُخ بیٹھ کر نہایت محبت، شوق اور عقیدت کے ساتھ 500 مرتبہ درود شریف خضری (جو بطور سبق پڑھایا تھا) پڑھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں عجز و نیاز کے ساتھ پیش کرنا ہے۔

3۔ پانچ وقت کی نماز باجماعت ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرنی ہے اور ہر نماز کے بعد 11 مرتبہ سورۃ اخلاص بمعہ بسم اللہ شریف (یعنی ہر مرتبہ پہلے بسم اللہ شریف اور پھر سورۃ اخلاص) پڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ھدیہ پیش کرنا ہے۔

4۔ سر پر پانچ کلی ٹوپی بمعہ عمامہ پہننا ہے اور چہرے پر کم از کم (چار اُنگل یا ایک مٹھی کے برابر) داڑھی رکھنی ہے۔ مونچھیں پست رکھنی ہیں اور بالکل ہی صاف بھی نہیں کرنی۔

5۔ ذکرِ جہری (بلند آواز سے ذکر) نہیں کرنا بلکہ ذکرِ خفی (زبان تالو سے لگا کر رکھتے ہوئے ذکر) کرنا ہے۔

اصل مرشد کون؟

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین، شیخ المشائخ، بابا جی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین حضرت کرماں والا شریف اوکاڑا نے ایک تربیتی نشست میں ارشاد فرمایا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اصل مرشد کون ہوتا ہے؟ فرمایا، اصل مرشد وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عاشق و غلام ہے اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر عمل کرتا ہے۔ جو سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جتنا بڑا عاشق ہے وہ اتنا بڑا پیر ہے۔

لہذا بنیادی اُصول یہی ہے کہ اگر کسی خانقاہ/درگاہ پر شریعت اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پائی جائے تو وہاں بلا جھجک نسبت و ارادت اختیار کی جا سکتی ہے تاہم اگر ظاہری طور پر بھی سنت و شریعت کی پابندی نہ کی جاتی ہو تو اولیائے متقدمین کے فرامین کی روشنی میں اُس جگہ سے بچنا چاہیے۔

☆

بنیادی اہمیت کے حامل وہ اعمال ہیں جو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں بھی شامل ہیں۔ چنانچہ ان اعمال اہمیت و فضیلت آئندہ سطور میں تفصیلاً بیان کی گئی ہے۔

نماز

اسلامی عبادات میں نماز کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اِسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان بندے اور کفر کے مابین نماز ہی فرق ہے۔ نماز کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ کسی حالت میں بھی معاف نہیں کی گئی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا کام افضل ہے؟ (یعنی جو ثواب میں سب سے بڑھ کر ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نماز اپنے وقت پر پڑھنا۔ میں نے کہا کہ پھر کونسا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ماں باپ سے نیکی کرنا (یعنی ان کو خوش اور راضی رکھنا اور ان کے ساتھ احسان کرنا اور ان کے دوستوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا)۔ میں نے کہا کہ پھر کونسا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب کی خاطر زیادہ پوچھنا چھوڑ دیا (تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گراں نہ گزرے)۔

صحابیء رسول، حضرت سیّدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک روز سردی کے موسم میں جب درختوں کے پتے گر رہے تھے (یعنی پت جھڑ کا موسم تھا)، حضور نبی کریم، رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لے گئے تو آپ نے ایک درخت کی دو ٹہنیاں پکڑیں (اور انہیں ہلایا) ان شاخوں سے پتے گرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! جب مسلمان بندہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں، جیسے یہ پتے جھڑ رہے ہیں۔ (احمد)

عظیم راویء حدیث، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں نے ارادہ کیا کہ کچھ لوگوں کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کے لیے اذان کہنے کا حکم دوں، پھر کسی کو حکم دوں کہ وہ امامت کرے اس کے بعد انہیں چھوڑ کر ان لوگوں کی طرف جاؤں جو جماعت میں حاضر نہیں اور ان کے گھروں کو جلا ڈالوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر ان لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ (مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے سے) گوشت ملے گا تو ضرور عشاء میں شامل ہوتے۔ (بخاری، کتاب الآذان)

قرآن وحدیث کی روشنی میں نماز کی اہمیت

نماز پڑھو، اللہ سے ڈرو	وَاَنْ اَقِيمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اتَّقُوْہُ اور نماز قائم کرو اور اس (اللہ) سے ڈرو۔ (پارہ 7)
نماز پڑھ، میٹھا بول	وَقُولُوالِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيمُواالصَّلٰوۃَ اور لوگوں سے اچھا بولو اور نماز قائم کرو (پارہ 1)
نماز پڑھ نیکی کا حکم کر	يٰبُنَىَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ اے بیٹا نماز قائم کر اور نیکی کا حکم کر۔ (پارہ 21)
نماز کے علاوہ دائمی ذکرِ الٰہی بھی کرو	فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْكُرُوااللّٰہَ جب نماز پڑھ (پھر بھی ہر دم) اللہ کا ذکر کرو۔ (پارہ 5)
نماز کی حفاظت سے جنت میں عزت	وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ہ اُولٰٓئِكَ فِىْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ہ جو لوگ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں وہی جنت میں عزت پائیں گے۔ (پارہ 29)
نماز سے کوئی کام تجھے نہ روکے	رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِاللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ اللہ کے بندوں کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل نہیں کرتی (پارہ 18)
نماز بُرے کاموں سے روکتی ہے	اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ بے شک نماز گندے کاموں اور بری عادتوں سے روکتی ہے (پارہ 21)

نماز اپنے گھر والوں کو سکھاؤ	وَامُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کر اور خود بھی ہمیشہ پڑھ (پارہ 12)
نماز پورے لباس سے پڑھو	خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ہر نماز کے وقت اپنی پوری زینت بناؤ پورا لباس پہنو (پارہ 8)
نماز جماعت کے ساتھ مل کر ادا کیا کرو	وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنیوالوں کے ساتھ رکوع کرو (پارہ 1)
نمازی ہی سچا مومن ہے	اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں یہی وہ سچے مومن (پارہ 21)
نمازی کے لیے ہی رحمت ہے	رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ه الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ رحمت نیکی کرنے والوں کیلئے ہے وہ جو کہ نماز قائم کرتے ہیں (پارہ 9)
نمازی کا ہی آخرت پر ایمان ہے	يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں یہی ہیں وہ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں (پارہ 7)

نمازی ہی اللہ کے بندے ہیں	قُل لِّعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا یُقِیۡمُوا الصَّلوٰۃَ فرمادیجئے میرے بندوں کو جو ایمان لائے اور نماز پڑھتے ہیں (پارہ 13)
نمازی ہی ناجی مومن ہے	قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمومِنُوۡنَ ہ الَّذِیۡنَ ھُمۡ فِی صَلَاتِھِمۡ خَاشِعُوۡن بیشک نجات پائینگے وہ مومن جو اپنی نماز میں دل لگانے والے ہیں (پارہ 18)
نمازی ہی تمہارے دینی بھائی ہیں	وَاَقَامُوا الصَّلوٰۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فَاِخۡوَانُکُمۡ فِی الدِّیۡن نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں پس تمہارے دینی بھائی ہیں (پارہ 10)
نماز میں لاپرواہی نماز کی تباہی	فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ ہ الَّذِیۡنَ ھُمۡ عَنۡ صَلَاتِھِمۡ سَاھُوۡنَ ویل (حسرت یا دوزخ) ہی ان نمازیاں کیلئے جو اپنی نماز کو بھول جاتے ہیں (پارہ 3)
بے نمازی کا شمار مشرکوں میں ہوگا	وَ اَقِیۡمُوا الصَّلوٰۃَ وَ لَا تَکُوۡنُوۡ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ نماز قائم کرو اور مشرکوں میں نہ ہو جاؤ (پارہ 21)

بے نماز دوزخ کے نالہ غئی ہیں	اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوَاتَ فَسَوفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا ترجمہ: نماز ضائع کردی اور خواہشوں کے پیچھے لگ گئے، عنقریب غئی میں ملیں گے (پارہ 21)
بے نمازی نے دین کو سچا نہیں جانا	فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰی ٥ وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی نہ دین کو سچا جانا نہ نماز پڑھی لیکن دین کو جھٹلایا اور منہ پھیر لیا (پارہ 21)
نماز مومن کا نور ہے	اَلصَّلٰوۃُ نُوْرُ الْمُؤْمِن نماز مومن کا نور ہے (ابن ماجہ)
نماز مومن کی معراج ہے	اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ نماز مومن کی معراج ہے (مکتوباتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ)
نماز دل کی راحت ہے	یَا بَلَالُ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اَرِحْنَا بِھَا اے بلال رضی اللہ عنہ نماز قائم کر (اذان پڑھ) ہمیں نماز سے راحت دلا (ابوداؤد جلد 21 صفحہ 681)
نماز آنکھوں کی ٹھنڈک	جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنائی گئی ہے (مشکوٰۃ، 449)
نماز میں شفاء ہے	قُمْ فَصَلِّ فَاِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ شَفَاءٌ (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دردِ شکم تھا خدمت میں آئے) فرمایا اُٹھ نماز پڑھ بیشک نماز میں شفاء ہے (ابن ماجہ جلد 2)

نماز جنت کی کنجی ہے	مِفتَاح الجَنَّةِ الصَّلوٰةُ جنت کی کنجی نماز ہے (مشکوٰۃ ص 39)
نماز دین کا ستون ہے	اَلصَّلوٰةُ عِمَادُالدِّین فَمَنتَرَکَهَا فَقَدهَدَمَ الدِّین نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز چھوڑ دی اس نے دین کا محل ڈھایا دیا
نماز چھوڑنا کفر ہے	بَینَ الکُفرِوَالاِیمَانِ تَرك الصَّلوٰةُ کفر اور ایمان کے درمیان فرق نماز کا چھوڑنا ہے (ترمذی جلد 2 ص 231)
نمازِ عشاء اور فجر، منافق پر بھاری	اَثقَلُ الصَّلٰوةِ عَلَیٰ المنافقِین اَلعِشَاء وَالفَجرِ منافقوں پر دو نمازیں بڑی بھاری ہیں نماز عشاء اور نماز فجر
نماز اپنے بچوں کو سکھاؤ	عَلِّموا الصَّبِیَّ الصَّلٰوةَ ابنِ سَبعٍ وَاضرِبُوهُ عَلَیهَااِبنَ عَشرَةِ سات سال کے بچے کو نماز سکھاؤ اور دس سال ہو تو اسے (نماز نہ پڑھنے پر) مارو
نماز کا حساب پہلے	اِنَّ اَوَّلَ مَایُحَاسَبُ بِهِ العَبدُ بِصَلوٰتِهٖ پہلے جس چیز کا بندے سے حساب لیا جائیگا وہ اس کی نماز ہے
نماز با جماعت پڑھو	صَلوٰةُ الجماعتِ اَفضَلُ صَلوٰةِ الفَذِّ بسَبعٍ وَّعِشرِینَ دَرجَةً نماز با جماعت اکیلی نماز سے ۲۷ درجہ بڑھ کر ہے (مسلم)

تارک جماعت کی نماز نامقبول ہیں	**مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِیْ فَلَمْ یَمْنَعْهُ مِنْ اِتَّاعِهٖ عُذْرٌ لَمْ تُقْبَلُ مِنْهُ الصَّلٰوۃَ صَلّٰی** جس نے اذان سنی اور کوئی عذر نہیں کہ مسجد سے روکے اسکی نماز قبول نہیں جو (بے جماعت) پڑھی
مسجد سے محبت رکھنے والا مومن ہے	**اِذَا رَأَیْتُمُ الرَّجُلَ یَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهِدُوْالَهٗ بِالْاِیمان** جب تم کسی مرد کو دیکھو کہ مسجد سے لگاؤ ہے اسکے ایمان کی گواہی دو (ترمذی جلد 2 صفحہ 23)
مسجد والوں پر عذاب معاف	**لَوْنَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ نَارٌ لَمَّا نَجیٰ مِنْهَا اِلَّااَهْلُا الْمَسَاجِد** اگر آسمان سے آگ اترتی تو مسجد والوں کے سوا کوئی نہ بچتا
منافق مسجد سے دور رہتا ہے	**هٰذِهِ الْمَسَاجِدُ ۔۔۔مَایَتَخَلَّفُ عَنْهَا اِلَّامُنَافِق** یہ مسجدیں۔۔۔ان سے منافق ہی دور رہتے ہیں (صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 232)
بے نماز کا دین خراب	**لَا خَیْرَفِیْ دِیْنٍ لَاصَلَاۃَ لَهٗ** اس دین میں بھلائی (نیکی) نہیں جس میں نماز نہیں (زرقانی)
بے نماز کا ایمان ناقص	**اِیْمَانَ لَه لِمَنْ لَّاصَلَاۃَ لَه** جس شخص کے پاس نماز نہیں اس کا ایمان نہیں ہے (دلیل العارفین صفحہ 14 خواجہ اجمیری)

بے نماز کی ہر نیکی نا مقبول	**مُضِیعٌ لِلصَّلوٰۃَ لَمْ یَعْبَاِللّٰہ بشئیً مِّنْ حَسنَاتِہ** جو نماز کا ضائع کرنیوالا ہے، اللہ تعالیٰ اسکی کسی نیکی کی پرواہ نہ کریگا (احیاء العلوم جلد 1 صفحہ 87)
بے نماز کا حشر فرعون کے ساتھ	**مَنْ ضَیَّعَ الصَّلٰوۃَ حُشِرَمَعَ فِرعَوْنَ وھامَان** جس نے نماز ضائع کردی اس کا حشر فرعون اور ہامان جیسا ہوگا۔ (احیاء العلوم جلد 1 صفحہ 97)

نماز اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نفس کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دفعہ رات کے وقت میں نے نفس کو نماز کے لیے طلب کیا، اس نے موافقت نہ کی اور نماز قضاء ہوگئی، اس کا باعث یہ تھا کہ میں نے مقررہ مقدار سے کچھ زیادہ طعام کھالیا تھا، جب صبح طلوع ہوئی تو میں نے دل میں ٹھان لی کہ سال بھر نفس کو پانی نہیں دوں گا تاکہ دوبارہ ایسی خطا نہ ہو اور نماز کی حفاظت ہوسکے۔

نماز کی حفاظت اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم المرتبت خانقاہ کے بانی اور شیخِ طریقت تھے۔ آپ کے نزدیک عمل زندگی اور بے عملی موت کے مترادف تھی۔ زندگی کے آخری ایام کے دوران ذوالحجہ 663ھ میں بیماری نے شدت اختیار کرلی اور آپ بے ہوش ہوگئے لیکن اس کے باوجود آپ کی کوئی نماز حتیٰ کہ نفلی عبادت تک قضاء نہ ہوئی اور وظائف بھی وقت پر ادا ہوتے رہے۔ محرم 664ھ کی چار تاریخ کو بعد از نماز مغرب آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ عشاء کی نماز آپ نے جماعت سے ادا کی پھر بے ہوش ہوگئے۔ ہوش میں آنے کے بعد آپ نے

پوچھا، کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟ عرض کیا گیا، جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ایک مرتبہ پھر پڑھ لوں۔ دوبارہ نماز عشاء ادا کی تو پھر بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد پھر یہی سوال کیا۔ کہا گیا، آپ دو مرتبہ عشاء کی نماز پڑھ چکے ہیں۔ فرمایا، ایک دفعہ اور پڑھ لوں ممکن ہے پھر موقع نہ ملے۔ یہ فرما کر آپ نے عشاء کی نماز مع وتر ادا کی اور پھر تازہ وضو کیا۔ اس کے بعد سجدہ کیا اور سجدہ ہی میں جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز اور حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے: ''جان لیں کہ دنیا میں نماز کا مرتبہ آخرت میں رویت باری تعالیٰ کے مرتبہ کی مانند ہے، پس جو شخص دنیا میں بغیر وساوس کے نماز ادا کرے گا، اسے جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بغیر حجاب کے ہوگا اور اگر وساوس کے ساتھ نماز پڑھے گا تو آخرت میں دیدار بھی پردوں کے اندر سے ہوگا۔''

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکاتیب میں نماز کے اہتمام پر بہت زور دیا ہے اور معمولی معمولی آداب کی رعایت کو بھی ضروری قرار دیا ہے کہ وہ بھی حکمت اور فائدہ سے خالی نہیں۔ مثلاً سجدہ میں انگلیاں ملانا اور رکوع میں علیحدہ رکھنا وغیرہ۔

امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز میں کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کی جگہ نگاہ جمائے رکھنا اور رکوع کی حالت میں ہاتھوں پر نگاہ رکھنا، نماز میں خشوع پیدا کرتا ہے اور اس سے نماز میں دلجمعی نصیب ہوتی ہے۔

ایک مکتوب شریف میں حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی پسند کے اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ آدمی کیلئے جس طرح عقائد درست رکھنا ضروری ہیں، ویسے ہی اعمال صالحہ کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے اور تمام عبادات میں جامع عبادت اور تمام طاعات میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب کرنیوالا عمل نماز ادا کرنا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''نماز دین کا ستون ہے، جس نے اس کو قائم کیا اس

نے دین کو قائم کیا اور جس نے اس کو ترک کر دیا اس نے دین کی عمارت کو گرا دیا"۔ اور جس کو پابندی سے نماز ادا کرنے کی توفیق مل جاتی ہے اس کو بے حیائی اور برائیوں سے بچنے کی توفیق دی جاتی ہے اور جو نماز ایسی نہیں کہ نمازی گناہوں سے باز آئے تو وہ صرف صورت کی نماز ہوتی ہے اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ لیکن حقیقت حاصل ہونے تک تصور کو نہ چھوڑا جائے، یعنی جو چیز مکمل طور پر حاصل نہ ہو اس کو بالکل چھوڑا نہیں جاتا بلکہ جو مل پاتا ہے اسے لیکر مزید کے لیے کوشش کی جائے، جبکہ وہ اکرم الاکرمین اگر صورت کو حقیقت کے ساتھ اعتبار کر لے یعنی صورت نماز کو شرف قبول بخشے تو اس کے لیے کچھ بعید نہیں"۔ (مکتوب نمبر ۵۸ بنام مرزا فتح اللہ حکیم رحمۃ اللہ علیہ)

ایک دوسرے مکتوب شریف میں تحریر فرمایا:

"کسی ایک مستحب کی رعایت کرنا اور مکروہ سے بچنا خواہ وہ مکروہ تنزیہی ہو، ذکر و فکر اور مراقبہ و توجہ سے بدرجہا بہتر ہے چہ جائیکہ مکروہ تحریمی ہو۔ ہاں البتہ اگر یہ چیزیں مذکورہ رعایت اور پرہیز کے ساتھ مذکورہ امور جمع ہو جائیں تو پھر یقیناً بڑی کامیابی ہے۔ ورنہ اس کے بغیر بالکل بے فائدہ تکلیف ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کی مد میں ایک پیسہ ادا کرنا نفلی طور پر سونے کے پہاڑ صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ اسی طرح صدقہ کے آداب کا لحاظ رکھنا مثلاً قریبی رشتے دار، مسکین کو دینا بہت ہی بہتر ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کے مستحبات میں سے ایک مستحب ترک ہو جانے کی بناء پر اپنی چالیس سال کی نمازیں دوبارہ پڑھیں۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک روز امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نمازِ فجر جماعت کے ساتھ ادا کی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد جماعت کی طرف دیکھا تو اپنے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی کو موجود نہ پا کر حاضرین سے دریافت فرمایا، فلاں شخص حاضر نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ رات کا اکثر حصہ بیدار رہتے ہیں، ممکن ہے کہ اس وقت سو گئے ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر وہ ساری رات سوئے رہتے اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔"

(مکتوباتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ،مکتوب نمبر ۲۹ بنام شیخ نظام تھانیسری)

نماز اور حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت میاں شیر ربانی شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی نماز کی بڑی تاکید فرما کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت قاری محمد ابراہیم صاحب (امام مسجد) نے حضرت میاں صاحب سے جناب غلام یاسین بولا شرقپوری (جو اب زندگی کی ۹۸ ویں بہار گزار رہے ہیں) کے لئے حفظ قرآن کے لیے اجازت حاصل کی تو آپ نے فرمایا: انہیں نمازی بنائیں۔ چنانچہ غلام یاسین بولا شرقپوری آپ کے فرمان کے مطابق اس قدر نماز کے پابند ہوئے کہ ان کا بیان ہے کہ زندگی بھر میں صرف ایک نماز (عصر کی نماز) چھوٹی ہے اور تین جمعے۔

نماز اور حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کو ہمیشہ نماز کی پابندی کی تلقین فرمایا کرتے بلکہ نماز پنجگانہ کے علاوہ تہجد کے نوافل کی بھی پابندی کروائی جاتی۔ آپ کے حلقہء ارادت میں داخل ہونے والے ہر شخص کو ۱۲ نوافل تہجد پڑھنے کی تاکید ہوتی اور مخصوص طریقہ بھی بتایا جاتا۔ نمازِ تہجد کی ادائیگی حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے بیلیوں کی شناخت بن گئی۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''نماز تہجد میں کم از کم بارہ رکعت پڑھنی چاہئے، پہلی رکعت میں الحمد کے بعد پانچ مرتبہ قل شریف اور دوسری رکعت میں تین مرتبہ قل شریف'' اور اکثر کو اس نماز کے بعد پانچ سو مرتبہ درود شریف (صلی اللہ علی حبیبہٖ محمدٍ آلہٖ وسلم) پڑھنے کی ہدایت فرماتے۔ کئی مرتبہ ارشاد فرمایا کہ بیمار آدمی اگر دوائی کا استعمال ہر نماز کے بعد کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جلد صحت عنایت کرتے ہیں۔''

ایک دن ایک تعلیم یافتہ صاحب آئے اور خاموشی سے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے متوجہ ہو کر آنے کا سبب دریافت فرمایا۔ وہ نوجوان بولے۔ ''حضرت! قلب کا مریض ہوں۔'' آپ نے فرمایا ''میری سمجھ میں نہیں آتا، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' اُس نے پھر عرض کیا ''حضرت! قلب کی روشنی کا متلاشی ہوں۔'' آپ نے فرمایا ''مجھے

روشنی اور اندھیرے سے کیا سروکار؟ میں تو یہ جانتا ہوں کہ ہر مسلمان سنت نبوی ﷺ کا پابند ہو اور حضور ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ اس کے مطابق اپنی زندگی ڈھال لے۔ پھر نہ کسی اندھیرے کا ڈر ہے اور نہ کسی روشنی کا خیال۔ یہ کہتے ہوئے فرمایا کہ "نماز باقاعدگی سے ادا کریں، رزق حلال کی تلاش کریں، کسی کی حق تلفی نہ کریں، داڑھی نہ منڈوائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہر کام درست ہو جائے گا۔"

کتاب "میری سرکار" میں لکھا ہے:

"حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس مبارک میں جو پہلا تاثر دیکھنے کو ملتا، وہ یہ تھا کہ ان کی نشست و برخاست حضور سرکار دو عالم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تصویر معلوم ہوتی تھی۔ سب لوگ باادب اور دوزانو بیٹھے رہتے۔ مختصر اور پراسرار انداز میں باتیں بھی ہوتی رہتیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں اور حاضرین سن رہے ہیں۔ ہر وقت شریعت کی پیروی اور اتباع حضور رسول مقبول ﷺ پر زور ہے۔ کوئی ہو ہا کا زور، کوئی نعرۂ مستانہ نہیں، کوئی تعویذ دھاگہ نہیں، کوئی ٹونا ٹوٹکا نہیں، بس نماز کی تلقین ہے اور توحید کی تعلیم۔ اگر تم سرکارِ مدینہ کے نقش قدم پر سجدہ ریز نہیں تو کچھ بھی نہیں، خواہ آسمان پر اڑ کر دکھاؤ یا سطح آب پر دوڑنے لگو۔ ولایت یہی ہے کہ سچے مسلمان بن جاؤ اور حضور ﷺ کے دین کی سچی پیروی کرو۔"

ایک دفعہ پنجگانہ نماز کے متعلق حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے جمعۃ المبارک کے وعظ میں مسئلہ بیان فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے انتہائی خوبصورت بنایا، یہاں تک کہ وہ خود اپنے آپ پر عاشق ہو گئے اور دو رکعت نماز شکرانہ ادا کیا۔ ایک ایک رکعت ہزار برس میں ادا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبرائیل علیہ السلام، آپ نے جو نماز پڑھی ہے مجھ کو بڑی پسند آئی، میں نے قبول کی لیکن ایک نماز مجھ کو اس سے بھی زیادہ پسند ہے۔ وہ اس بندے کی نماز ہے جو حضور نبی کریم ﷺ کی امت میں سے ہو اور وہ چند ساعتوں کے اندر ادا کرے اور نماز بھی بے توجہی سے پڑھی جائے، نماز یہی ہو دھیان یہی، وضو بھی اچھی طرح سے مکمل نہ کیا گیا ہو،

بس وہ بندہ میرے محبوب ﷺ کی امت میں سے ہو تو اس کی نماز مجھے آپ کی نماز سے بھی زیادہ پسند ہے اور فرمایا' اس مسلمان بندے کی جگہ جو میں نے جنت میں بنائی ہے وہ بہت اعلیٰ جگہ ہے۔ اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس بندے کی جگہ جنت میں دیکھنے کی تمنا ظاہر کی کہ یا رب مجھے وہ جگہ دکھا دیجئے۔

ایک مرتبہ ایک نمبردار صاحب جو حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ سے بڑے بے تکلف تھے' عرض کرنے لگے۔ حضرت جی! آپ مجھے عشق کی نماز سکھائیں، میں نے تو عشق کی نماز پڑھنی ہے۔ آپ نے تبسم کیا اور ارشاد فرمانے لگے، دیکھو جی! یہ نمبردار ہمارے ساتھ چالاکی کر رہا ہے، بھئی! مجھے تو یہی نماز آتی ہے، پہلے یہ نماز پڑھنا شروع کرو تو پھر عشق کی نماز بھی سیکھ جائیں گے۔

نماز کی اہمیت کے متعلق حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''ارکان اسلام میں سے اقرار توحید و رسالت کے بعد نماز کو اولیت ہے ہر مسلمان عاقل بالغ مرد عورت پر نماز فرض عین ہے۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ سالکان راہ طریقت نے اس کی پابندی سے گوہر مقصود کو پا لیا۔ مسلمان اور کافر میں نماز ہی وجہ امتیاز ہے۔ نماز کے بغیر دیگر اعمال کسی شمار میں نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں نماز اگر رسماً نہ پڑھی جائے اور نمازی جو کہہ رہا ہوا سے سمجھے بھی تو اس میں کیف و حضوری خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ نمازی دل میں یقین کر لے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک حاضر و ناظر ہے اور اس کی ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی نماز بے کیف اور بے حضور ہو۔''

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نمازِ جمعہ کے دو فرض ادا فرمانے کے بعد ظہر کی پوری نماز ادا فرماتے۔ اول وقت پر تمام نمازوں کی ادائیگی کا بہت اہتمام فرماتے اور اکثر اوقات صفیں بچھاتے وقت خود ساتھ امداد فرماتے اس کے باوجود جب نمازی جماعت کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ نمازیوں کے مونڈھے پکڑ کر صفیں درست کرتے۔ جب تک صفیں درست نہ ہو جاتیں، اقامت کی آواز بلند نہ کی جاتی۔ قیام نماز میں دونوں پاؤں کے درمیان پانچ انگشت

کا فاصلہ رکھنے کی تاکید فرماتے۔ رکوع وسجود میں تسبیح زیر لب پڑھنے کی تاکید ہوتی تھی۔ ہر نمازی کو خواہ وہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو یا فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کر رہا ہو آپ نہایت خاموشی کے ساتھ پڑھنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ تا آنکہ ساتھ والے آدمی کو بھی آواز سنائی نہ دے۔ پہلی صف میں صرف وہ نمازی کھڑے ہوتے جن کی داڑھی شریعت کے مطابق ہوتی تھی۔ داڑھی منڈوانے والے اور کٹوانے والے اگلی صف میں نہیں کھڑے ہو سکتے تھے۔ کرموں والہ (ضلع فیروز پور) میں سکونت کے ایام میں آپ خود بھی کبھی عصر کی نماز میں امامت فرماتے مگر وہاں عموماً ایک صاحب نسبت اور صاحب حال بزرگ المعروف میاں بالا رحمۃ اللہ علیہ (جو آپ کے مریدان با اخلاص میں سے ایک باکمال فرد تھے) امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ موجودہ دربار شریف کے قیام کے دوران مختلف اصحاب امامت کرتے رہے ہیں۔

کرموں والا میں ایک شخص دین محمد عرف دینا گاؤں کا زمیندار تھا۔ ایک دفعہ وہ سخت بیمار ہو گیا اور اس کا پیٹ پھول کر کپا ہو گیا، علاج معالجہ کرتا رہا مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔ جب سب طرف سے مایوسی نے گھیر لیا تو ناچار حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے آتے ہی اس سے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے۔ اس نے عرض کیا حضور پیٹ میں دو تین ماہ سے تکلیف ہے اور کھیتوں میں کام کاج کرنا تو کجا چلنے پھرنے سے بھی معذور ہوں آپ نے فرمایا ''تم تندرست ہو جاؤ گے۔ لیکن میں رشوت لیا کرتا ہوں تم بھی رشوت دو گے؟'' اس نے دل ہی دل میں خیال کیا کہ دس، بیس یا پچاس روپے لے لیں گے تو کوئی بات نہیں اور عرض کیا کہ حضور دے دوں گا۔ مجھے تو صحت کی ضرورت ہے کلم الناس علی عقولھم کے تحت یہ ارشاد ہوا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا اچھا میرے ساتھ وعدہ کرو کہ داڑھی نہیں منڈواؤ گے اور نماز پڑھو گے یہی میری رشوت ہے۔'' اس نے یہ بات ماننے کا عہد کر لیا۔ اتنے میں ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا، حضور نے فرمایا کہ اچھا اب نماز کا وقت ہو گیا ہے کوئی بیلی سبیل میں کنوئیں سے ڈول کے ساتھ پانی ڈالے تاکہ وضو کر کے سب نماز ادا کریں۔ پھر اسی دین محمد کو پوچھا، دین محمد تم پانی ڈال سکو گے یا

بیماری کی وجہ سے معذور ہو' دین محمد نے اس ارشاد کے بعد اپنے اندر ایک نئی قوت محسوس کی اور اٹھ کر بخوشی پانی کھینچ کھینچ کر سبیل میں ڈالنے لگا۔ حالانکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ لاغری کی وجہ سے بمشکل چل کر دربار میں حاضر ہوا تھا۔ ایک ہی نظر سے حضور نے اس کی بیماری سلب فرمادی۔ پھر وہ نماز کا بھی پابند ہو گیا اور داڑھی بھی رکھ لی۔

والضالین کا مسئلہ

مولوی سید محمد قاسم شاہ خطیب جامع مسجد نور پور شاہاں متصل اسلام آباد دورہ حدیث جامعہ رضویہ فیصل آباد میں مکمل کرنے کے بعد لاہور آئے اور قاری محمد شریف صاحب مہتمم دار الفرقان ماڈل ٹاؤن، لاہور سے علم تجوید حاصل کرنے لگے، قاری صاحب موصوف نے مشق کے دوران علم تجوید کے مسائل پڑھائے اور سمجھایا کہ والضالین میں ضاد کو مشابہ بالظا پڑھنا صحیح اور مشابہ بالدال پڑھنا جیسا کہ عام رواج ہے، غلط ہے۔ چنانچہ قاری صاحب کے کہنے کے مطابق مولوی صاحب نے ولا الضالین میں حرف ضاد کو مشابہ بالظا پڑھنا شروع کر دیا، اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے کہ تم غلط پڑھتے ہو، خیال کیا کہ یہ لوگ قانون کا علم نہیں رکھتے اور ناواقفیت کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں مگر لوگوں کی مخالفت بڑھتی گئی، اسی پریشانی کے عالم میں حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے عرض کرنے کے بغیر خود ہی ارشاد فرمایا ''پیر جی! حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے جو کوئی والضالین میں ضاد کو مشابہ بالظا پڑھے اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے'' اس کے بعد سید محمد قاسم شاہ صاحب نے بالظا پڑھنا ترک کر دیا اور ان کی پریشان خیالی ختم ہوگئی۔ چنانچہ ایک دن تفسیر خزائین العرفان کے مطالعہ کے دوران دیکھا کہ یہی مسئلہ بالکل ایسے ہی لکھا ہوا تھا جیسے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا تھا۔

(بحوالہ کتاب ''معدنِ کرم'')

زکوٰۃ

اسلامی معاشرے میں زکوٰۃ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے چنانچہ اِس کو اسلام کے پانچ

ارکان میں بھی شامل رکھا گیا ہے۔قرآن پاک میں اکثر مقامات پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم دیا گیا۔معاشرتی برائیاں اُسی وقت جنم لیتی ہیں جب ایک ہی جگہ پر کوئی ضرورت سے زیادہ مالدار اور کوئی تنگ دستی کا مارا محتاج وغریب ہو۔اِسی لیے زکوٰۃ امیروں سے وصول کی جاتی ہے اور غرباء میں تقسیم کی جاتی ہے۔اِس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہیں رہتی بلکہ پورے معاشرے میں گردش کرتی رہتی ہے، اِس طرح بیروزگاری، چوری، ڈاکا، غربت اور بھوک جیسے مہلک امراض ناپید ہو جاتے ہیں۔زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لیے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے:

''اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی جس دن وہ تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں پھر اس سے داغیں گے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں یہ جو تم نے اپنے لیے جوڑ کر رکھا تھا اب چکھو مزا اِس جوڑنے کا۔'' (التوبہ : ۳۵۔۳۴)

زکوٰۃ دینے کے معاملہ میں بخل سے کام لینے والے کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے:

''اور جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دی، ہرگز اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا، قیامت کے دن اُن کے گلے کا طوق ہوگا''۔(آل عمران:۱۸۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بخیل کی مذمت اِن الفاظ میں فرمائی ہے:

''اللہ تعالیٰ کے ہاں سخی جاہل، بخیل عبادت کرنے والے سے زیادہ محبوب ہے''۔

(ترمذی شریف جلد ا، صفحہ ۹)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے اسلام کی تکمیل اِس میں ہے کہ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں دو عورتیں حاضر ہوئیں، انہوں نے ہاتھوں میں

سونے کے کنگن پہن رکھے تھے، آپ نے فرمایا: ''کیا اِن کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا، نہیں! آپ نے فرمایا: تمہیں ڈر نہیں لگتا کہ قیامت کے دن آگ کے کنگن پہنائے جائیں، اِن کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔''

بعض لوگوں کے دل میں شیطان وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ زکوٰۃ دینے سے اُن کا مال کم ہو جائے گا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ''شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا'' یہ صرف ایک شیطانی وسوسہ ہے، زکوٰۃ دینے سے نہ صرف مال میں شامل مشتبہ حصہ پاکیزہ وصاف ہو جاتا ہے بلکہ مال میں اضافہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اُن کی مثال (یہ ہے کہ) جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس دانہ کی طرح ہے جس نے اُگائیں سات بالیاں اور ہر بالی میں سو دانے اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑھائے جس کے لیے چاہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا علم والا ہے۔'' ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ''اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو وہ اُسے تمہارے لیے دوگنا کر دے گا''

جبکہ زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے مال ضائع ہوتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنگل ہو یا سمندر کسی جگہ بھی جو مال ضائع ہوتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے ضائع ہوتا ہے، اپنے مالوں کی حفاظت زکوٰۃ سے کیا کرو، اپنے بیماروں کی دوا صدقہ سے کیا کرو اور آفات و مصیبت کے نزول کو دعاؤں سے دور کیا کرو، دعا اس بلا کو بھی دور کر دیتی ہے جو نازل ہو چکی ہو اور اس بلا کو بھی روک دیتی ہے جو ابھی نازل ہی نہ ہوئی ہو''۔

لہٰذا زکوٰۃ کا ادا کرنا ہر صاحبِ نصاب پر فرض ہے اور اِس کا انکار کرنے والا مرتد اور واجب القتل ہے، اُن کے ساتھ جہاد کرنا سنتِ صدیقی ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے فوراً بعد ہی بعض لوگوں نے زکوٰۃ کا انکار کیا تو اُن کے ساتھ خلیفہء اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا۔

زکوٰۃ کی قطعی فرضیت اس کے فضائل اور نہ دینے پر اتنے شدید مواعید وارد ہوئے ہیں

کہ انسان کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ وہ کون سی وجوہات ہیں اور کون سی مصالح ہیں، جن کی بناء پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کا جواب اِن الفاظ میں دیا ہے:

''تشریع زکوٰۃ میں دو بڑی مصلحتیں مضمر ہیں، ایک کا مقصد تزکیہء نفس ہے، وہ یہ کہ انسان کی اصل جبلت میں حرص اور بخل ودیعت رکھے گئے ہیں، بخل ایک قبیح ترین عادت ہے، جس سے انسان کو آخرت میں نقصان ہوتا ہے، جس انسان میں بخل نے جڑ پکڑ لی وہ جب مرتا ہے تو اس کا دل مال و دولت کیساتھ وابستہ اور اس کی طرف نگران ہوتا ہے، یہی بات اس کے لیے عذاب کا موجب ہوتی ہے، جب آدمی زکوٰۃ کی مشق کرتا ہے اور اس کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کا نفس بخل کی بری عادت سے پاک ہو جاتا ہے اور یہ بات اس کے لیے آخرت میں نہایت مفید ثابت ہوتی ہے۔ نیز جب کسی مسکین محتاج کو کوئی شدید ضرورت پیش آتی ہے اور تدبیر الٰہی کا اقتضا یہ ہوتا ہے کہ اس کی وہ حاجت پوری کر دی جائے تو کسی ذی استعداد صاحبِ استطاعت کے دل میں اس کی اعانت اور دستگیری کا الہام کیا جاتا ہے اور اس کا قلب فراخدلی کے ساتھ اس کو قبول کر لیتا ہے، اس سے اس کو انشراح روحانی حاصل ہوتا ہے اور رحمت الٰہی کے اس پر فائض ہونے کی اس میں استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بات اس کے تزکیہ نفس کے لیے بے حد مفید ہے۔ علاوہ ازیں اگر آدمی مزاج سلیم رکھتا ہو تو کسی محتاج کو دیکھ کر بوجہ جنسیت کے اس کے دل میں طبعاً رقت پیدا ہوتی ہے یہ وہ خصلت ہے جس پر اکثر ان اخلاق کا انحصار ہے جن کا تعلق لوگوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے سے ہے، اس لیے جس میں یہ خصلت نہ پائی جاتی ہو تو سمجھ لو کہ اس کے دین میں رخنہ ہے جس کا انسداد لازم ہے، ایک اور بات یہ ہے کہ صدقہ دینا تکفیر سیئات کا موجب ہے اور بڑی بڑی برکتیں اس کی بدولت نصیب ہوتی ہیں۔ تشریع زکوٰۃ کی دوسری مصلحت کا مقصود نظام مدنیت کو بہتر طریقے پر قائم رکھنا ہے، اس کی تشریح یہ ہے کہ مدنیت خواہ کتنے ہی چھوٹے پیمانے پر ہو، کمزور اور اپاہج اشخاص اور ارباب حاجت غریبوں مسکینوں پر مشتمل ہوتی ہے، نیز حوادث اور

آفاتِ ارضی وسماوی کا ہر ایک قوم کسی نہ کسی صورت میں نشانہ بنتی ہے، بناء برآں اگر اس بات کا التزام نہ ہو کہ غریباء اور مساکین اور ارباب حاجت کی دستگیری کی جائے تو اس کا نتیجہ قوم کی ہلاکت ہوگا۔ اس لیے یہ ضروری قرار پایا اور آپ ﷺ نے یہ سنت قائم کی کہ ان کے وصول کرنے کا اہتمام حکومت کرلے'' (حجۃ اللہ البالغہ)

زکوٰۃ کے انفرادی فوائد

انسان میں فطری طور پر حرص اور بخل کی عادات رکھی گئی ہیں اور ان دونوں عادات کا شمار اخلاق سیئہ میں ہوتا ہے، جب انسان ان عادات کا خوگر ہو جاتا ہے تو اس کے معاشرہ پر بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں، حرص ولالچ حد سے بڑھ جاتے ہیں، نفسا نفسی کا عالم طاری ہو جاتا ہے، ہر آدمی یہ خواہش کرتا ہے کہ اس کے پاس سب سے زیادہ دولت ہو، اس کی آمدن سب سے زیادہ ہو اور اخراجات کی مد میں ہمیشہ صفر پڑا رہے، اسی طرح کئی انسانوں میں اپنے دوسرے بھائیوں کو دیکھ کر حسد کا جذبہ سر ابھارنے لگتا ہے جو انسان کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے، خود مال کی فراوانی انسان کے اندر غرور اور تکبر پیدا کر دیتی ہے، روحانی طور پر اس سے سکون و آرام چھن جاتا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا سب سے پہلے خوشگوار تاثر معاشرہ کے فرد پر یہ ہوتا ہے کہ اس سے حرص و بخل کی بیماری ختم ہو جاتی ہے، مال کی محبت اس کے دل میں نہیں رہتی، مال کی فراوانی اس کے دل میں غرور اور تکبر پیدا نہیں کرتی، اسی طرح خدانخواستہ اگر کسی وقت مال کا نقصان ہو جائے تو اسے دل کے دورے نہیں پڑتے یعنی اس میں نقصان برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے، انسان میں سخاوت کا ملکہ راسخ ہو جاتا ہے اور سخاوت نفس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اس عالم مادی کے خسیس علائق سے نجات حاصل کر لیتا ہے، اس کا دل فراخ ہو جاتا ہے، اس کی دولت دیکھ کر دوسرے اس سے نفرت اور حسد کی بجائے اس سے محبت کرتے ہیں، دنیا میں لوگ اس کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اور موت کے بعد بھی اُسے اچھے ناموں سے اور تعریف کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ قارون اور حاتم طائی کی مثالیں آج بھی آدمی کے سامنے ہیں، زکوٰۃ دے کر آدمی کو روحانی طور پر

سکون محسوس ہوتا ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی اس میں فراخدلی کی عادت پیدا کردیتی ہے، پھر جب آدمی کسی محتاج کو دیکھتا ہے تو انسان ہونے کے ناطے اس کے دل میں طبعاً رقت اور عاجزی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ رقت ایسی عادت ہے جس پر اکثر ان اخلاق کا انحصار ہے جن کا تعلق لوگوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے سے ہے۔ اسی طرح جو آدمی زکوٰۃ وصول کرتا ہے اس کے دل میں ہمدردی اور خلوص کے جذبات پیدا ہوتے ہیں وہ جہاں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے وہاں خلوص دل کے ساتھ ان لوگوں کے لیے بھی دعا گو رہنا چاہتا ہے جو اُس کی امداد میں معاون ہوتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر وہ ان کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہوتا ہے، اس طرح زکوٰۃ کی ادائیگی سے ایک ایسا معاشرہ جنم لیتا ہے جس کی اساس و بنیاد، خلوص و ایثار، محبت و پیار، فیاضی و سخاوت، مشکلات میں ساتھ دینے اور دکھ درد میں ساجھی بننے پر ہوتی ہے اور جس معاشرہ میں یہ خوبیاں ہوں، اس کی ترقی کی راہ میں کوئی روڑا باقی نہیں رہ جاتا۔

زکوٰۃ کے اجتماعی فوائد

زکوٰۃ کی ادائیگی کی اگرچہ بنیادی مصلحت یہی ہے کہ اس سے زکوٰۃ ادا کرنے والے کا اپنا بقایا مال پاک وصاف ہو جاتا ہے اور خود اس میں اخلاقی اچھائیاں راہ پکڑنے لگتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے اثرات جماعت اور معاشرہ پر بھی پڑتے ہیں اور ان کی مصلحتوں کی بھی تکمیل ہوتی رہتی ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی سے معاشرہ خود کفیل ہو جاتا ہے، آدمی میں آزادی کا احساس باقی رہتا ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی سے غرباء کی اہم ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں، زکوٰۃ کی ادائیگی معاشرہ کے ہر فرد اور سوسائٹی کے ہر ممبر کے لیے باعزت اور شریفانہ زندگی کے مواقع فراہم کرتی ہے تاکہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کر سکے اور مقصد حقیقی تک پہنچ سکے۔

روزہ

قرآنِ حکیم میں روزہ کی فرضیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ

عَلَى الَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرة:183)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔“

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَه مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِه (بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب صوم رمضان احتسابا من الایمان، 1: 22، رقم: 38)

ترجمہ: ”جس نے بحالتِ ایمان ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ“ مِنَ النَّارِ كَجُنَّةِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْقِتَالِ

(نسائی، السنن، کتاب الصیام، 2: 637، رقم: 2230، 2231)

ترجمہ: ”روزہ جہنم کی آگ سے ڈھال ہے جیسے تم میں سے کسی شخص کے پاس لڑائی کی ڈھال ہو۔“

3۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ اِلٰى مَا شَاءَ اللّٰهُ، يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّهُ لِيْ، وَاَنَا اَجْزِيْ بِهِ (ابن ماجہ، السنن، کتاب الصیام، باب ما جاء فی فضل الصیام، 2: 305، رقم: 1638)

ترجمہ: ”آدم کے بیٹے کا نیک عمل دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک آگے جتنا اللہ چاہے بڑھایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: روزہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ میرے لئے ہے

اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔‘‘

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ سے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ اعمال صالحہ کا ثواب صدقِ نیت اور اخلاص کی وجہ سے دس گنا سے بڑھ کر سات سو گنا تک بلکہ بعض دفعہ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے لیکن روزہ کا ثواب بے حد اور بے اندازہ ہے۔ یہ کسی ناپ تول اور حساب کتاب کا محتاج نہیں، اس کی مقدار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ روزے کی اس قدر فضیلت کے درج ذیل اسباب ہیں:

پہلا سبب: روزہ لوگوں سے پوشیدہ ہوتا ہے، اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا جبکہ دوسری عبادتوں کا یہ حال نہیں ہے کیونکہ ان کا حال لوگوں کو معلوم ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے روزہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے۔

دوسرا سبب: روزے میں نفس کشی، مشقت اور جسم کو صبر و برداشت کی بھٹی سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس میں بھوک، پیاس اور دیگر خواہشاتِ نفسانی پر صبر کرنا پڑتا ہے جبکہ دوسری عبادتوں میں اس قدر مشقت اور نفس کشی نہیں ہے۔

تیسرا سبب: روزہ میں ریاکاری کا عمل دخل نہیں ہوتا جبکہ دوسری ظاہری عبادات مثلاً نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ میں ریاکاری کا شائبہ ہو سکتا ہے۔

چوتھا سبب: کھانے پینے سے استغناء اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ روزہ دار اگرچہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے متشابہ تو نہیں ہو سکتا لیکن وہ ایک لحاظ سے اپنے اندر یہ خلق پیدا کر کے مقربِ الٰہی بن جاتا ہے۔

پانچواں سبب: روزہ کے ثواب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں جبکہ باقی عبادات کے ثواب کو رب تعالیٰ نے مخلوق پر ظاہر کر دیا ہے۔

چھٹا سبب: روزہ ایسی عبادت ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا حتیٰ کہ فرشتے بھی معلوم نہیں کر سکتے۔

ساتواں سبب: روزہ کی اضافت اللہ کی طرف شرف اور عظمت کے لئے ہے جیسا کہ

بیت اللہ کی اضافت محض تعظیم وشرف کے باعث ہے ورنہ سارے گھر اللہ کے ہیں۔

آٹھواں سبب: روزہ دار اپنے اندر ملائکہ کی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے وہ اللہ کو محبوب ہے۔

نواں سبب: جزاءِ صبر کی کوئی حد نہیں ہے اس لئے رمضان کے روزوں کی جزاء کو بیحد قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف منسوب کیا کہ اس کی جزاء میں ہوں۔

روزہ اور حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام تھے۔ ان دنوں آپ انتہائی علیل تھے اور جسمانی طور پر کمزوری بھی تھی۔ آپ کی صحت کے پیش نظر ایک بیلی نے آپ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ اگر آپ اجازت عنایت فرمائیں تو رخصت کے ماتحت آپ کے روزوں کے بدلے میں کسی دوسرے بیلی کو روزے رکھوا دیئے جائیں۔ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً ارشاد فرمایا: ''بیلیا! جس نے مرنا ہو، وہ روزے خود رکھتا ہے''۔ چنانچہ آپ نے اس حالت وکیفیت میں بھی روزے رکھے۔

حج

حج بھی اسلام کا رکن ہے جو نو ہجری میں فرض ہوا۔ اس کی فرضیت یقینی ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہے اور جو مسلمان حج فرض ہو جانے کے بعد حج نہ کرے یا بلا وجہ شرعی اس میں دیر لگائے تو وہ فاسق اور سخت گناہ گار ہے۔ حج عمر بھر میں صرف ایک بار فرض ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:۔ اور اللہ کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے۔ جو بیت اللہ جا سکے اور جو منکر ہو تو اللہ سارے جہان سے بے پرواہ ہے۔ (پارہ ۳، آل عمران، آیت: ۹۷)

دوسری آیت میں ارشاد خداوندی ہے کہ:۔ اور حج وعمرہ اللہ کے لیے پورا کرو (پارہ ۲، البقرہ، آیت: ۱۹۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! خدا نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہر سال حج فرض ہے؟ فرمایا اگر میں ہاں کر دوں تو ہر سال حج فرض ہو جائے گا اور اگر ہر سال فرض ہو جائے تو تم اسے ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس لیے حج پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے اور جو شخص اس سے زیادہ کرے وہ نفل ہے۔

(احمد، نسائی، دارمی، مشکوٰۃ)

درج بالا حدیثِ پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احکام شرعیہ پر اختیار کلی رکھتے ہیں کہ اگر چاہتے تو ہر سال حج کرنا فرض فرما دیتے۔

تقویٰ

اولیائے متقدمین اپنے ہر عمل میں پرہیزگاری، سنتِ مبارکہ کے ساتھ ساتھ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا بیحد خیال رکھتے تھے۔ تقویٰ اُن کا اوڑھنا بچھونا ہوا کرتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں بھی تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کی گئی۔ اِسی لیے خانقاہوں پر تقویٰ سکھانے کے لیے خصوصی تربیت کی جاتی اور یہی خانقاہوں، درگاہوں اور آستانوں کا حقیقی طرۂ امتیاز بھی ہے۔

سیّدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا تقویٰ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو کام کاج کر کے غلہ اور آمدنی لاتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ غلام کچھ کھانا لیکر آیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا۔ آپ نے وہ طعام کھانا شروع کر دیا۔ بعد ازاں آپ نے غلام سے دریافت فرمایا کہ وہ طعام کہاں سے لایا تھا۔ غلام نے جواب دیا کہ زمانہء جاہلیت میں، میں نے ایک شخص کی فال نکالی تھی، مجھے فال کا کچھ علم نہیں تھا لیکن میں نے اسے دھوکہ دیا تھا، آج وہ شخص مجھے ملا اور اس نے بتایا کہ میری فال ٹھیک تھی، اور اس

کے صلے میں اس نے مجھے یہ کھانا دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تیرا بُرا ہو، تو نے تو آج مجھے ہلاک ہی کر ڈالا تھا۔ پھر آپ نے گلے میں انگلی ڈال کر وہ کھانا قے کر دیا۔ مگر پھر بھی سکون نہ ملا اور آپ بار بار گلے میں انگلی ڈالتے رہے، یہاں تک کہ آپ کی حالت غیر ہوگئی، پھر آپ نے کافی سارا پانی پیا اور پھر اسی طرح اس کو بھی قے کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے عرض کیا کہ ایک لقمے کیلئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے بدن میں حرام کا ایک لقمہ بھی چلا گیا، اس کی عبادات قبول نہیں ہوتیں، خدا کی قسم! اگر میری جان بھی نکل جاتی تب بھی میں اس لقمے کو ضرور نکالتا۔

فکرِ آخرت

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا کرنے کے لیے نکلے تو لوگوں کو دیکھا کہ وہ ہنس رہے ہیں، فرمایا: اگر تم لذتوں کو کاٹنے والی موت کا زیادہ ذکر کرو تو وہ تمہیں اس چیز سے باز رکھے جس کو میں دیکھ رہا ہوں، لذتوں کو کاٹنے والی موت کا زیادہ ذکر کرو، قبر پر کوئی دن نہیں آتا مگر وہ بولتی ہے، کہتی ہے میں غربت کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں خاک کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں، جس وقت مومن بندے کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے قبر اس کو خوش آمدید کہتی ہے اور کہتی ہے تو میری طرف ان سب لوگوں سے بڑھ کر پیارا تھا جو میری پشت پر چلتے ہیں جبکہ آج میں تم پر حاکم بنائی گئی ہوں اور تو میری طرف مجبور کر دیا گیا ہے تو تُو دیکھے گا میں تیرے ساتھ کیسا نیک سلوک کرتی ہوں، قبر حدِ نگاہ تک اس کے لیے فراخ ہو جاتی ہے اور جنت کی طرف ایک دروازہ اس کی طرف کھول دیا جاتا ہے جس وقت ایک فاجر یا کافر آدمی قبر میں دفن کیا جاتا ہے، قبر اُسے کہتی ہے، تو نہ فراخ مکان میں آیا ہے اور نہ اپنی جگہ میں، خبردار میرے نزدیک تو ان سب لوگوں سے مبغوض تھا جو میری پشت پر چلتے ہیں جبکہ آج میں تجھ پر حاکم بنا دی گئی ہوں اور تو میری طرف مجبور کر دیا گیا ہے تو دیکھے گا میں تیرے ساتھ کیسا بُرا سلوک کرتی ہوں یہ کہہ کر وہ مل جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں مختلف ہو جاتی ہیں۔ ابو سعید

رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا اور ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا، آپ نے فرمایا: ستر (70) اژدہے اس کے لیے مقرر کر دیئے جاتے ہیں، اگر ایک سانپ زمین میں پھونک ماردے تو زمین پر کچھ نہ اُگے، وہ اس کو نوچتے اور کاٹتے ہیں یہاں تک کہ اس کو حساب تک پہنچایا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ (ترمذی)

حضرت خواجہ سیّد شمس الدین امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

ایک روز اتفاقاً رامیتن کے ایک باغ میں حضرت امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کپڑے دھوئے۔ جب ان کو خشک کرنا چاہا تو فرمایا کہ کانٹوں کی باڑوں پر نہ پھیلاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ باڑ کو نقصان پہنچے اور نہ درختوں کی شاخوں پر پھیلاؤ، مبادا کہ شاخیں ٹیڑھی ہو جائیں اور زمین پر بھی نہ پھیلاؤ تا کہ مویشیوں کی گھاس خراب نہ ہو۔ یہ سن کر لوگ عاجز آ گئے اور پوچھنے لگے کہ اے امیر! آپ کپڑے کس طرح خشک کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے کپڑوں کو اپنی پیٹھ پر پھیلا لیا کرتا ہوں اور پیٹھ سورج کی طرف کر کے خشک کر لیا کرتا ہوں۔ پھر فرمایا۔ اگر باڑ کو نقصان پہنچے یا کسی درخت کی شاخ ٹیڑھی ہو جائے یا مویشیوں کی گھاس خراب ہو جائے تو باغ کے مالک کے آگے کیا عذر پیش کرو گے؟ یہ عمل تم خلاف شریعت کرتے ہو۔ دوسرے کی ملکیت میں تصرف جائز نہیں۔ آپ نے فرمایا: گناہ کو خواہ صغیرہ ہو، معمولی نہ سمجھو۔ آدمی گناہ کو معمولی سمجھنے کے سبب سے دوزخ میں جاتا ہے۔

حضرت امیر اپنے معارف میں اپنے دوستوں سے ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عبادت میں تمہاری پیٹھ کبڑی ہو جائے اور ریاضت میں تمہارا جسم کمان کے چلے کی طرح باریک ہو جائے تو خدائے خالق کے جلال وعظمت کی قسم کہ تم ہرگز مقصود تک نہ پہنچو گے جب تک کہ اپنے لقمہ اور خرقہ کو پاک نہ رکھو اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی پیروی نہ کرو کیونکہ تمام کاموں کی اصل اسی پر ہے۔

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کبھی کسی کی غیبت اور برائی نہ کی جاتی۔ بلکہ حضرت الٹا "معتوب" کی تعریف کرتے اور دوسروں کے عیوب سے چشم پوشی فرماتے۔ کھانے میں بہت احتیاط فرماتے بلکہ کھانا پکانے والے کو تاکید تھی کہ وہ باوضو رہے اور پکانے کے دوران میں فضول باتوں سے پرہیز کرے۔ فرماتے کہ جو لقمہ بغیر اللہ کے ذکر اور بغیر احتیاط کھایا جاتا ہے وہ پیٹ میں دھواں پیدا کرتا ہے جس سے فیض رک جاتا ہے۔ ایک روز ایک خادم نے باطنی کدورت کی شکایت کی۔ حضرت بھانپ کر بولے "کھانا پکانے میں بے احتیاطی کی گئی" جب خادم نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ گھر میں جو ایندھن صرف ہوا تھا اس میں چند لکڑیاں دوسرے کی ملکیت تھیں۔

حضرت مجدد الفِ ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب شریف میں تحریر فرمایا:

"بعض علمائے ربانی فرماتے ہیں کہ نجات کا دارومدار دو اجزاء پر ہے: اوامر کا بجالانا اور نواہی سے رُک جانا۔ اور ان دونوں اجزاء میں سے آخری جز زیادہ عظمت والا ہے، جس کو ورع وتقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص کا ذکر عبادت واجتہاد کے ساتھ اور دوسرے شخص کا ذکر ورع کے ساتھ کیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ورع یعنی پرہیزگاری کے برابر کوئی چیز نہیں اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے دین کا مقصود پرہیزگاری ہے۔" اور فرشتوں پر انسان کی فضیلت اسی جز سے ثابت ہے اور قرب کے درجوں پر ترقی بھی اسی جز سے ثابت ہوتی ہے، کیوں کہ فرشتے جزوِ اوّل میں شریک ہیں اور ترقی ان میں مفقود ہے۔ پس ورع وتقویٰ کے جز کا مدنظر رکھنا اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد اور دین کی اشد ضروریات میں سے ہے۔" (مکتوب 76، جلد اوّل)

حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے درج بالا مکتوب شریف کی عبارت سے تقویٰ کے بارے میں درج ذیل نکات حاصل ہوتے ہیں:

☆انسان کی نجات کا مدار دو اجزا پر ہے: ۱۔اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنا ۲۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کردہ باتوں سے رک جانا۔

☆اللہ تعالیٰ کی منع کردہ باتوں سے رک جانا زیادہ عظمت اور اہمیت رکھتا ہے۔

☆اسی تقویٰ اور پرہیزگاری کے سبب انسان کو فرشتوں پر برتری حاصل ہے، کیوں کہ اوامر کو پورا کرنے میں تو فرشتے بھی انسان کے شریکِ کار ہیں۔

☆ قرب الٰہی کے اعلیٰ درجات کا ملنا اس تقویٰ کی بدولت ہے۔

☆ تقویٰ کو مدّنظر رکھنا اسلام کے اعلیٰ مقاصد میں سے ہے۔

تقویٰ کا لغوی معنیٰ ''بچنا'' ہے اور اس ضمن میں مختلف اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ سے مراد یہ ہے:

☆اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا یعنی گناہوں، بُرے کاموں اور برائی سے بچنا۔

☆اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنا یعنی گناہ وخطا کی بجائے اللہ کی فرمانبرداری بجالانا

☆اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنا یعنی نافرمانی سے بچ کر فرمانبرداری کرنا۔

حصولِ تقویٰ کے دس اسباب

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حصولِ تقویٰ کے لیے دس چیزوں کو لازمی قرار دیا ہے، جس شخص کو یہ دس باتیں حاصل ہوجائیں تو اسے تقویٰ حاصل ہوگیا اور جو ان سے محروم ہے تو وہ تقویٰ کی عظیم نعمت سے بھی محروم ہے۔آپ تحریر فرماتے ہیں:

''جب تک انسان اِن دس چیزوں کو اپنے اوپر فرض نہ کرلے تب تک کامل ورع (تقویٰ) حاصل نہیں ہوتا: ۱۔زبان کو غیبت سے بچائے۔ ۲۔بدظنی سے بچے۔ ۳۔مسخرہ پن یعنی ہنسی ٹھٹھے سے پرہیز کرے۔ ۴۔حرام سے آنکھ بند رکھے۔ ۵۔سچ بولے۔ ۶۔ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کا احسان جانے تاکہ اس کا نفس مغرور نہ ہو۔ ۷۔اپنا مال راہِ حق میں خرچ کرے اور راہِ باطل میں خرچ کرنے سے بچے۔ ۸۔اپنے نفس کے لئے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرے۔

۹۔نمازوں کی محافظت کرے۔۱۰۔اہل سنت و جماعت (عقائد) پر استقامت اختیار کرے''۔

(مکتوب 66، جلد دوم)

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ میں مندرجہ بالا شرائط بطریقہ کمال پائی جاتی تھیں۔ جہاں تک عمل کا تعلق ہے تو آپ کا لباس، دستار، گفتار، جُوتا، چلنا، پھرنا، سونا، بیدار ہونا الغرض ہر عمل شریعت مطہرہ کے عین مطابق تھا۔ آپ جب کسی کا غیر شرعی عمل دیکھتے تو سخت برہم ہوتے اور جلال میں آجاتے۔ کسی داڑھی منڈے کو دیکھتے تو سخت ناراضگی کا اظہار فرماتے اور کہتے: دیکھو! ''کیسا چہرہ ہے؟ یہ محمدی چہرہ تو نہیں ہے!''۔ سر محمد شفیع جو آپ کے خالہ زاد بھائی تھے، داڑھی منڈے تھے۔ آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''محمد شفیع آج تمہارا نام لینے کو دل نہیں چاہتا۔ افسوس! تمہارا نام تو کیسا اچھا ہے، اپنے نام ہی کی شرم کرو اور کچھ سوچو سمجھو۔ تم نے کیسی شکل بنا رکھی ہے؟ تمہارے باپ کی شکل کیسی اچھی تھی، وہ شکلیں تمہیں بری لگتیں ہیں؟ تمہارے باپ کا یہ قصور ہے کہ اُس نے تمہیں ولایت بھیج دیا اور تم انگریز بن گئے''۔

آپ فرمایا کرتے تھے، جب تم خلافِ شرع کسی کو کام کرتے ہوئے دیکھو تو اس پر اس طرح جھپٹ پڑا کرو جیسے بُھوکا شیر بکری پر جھپٹ پڑتا ہے۔

☆

عارف ربّانی خود شریعت مطہرہ کا پابند ہوتا ہے اور اپنے رفقاء و مریدین کو عمل کا درس دیتا ہے۔ وہ خلاف شرع اُمور کو شیطانی اُمور تصور کرتا ہے اس لئے وہ ان سے مکمل طور پر بیزاری کا اظہار کرتا ہے اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایسی ہی عادت تھی کہ جب آپ کسی کو خلاف شرع کوئی کام کرتے دیکھتے تو فوراً غضبناک ہو جاتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ریلوے کا سپرنٹنڈنٹ جو داڑھی مونچھ صاف اور سر پر انگریزی ٹوپی سجائے ہوئے، حاضر خدمت ہو۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا: تم کتنی تنخواہ لیتے ہو؟'' اس نے جواب دیا: تقریباً

بارہ سو۔آپ جوش میں آ گئے اور اس کے چہرے پر زور سے طمانچہ مارا، اس کی ٹوپی دور جا گری ،اور شیر کی طرح گرجتی ہوئی آواز میں فرمایا: ’’کیا تمہاری یہ تنخواہ تمہیں منکر ونکیر سے بچا لے گی؟ کیا پل صراط سے اس کے سہارے گزر جاؤ گے؟ اور کیا حساب و کتاب کے وقت رشوت دے کر تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ کیا مسلمانی اسی کا نام ہے؟‘‘۔ پھر ارشاد فرمایا: ’’قانون خداوندی بھی کسی چیز کا نام ہے۔اس پر کون آ کر عمل کرے گا؟ اپنے خالق و مالک کا کچھ حق تو سمجھو!‘‘ آپ کی تادیبی گفتگو کے نتیجے میں وہ ہمیشہ کے لیے تائب ہو گیا۔

☆

لباس میں تہبند، کرتا، ٹوپی اور دستار سنت ہے چنانچہ جب کوئی کف و کالر والی قمیص پہنے ہوئے حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتا تو آپ اس کی تادیب فرماتے۔ایک دفعہ حضرت شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید خدمت میں حاضر ہوا جو تازہ تازہ محکمہ پولیس سے ریٹائر ہوا تھا اور اس نے قمیص زیب تن کی ہوئی تھی، آپ نے اسے قمیص پہننے سے منع کیا، دوسرے دن حاضر ہوا تو فرمایا کہ کف و کالر والی قمیص پہننا خلافِ سنت ہے لیکن اس نے توجہ نہ دی حتیٰ کہ آپ نے اس کی آستینوں کے کف از خود پھاڑ ڈالے، اس نے عرض کیا حضور! میں خود پھاڑ دیتا ہوں‘ فرمایا: یہ تکلیف میں خود ہی کر لیتا ہوں، آپ کیوں اٹھائیں؟‘‘

☆

اولیائے کرام کا ایک امتیازی نشان خشیتِ باری تعالیٰ ہے چنانچہ جناب محمد امین شرقپوری لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ موسم گرما میں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے احباب کی معیت میں مسجد کی چھت پر تشریف لے گئے اور سکر کے عالم میں اچانک سائے سے اُٹھ کر یہ بات کہتے ہوئے شدید دھوپ میں لیٹ گئے کہ اللہ تعالیٰ کی دھوپ سے بھی لطف اندوز ہونا چاہیئے۔ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ شدت حرارت کے باعث آپ پسینے میں نہا گئے۔ کچھ دیر بعد دھوپ میں اُٹھ کر بیٹھ گئے اور آسمان کی طرف چہرہ انور کر کے عرض کیا:

''اللہ کریم! اب مینہ برسا کر ٹھنڈ فرما دے، تیرے لیے کیا مشکل ہے؟''

اسی وقت بادل ظاہر ہوئے، بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا اور لوگ بارش سے بچنے کے لیے چھت کے نیچے چلے گئے اور آپ نے رو رو کر بارگاہِ صمدیت میں عرض کیا: پتہ نہیں اللہ کریم کو مینہ برسانا منظور تھا یا نہیں، میں نے ایسی خواہش کیوں کی؟ کئی ایام تک آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری رہے۔

تقویٰ اور حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع الیٰ اللہ کا درس زبانی نہیں بلکہ عملی انداز میں اِس طرح پھیلایا کہ اپنے تمام بیلیوں (یعنی زیرِ تربیت لوگوں) کو ہر چیز قبلہ رُخ رکھنے کی ہدایت فرماتے۔ اِک عجیب منظر دیکھنے کے قابل ہوتا، ہر چیز کا رُخ قبلہ کی طرف ہونے کی وجہ سے شعوری اور لاشعوری طور پر انسان کے دل و دماغ اللہ کریم جل شانہٗ کی طرف راغب ہو جاتے اور وہی انسان جو کل تک گناہوں کے صحرا میں گم تھا آج اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہٗ کے ایک پیارے بندے کی بارگاہ میں آکر قربِ خداوندی کے نخلستان میں پناہ گزیں ہو چکا ہوتا۔ آپ کے پاس رہنے والے پوشیدگی کے ساتھ اپنے دلوں میں اُس خالق و مالک، اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہٗ کو یاد کرتے اور منزلیں طے کرتے جاتے۔ آپ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، عبادات، ذکر اذکار حتیٰ کہ سفر و حضر میں بھی آپ سنتِ پاک اور شریعتِ مطہرہ کی متابعت کا بھرپور خیال فرماتے۔

☆

محمد مہر الدین کھوکھر سکنہ شیخوپورہ جوانی کے عالم میں سخت آزمائش میں مبتلا ہو گیا۔ عین ممکن تھا کہ وہ پھسل جاتا مگر خوش قسمتی سے حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کا خیال پیدا ہوا۔ دربار عالیہ میں پہنچا اور کافی دنوں تک وہاں قیام کیا۔ ایک دن ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد ایک خادم اِسے بلا کر لے گیا، وہاں ایک بڑا کمرہ زیرِ تعمیر تھا اور اس پر گارڈر

چڑھائے جا رہے تھے۔ ان گارڈروں پر زنگ سے بچاؤ کے لیے تارکول لگایا گیا تھا۔ اِس نے گارڈر کو کندھے کا سہارا دے کر اوپر اٹھا کر دیوار پر رکھ دیا۔ سیڑھی سے نیچے اتر کر دیکھا تو قمیص پر تارکول لگ چکا تھا۔ دل میں افسوس پیدا ہوا کہ قمیص ضائع ہوگئی۔ ساتھیوں کے ساتھ جب باہر نکلنے لگا تو حضرت صاحب نے داغدار کندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ ''انسان کو جسم کے داغ سے بچنا چاہیے۔ کپڑے کے داغ معمولی ہوتے ہیں'' مہرالدین اس وقت دل و دماغ میں ایک انقلاب سا محسوس کر رہا تھا، دوسرے دن گھر پہنچا تو حالات بدل چکے تھے اور حضرت قبلہ نے نہ صرف باہر کے داغ دھو دیے بلکہ اندر کے داغ بھی صاف کر دیے۔

☆

ایک دن حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے صحن میں کیکر کے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے۔ صفیں بچھی ہوئی تھی۔ ایک کار سامنے سڑک پر آ کر رکی اس میں سے چند آدمی نکل کر آئے اور سلام کر کے دوسری صف میں بیٹھ گئے۔ آپ نے ان کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا ''بیلیو! کہاں سے آئے ہو اور کس غرض سے آئے ہو؟ ایک نے عرض کیا کہ حضور! ہم لاہور سے آئے ہیں اور (ایک ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ) یہ آدمی بہت بیمار ہے۔ اس کے لیے دعا کروانے کی غرض سے آئے ہیں۔ آپ نے کوئی دوا تجویز فرما دی اور کہا کہ جاؤ، اللہ تعالیٰ اس کو صحت عطا فرما دیں گے۔ دوائی انہوں نے لکھ لی اور پھر پوچھا کہ حضور! کوئی پرہیز ہو تو ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا، حلال و حرام کی تمیز کیا کرو اور حرام سے پرہیز کرو۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش رہے اور پھر پوچھا کہ کون سی چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔ اس پر آپ جلال میں آ گئے اور فرمایا جو میں کہتا ہوں، اس کا خیال نہیں کرتے یا جس چیز سے پرہیز ضروری ہے ادھر توجہ نہیں دیتے اور پرہیز کی رٹ لگا رکھی ہے۔

☆

حضرت سیّد محمد اسمٰعیل شاہ بخاری، حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ ذکرِ الٰہی کے اسرار،

حقائق اور فضائل سے لوگوں کو آگاہ فرماتے رہے۔ آپ کا طریقہ تھا کہ جب کسی کو خط لکھتے تو اُس میں ایک جملہ ''ذکرِ الٰہی ضروری! جیسے موت ضروری!'' تحریر فرماتے۔ اِس جملے کا مقصد مخاطب کو ذکرِ الٰہی کی دائمی افادیت اور حقیقت سے آگاہ کرنا تھا یعنی جس طرح موت میں کوئی شک نہیں اور اُس کا عدم تصور محال ہے، اِسی طرح ذکرِ الٰہی کے بغیر اللہ کریم جل شانہٗ تک رسائی ممکن نہیں۔

☆

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں سندھ کے علاقہ نواب شاہ سے ایک مستری غلام نبی حاضر خدمت ہونے کے لیے روانہ ہوئے۔ اُن کی اہلیہ بیمار تھی۔ بسیار علاج معالجہ کے باوجود کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ 1945ء میں وہ دہلی میں مقیم تھے۔ وہاں علاج معالجہ جاری رہا لیکن افاقہ نہ ہوا۔ پھر پاکستان بننے پر لائل پور (فیصل آباد) اور اوکاڑہ میں بھی علاج کروایا مگر بے سود۔ آخر رات کو خواب میں بشارت پا کر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حضرت کرماں والا شریف حاضری کے لیے روانہ ہوئے۔ اوکاڑہ سے ان کے دو رشتہ دار بھی اُن کے ساتھ ہو لیے۔ ان میں سے ایک پوستی تھا اور دوسرا حافظِ قرآن۔ جب صدر دروازے سے یہ تینوں اندر داخل ہوئے تو حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ سامنے چہل قدمی فرما رہے تھے۔ آپ نے ان کی طرف دیکھتے ہی فرمایا، یہ ایک آدمی یہاں ٹھہرے اور دوسرے دونوں کو باہر بھیج دو۔ ان کے دونوں ساتھی باہر چلے گئے تو آپ نے فرمایا ''ہاں بھئی! تیرے ساتھ ابھی بات کریں گے تم ادھر صف پر بیٹھو''۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح تقریباً نصف گھنٹہ تک ادھر ادھر چلتے پھرتے رہے۔ بعد ازاں آپ آ کر چارپائی پر بیٹھ گئے۔ باہر سے لوگوں کو باری باری بلانا شروع کر دیا۔ سب سے باتیں ہوتی جاتی تھیں۔ جب ان کی باری آتی تو فرما دیتے۔ ''تم ٹھہرو، تمہارے ساتھ بھی بات کرتے ہیں'' اسی طرح تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد پانچ مرتبہ بات کرنے کی اجازت چاہی مگر موقع نہ ملا۔ آخر آپ نے فرمایا کہ وہ مصلیٰ اٹھا کر لاؤ اور ادھر چارپائی کے قریب بچھا دو۔ پھر اس پر دوزانو بیٹھنے کے لیے ارشاد ہوا۔ بعد ازاں فرمایا ''سر کے بال سنت کے مطابق کٹوایا کرو اور داڑھی

رکھو" ان کے بال انگریزی طرز کے تھے اور داڑھی منڈی ہوئی تھی۔ پھر کچھ اور بھی نصیحتیں فرمائیں جوان کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئیں۔ پھر فرمایا "اب جاؤ" یہ ابھی چند قدم ہی گئے تھے کہ فرمایا "ٹھہرو" یہ رک گئے۔ فرمایا "کھوی گھاس کو پانی میں اُبال کر صبح کے وقت بیوی کو پلا دیا کرو۔ اللہ کریم مہربانی فرما دیں گے"۔ پھر آپ نے ان کے ساتھی پوستی کو فرمایا "سناؤ میاں پوستی تم کیسے آئے؟" اور حافظ سے مخاطب ہو کر فرمایا "تم صرف آنکھوں کے حافظ ہو یا قرآنِ پاک بھی یاد ہے" اس نے کہا جی، قرآن پاک کا بھی حافظ ہوں، تیس سپارے حفظ کیے ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہمیں تو قرآن پاک کا ایک لفظ ساری ساری رات بے قرار رکھتا ہے، تیرے اندر تیس سیپارے ہیں۔ اچھا فلاں جگہ سے پڑھو۔ حافظ نے ہر چند کوشش کی لیکن وہ رکوع نہ سنا سکا، اس پر آپ نے فرمایا کہ جو شخص ماں باپ کا نافرمان ہو اور رات کو فاحشہ عورتوں کے دروازے کھٹکھٹاتا پھرے، قرآن پاک اس کے سینے کے اندر کیسے رہ سکتا ہے۔ وہ شرمسار ہو کر زار و قطار رونے لگا اور دل سے تائب ہوا۔

تقویٰ اور حضرت بابا جی سیّد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت کرماں والے کے صاحبزادے، بابا جی سیّد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ چک نمبر 36 پاکپتن تشریف لے گئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک درویش نے آپ کے لئے کھانا پکایا لیکن اسکے پاس پیاز نہ تھا۔ اس نے پڑوسیوں کی زمین سے بغیر اجازت پیاز توڑ کر استعمال کر لیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کھانا کھانے بیٹھے اور ابھی پہلا لقمہ ہی توڑا تھا تو آپ نے اس درویش کو بلایا اور اس سے دریافت کیا کہ اس میں پیاز کہاں سے لے کر ڈالا ہے اور جب اس درویش نے بتایا کہ پڑوسیوں کی زمین سے بغیر اجازت پیاز توڑ کر سالن میں استعمال کیا ہے تو قبلہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ کھانا تناول نہ فرمایا۔

سنتِ پاک اور شریعت پر عمل

اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری، شریعت کی متابعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں پر

عمل کرنا اولیائے عظام کی خاص نشانی ہے۔ چونکہ صوفیاء اور اولیاء کو نبی اکرم ﷺ اور اپنے مرشدِ طریقت کے ساتھ بے انتہاء محبت ہوتی ہے، اِس لیے وہ اُن کے ہر عمل کو حرزِ جاں بنا کر اپنا لیتے ہیں۔ ہر عمل میں اُن کی تقلید کرتے ہیں۔ مخالفت میں کچھ کرنا تو درکنار، وہ اُن کے طریقے کے برعکس چلنے کا گمان بھی پیدا نہیں ہونے دیتے۔ یہی سچے پیروکار کی علامت ہے جبکہ جھوٹوں کے لیے کوئی اُصول یا ضابطہ نہیں ہوتا۔ ڈھونگ رچانے والوں کے لیے ابلیسی تاویلوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہوتی لیکن اُن کو کامیابی کی بجائے اُخروی منازل میں رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے روز وشب کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ پاکباز لوگ عبادات اور معاملات میں رسول اکرم ﷺ کی اتباع تو کرتے ہی تھے مگر اتفاقی اُمور میں بھی وہ آپ ﷺ کی پیروی کو اپنے لئے سرمایۂ حیات اور ذریعہ نجات سمجھتے تھے۔ اس حوالے سے کتب حدیث میں بے شمار مثالیں ہیں۔ ایک مرتبہ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اونٹنی کی نکیل پکڑے اسے ایک ویران مکان کے گرد گھما رہے ہیں۔ لوگوں نے حیران ہو کر اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: میں نے ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی اس جگہ ایسا کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ حقیقی دل بستگی کا ایک اظہار تھا۔ صحابہ کرام نے آفتابِ نبوت کی ایک ایک کرن کو اپنے قلب ونظر میں بسا لیا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کسی مقام پر نبی کریم ﷺ نے تبسم فرمایا تو جس کسی صحابی نے آپ کو دیکھا، وہ اُس مقام پر جب بھی آیا، ضرور مسکرایا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے آپ ﷺ کو ایک درخت کے نیچے سے سرِ اقدس جھکا کر گزرتے ہوئے دیکھا تو آپ بھی اُس درخت کے نیچے سے سر جھکا کر گزرتے حالانکہ آپ کو شاخیں چھوا بھی نہیں کرتی تھیں۔ جب ایسے معاملات میں صحابہ نبی کریم ﷺ کی اتباع کیا کرتے تھے تو اندازا لگایا جا سکتا ہے کہ ضروری اُمور میں وہ کیا کرتے ہوں گے۔

اتباعِ سنت وشریعت اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی کے ماتحت مختلف کتابوں میں مندرج ہے کہ آپ نے ساری زندگی خربوزہ نہیں کھایا اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اِس بات کا پتہ نہیں چل سکا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خربوزہ کیسے کھایا چنانچہ اِس خوف کی وجہ سے میں نے کبھی خربوزہ نہیں کھایا کہ کہیں سنتِ پاک کی مخالفت سرزد نہ ہو جائے۔

اِسی طرح ایک مرتبہ آپ کسی بزرگ سے نیاز حاصل کرنے کے لیے پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ انہوں نے کعبہ کی جانب تھوک دیا۔ یہ دیکھ کر آپ ملاقات کیے بغیر واپس تشریف لے آئے اور فرمایا کہ اگر وہ بزرگ طریقت کے درجوں کو جانتا تو شریعت کے منافی ایسا کام ہرگز نہ کرتا۔

اتباعِ سنت وشریعت اور حضرت خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی میں درج ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اپنے پیرومرشد کے شیخ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں قیامت میں آپ کی قربت وموافقت چاہتا ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا: ”شریعت پر عمل کرتے رہیں۔“

اتباعِ سنت وشریعت اور حضرت شیخ مجددالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ طریقت کے طالبین کو اکثر فرماتے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہمیں جو بزرگی عطا کی ہے اس میں ہمارے علم اور عمل کو کوئی دخل نہیں بلکہ حضرت رب العالمین نے یہ عزت ہمیں محض اپنے فضل وکرم سے عنایت کی ہے اور اس ”فضل وکرم“ کے لیے اگر ہمارے پاس کوئی بہانہ ہو سکتا ہے تو وہ اتباعِ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ ہمیں جو عطا ہوا ہے، اسی اتباعِ سنت وشریعت کے باعث ملا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ اتباعِ سنت وشریعت کے زبردست حامی وپابند تھے۔ معمولی کاموں میں

بھی سرکار دو عالم ﷺ کی تابعداری اور ادب کو ملحوظ رکھتے اور اگر کسی واقعہ یا معاملہ میں (بوجہ بشریت) بھول چوک ہو جاتی تو بہت پچھتاتے ۔ چنانچہ ایک روز کا واقعہ بیان فرمایا کہ ''میں نے بھول کر طہارت خانے میں جاتے ہوئے پہلے دایاں قدم رکھ دیا، جس کی وجہ سے اس روز کئی احوال (بطورِ سزا) مجھ پر بند ہو گئے۔

اِسی طرح ایک روز طہارت خانے سے فوراً ہی باہر نکل آئے ، کیونکہ پاؤں کے ایک انگوٹھے پر روشنائی کا ''نقطہ'' لگا ہوا تھا۔ جسے حضرت نے دوران تحریر آیاتِ قرآنی ناخن پر لگا لیا تھا مگر پانی سے صاف کرنا بھول گئے۔ آخر اُسے دھو کر بیت الخلاء میں داخل ہوئے۔

ایک مرتبہ آپ نے خادم سے چند لونگیں طلب کیں، وہ چھ عدد نکال کر لائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: وتر کی ''رعایت'' ملحوظ رکھو کیونکہ یہ مستحب ہے لیکن لوگوں کو مستحب کی قدر معلوم نہیں، مستحب اللہ پاک کو پسند ہے۔

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''موجودہ زمانہ عہدِ مبارک جناب رسالتمآب ﷺ سے دور ہو گیا ہے اور بہت سے مفاسد، بدعت، فسق و فجور اس دور میں پیدا ہو گئے ہیں اس لیے بغیر اتباعِ سنت نبویہ راستے کا ملنا دشوار ہے۔ خوارق و کرامات نہ ارکانِ ولایت سے ہیں اور نہ شرائط ولایت سے، کیونکہ ولایت کی سب سے بڑی دلیل اتباعِ سنتِ جنابِ نبی کریم ﷺ ہے اور ولی کی یہی تعریف ہے کہ وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا طالب اور حضور سرکار دو عالم ﷺ کا تابع ہو''۔

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ جب سے آپ نے ہوش سنبھالا، آپ نے کوئی کام خلافِ سنت و شریعت نہیں کیا بلکہ آپ کا ایک فرمانِ ذیشان کچھ ایسے مفہوم کے ساتھ کتابوں میں ملتا ہے کہ ''دوپہر کے وقت کچھ دیر کے لیے قیلولہ کرنا (یعنی سنتِ پاک کی نیت سے سونا)، ساری رات جاگ کر نوافل پڑھنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: '' طریقہء صوفیاء میں سے طریقہ عالیہ

نقشبندیہ کا اختیار کرنا بہت مناسب اور بہتر ہے کیونکہ ان نقشبندی بزرگوں نے اتباعِ سنت و شریعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعات سے اجتناب کیا ہے۔(مکتوب نمبر 266)

اتباعِ سنت و شریعت اور حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

شیر ربانی، حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ اتباعِ سنت و شریعت کی لگن میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ آپ تارکِ سنت و شریعت دیکھ کر ہرگز خاموش نہ رہتے۔ کسی بھی طریقے سے اصلاح فرماتے مگر جب تک متابعتِ سنتِ پاک نہ ہو جاتی، آپ کو چین و قرار نہیں آتا تھا۔

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد حضرت بابا امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ (کوٹلہ شریف) کا شرقپور شریف میں آمد و رفت کا سلسلہ حضرت کی پیدائش سے قبل کا تھا۔ ایک دفعہ بابا امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ شرقپور شریف میں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر تشریف لائے جبکہ اونٹنی کے گھٹنوں کو گھنگرو باندھ رکھے تھے۔ حضرت میاں صاحب نے اپنے مرشد کو شرعی مسئلہ بتاتے ہوئے عرض کیا: ''حضور! اگر آپ گستاخی تصور نہ فرمائیں تو شرعی مسئلہ یہ ہے کہ گھنگرو باندھنا منع ہے۔'' بابا امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر اظہارِ مسرت کرتے ہوئے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے گلے سے لگا لیا اور ارشاد فرمایا: ''آپ کی اور میری مثال حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہے۔'' اور پھر گھنگروؤں کو فوراً اُتروا دیا۔

ایک دن ملک مہدی زمان خان ڈپٹی کمشنر گجرات حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ آپ (یعنی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے مجھے حضرت پیر جماعت علی شاہ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کا حکم دیا تھا، وہاں گیا تھا مگر تشنگی پھر آپ حضور کے پاس کھینچ لائی ہے۔ مکان شریف بھی حاضری دی تھی۔ وہاں کچھ سکون قلب حاصل ہوا تھا۔ قرآن پاک کی تلاوت میں کبھی ناغہ ہو جاتا ہے، حضرت! آپ دعا فرمائیں کہ ناغہ نہ ہو۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''ڈپٹی صاحب! کسی کام کے لیے جب کمشنر آپ کو حکم بھیجتا ہے تو آپ تعمیل کرتے ہیں یا اُسے دعا کے لیے لکھتے ہیں۔ افسوس اس وقت تو خود بخود عمل

ہو جاتا ہے‘‘۔دوپہر کے وقت ان کے لیے دستر خوان بچھایا گیا وہ کھانا کھانے کے لیے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے، حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ’’اس طرح تو شداد، ہامان اور فرعون بیٹھتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں بندہ ہوں اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں۔اس لیے ہم مسلمانوں کو اسی طرح بیٹھنا چاہیے کہ جس طرح ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا ہے۔ہمیں بائیں پاؤں کو زمین پر بچھا کر اور دائیں کو کھڑا کر کے کھانے کے لیے بیٹھنا چاہیے۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

☆ تلوار ہاتھ میں ہو تو منکرینِ سنت کی گردن ماردی جائے۔

☆ قرآن اور سنت پر عمل کیا کرو۔

☆ جو فساد کے زمانہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہوگا، قیامت کے دن آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کی خود شفاعت کریں گے۔

☆ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے معمولی سا ہٹ جانا بھی کھلی ہوئی ضلالت (گمراہی) ہے اور اس کا نتیجہ دنیا اور آخرت کے نقصان کی صورت میں نکلتا ہے۔

☆ ہم چلہ کشی پسند نہیں کرتے، ہمارے لیے تو اتباعِ سنت وشریعت ہی کافی ہے۔کلمہ طیبہ ہمارے لئے کافی ہے۔

☆ ہم سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنا جانتے ہیں، فقیری نہیں جانتے۔

اتباعِ سنت وشریعت اور حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ اتباعِ سنت وشریعت کے بیحد گرویدہ تھے۔ آپ کے مریدین کی پہچان ہی یہ تھی کہ وہ تارکِ سنت نہیں ہوتے تھے بلکہ سر پر پانچ کلی ٹوپی، سفید لباس، عمامہ اور چہرے پر داڑھی مبارک سجی ہوئی نظر آتی۔

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات پر مشتمل کتب میں آپ کا

تعارف کچھ اِس طرح مندرج ہے:

''حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اُس دور کے بلند ترین انسان تھے جب کہ مذہبی لبادہ اوڑھنا تو کجا وضع داری کو نبھانا بھی کار دارد تھا۔ وہ دینی اور روحانی علوم سے مالا مال تھے۔ وہ مستحکم ارادے کے مالک اور بلند عزائم کے حامل تھے۔ انہوں نے دنیا کو محض تصوف کی نگاہ سے نہیں دیکھا' بلکہ دنیاوی اعتبار سے بھی وہ بہت بڑے مفکر تھے۔ طریقت کے گرویدہ اور شریعت کے پابند تھے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ شریعت ان کی خادمہ تھی اور طریقت لونڈی۔ اسّی برس کی طویل عمر میں قدم قدم پر آداب شریعت کو ملحوظ رکھنا انسانوں کا نہیں، فرشتوں کا ہی کام ہوسکتا ہے۔ اپنے آقا و مولا حضور سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معمولی سے معمولی سنت پر بھی ہمیشہ عمل پیرا ہونا اور کار بند رہنا، حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہی کام تھا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ساری عمر دوسروں کو بھی شریعت وطریقت کی پابندی کی تلقین فرمائی۔ ہمیشہ زبان مبارک سے اتباعِ سنت و شریعت کی خوبیاں ہی بیان فرماتے۔'' (کتاب ''میری سرکار'')

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس مبارک میں حاضری دینے والے کو آپ کی نشست و برخاست میں حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تصویر معلوم ہوتی تھی۔ سب لوگ باادب اور دو زانو بیٹھتے۔ مختصر اور پر اسرار انداز میں باتیں بھی ہو رہی ہوتیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ارشادات فرما رہے ہوتے جبکہ حاضرین ہمہ تن گوش نظر آتے۔ ہر وقت شریعت کی پیروی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنے پر زور دیتے۔ کوئی ہو ہا کا زور' کوئی نعرۂ مستانہ نہیں' کوئی تعویذ دھاگہ نہیں' کوئی ٹونا ٹوٹکا نہیں' بس نماز کی تلقین ہے اور توحید و محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم۔ اگر تم سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر نہیں تو کچھ بھی نہیں، خواہ آسمان پر اُڑ کر دکھاؤ یا سطح آب پر دوڑنے لگو۔ ولایت یہی ہے کہ سچے مسلمان بن جاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی سچی پیروی کرو۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کسی کو براہ راست تنبیہ نہیں فرماتے تھے بلکہ اسے

اشاروں‘ کنایوں سے سنت اور فرض کی اہمیت سمجھا دیتے تھے۔ مثلاً میرے (مولوی محمد امین شرقپوری کے) ایک عزیز داڑھی منڈواتے تھے۔ انہیں ایک روز میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ”بابو جی دیکھئے انہیں داڑھی کیسی اچھی لگتی ہے۔“ بس اس روز کے بعد انہوں نے داڑھی منڈوانی چھوڑ دی۔ بعض احباب جو نماز پڑھنا ایک بوجھ سمجھتے تھے، حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی ہی ملاقات پر نماز کے عادی بن گئے۔ وہ لوگ جو نیند کے غلبے سے تہجد کے وقت نہیں اٹھ سکتے تھے اکثر و بیشتر حضرات محض آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد گرامی پر ہی گہری نیند سے چونک پڑتے۔ ان کا بیان ہے کہ انہیں ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے کوئی انہیں اس وقت جھنجوڑ کر جگا رہا ہے۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ دربار کرموں والا شریف ضلع فیروز پور میں تشریف فرما تھے فرمانے لگے ”دنیا کے کاموں والے تو بہت آتے ہیں مگر اللہ کا راستہ پوچھنے والا کوئی کوئی آتا ہے“۔ ہر وقت نیک کاموں کی تلقین فرماتے رہتے اور شریعت کے حکم کے مطابق لباس اور داڑھی رکھنے کی تاکید فرمایا کرتے۔

میر منظور محمود امرتسری تحریر فرماتے ہیں‘ سیدنا حضرت محمد اسماعیل شاہ صاحب‘ حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے قطب‘ مجدد اور عظیم داعیِ شریعت تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ صرف پیر ہی نہیں، عالم بھی تھے، طبیب بھی‘ رئیس بھی تھے اور زمیندار بھی۔ اس پر بھی سادہ دلی‘ بردباری‘ انکساری کا طریقہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ ان کی مجالس میں خاموشی ہوتی۔ افراد کو نشست و برخاست کیلئے ضابطہ‘ سنتِ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پابندی مدنظر رکھنا پڑتی‘ جن کی طبیعت پر یہ روش بھاری محسوس ہوتی وہ جلد کھسک جاتے‘ اور سرِ محفل وہی رہ جاتے جنہیں اسلامی طور طریقہ اپنانے کا شوق ہوتا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجالس میں سرورِ عالم، تاجدارِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابِ پاک کی مجالس کا ماحول اپنائے رکھتے تھے اور جو اس قسم کے ماحول سے اُکتا جاتا اسے محفل سے رخصت کر دیتے۔

ایک کامل پیر کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تر و تازہ رکھے‘

خود اس پر عمل کرے اور اپنے زیر اثر افراد کو عمل کرنے کی ترغیب دے۔ اگر کوئی پیرو مرشد اِن اوصاف سے متصف نہیں تو ہمیں بھی کسی بھنگی' چرسی اور خلافِ شرع فقیر کی ضرورت نہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ آج کل عوام انہی مستوں' ملنگوں کے پیچھے پڑے ہیں' بات دراصل یہ ہے کہ اسلام سے لگاؤ کسی کو نہیں، سب غرض کے بندے ہیں۔ دنیا کی اغراض نے انہیں دین سے دور کر دیا ہے۔ انہیں حرص و ہوس کے سوا اور کچھ بھی درکار نہیں ہے۔ یہ لوگ صاحبِ شریعت بزرگوں سے کتراتے ہیں۔ انہیں نماز پڑھنا' روزہ رکھنا' صبح و شام ذکر و فکر میں کچھ وقت بیٹھنا گراں معلوم ہوتا ہے مگر شب و روز ہیر پھیر میں مشغول رہنے کو بوجھ نہیں سمجھتے۔

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ اُن بزرگوں میں سے تھے، جن کا اوڑھنا' بچھونا صرف شریعت تھی۔ وہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پکے پیروکار تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے علمبردار تھے۔ ان کے ہاں بعض ایسی رسومات جو دیگر سلسلوں کے ہاں جائز سمجھی جاتی ہیں' وہ بھی مفقود تھیں۔ یہاں نماز کی تاکید تھی اور ان مشاغل کی تلقین جو حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے جاری ہیں۔

آپ کا قول تھا کہ جو شرع شریف کا پابند نہیں، اُسے ولی نہ مانو خواہ ہوا میں اڑتا ہو۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے عام ملنے والوں کو محض نماز اور درود شریف کی تلقین فرماتے۔ طویل وظائف اور عبادتوں سے روکتے۔ البتہ آپ کی یہ دلی تمنا تھی کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سی شکل و صورت بنانے کی کوشش کریں یعنی داڑھی نہ منڈوائیں اور لباس و اطوار میں صحیح مسلمان نظر آئیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے۔ ''یارو! اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھا' سب سے حسین و خوبصورت سراپا اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی بنایا ہے، سب سے بہتر کردار بھی حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی کردار ہے اور جب ہم بھی ویسی صورت' ویسی ہی سیرت بنانے کی کوشش کریں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی''۔

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک بابو کہنے لگے۔ ''قبلہ! داڑھی میں کیا رکھا ہے؟ دل صاف ہونا چاہئے''۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے' ہم نے تاڑ لیا کہ بابو صاحب کا یہ فقرہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو پسند نہیں آیا اور شاید ابھی اِس پر جلال فرمائیں گے، مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کمالِ ضبط کرتے ہوئے فرمایا: ''بھلے لوگ! تمہارا قرآن پر ایمان ہے؟''، اُس نے عرض کیا: ''جی ہاں' کیوں نہیں۔ آخر میں مسلمان ہوں۔'' آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے: ''قرآنِ پاک میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوہ کو اسوۂ حسنہ کہا گیا ہے اور یہ داڑھی رکھنا اسی اسوۂ حسنہ کا ایک عمل ہے۔ پھر جا بجا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تقلید اور اطاعت کا حکم ہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی فعل کی مذمت کرنا کسی ہوش مند مسلمان کا کام نہیں''۔

کچھ دیر توقف فرمانے کے بعد کہنے لگے: ''بابو جی تم دل کی صفائی کا ذکر کرتے ہو۔ دل کا بھید تو خدا جانتا ہے، ظاہری صورت بھی درست کرو' تا کہ لوگ بھی اچھا جانیں اور زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ شاید اللہ کریم ظاہر کے خاکے میں حقیقت کا رنگ بھر دیں اور یہ یاد رکھو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''اے مسلمانو! جس نے میری شکل وصورت کی طرح صورت بنائی' اللہ پاک اس کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھیں گے۔ لہٰذا من تشبہ کا ثواب حاصل ہوگا۔ پھر آپ نے یہ واقعہ سنایا:

ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نقل اتارا کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت کا عارضہ تھا۔ یہ بدبخت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نقل اتارا کرتا۔ آپ کی دل آزاری ہوتی۔ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جنابِ باری تعالیٰ میں شکایت کی۔ ''یا اللہ! فلاں شخص میری نقل اتارتا ہے۔' مجھے دکھ ہوتا ہے، اسے سزا دے''۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا۔ ''اے موسیٰ! وہ شخص تو مجھے بھلا لگتا ہے''۔

''یا اللہ وہ کیسے؟''

''کیونکہ وہ تمہاری نقل اتارتا ہے' تمہارا لب ولہجہ اختیار کرتا ہے۔''

اب تم سوچو کہ اللہ تعالیٰ کتنے کریم ہیں۔ ایک کم بخت دل آزاری کیلئے جناب موسیٰ علیہ السلام کی نقل اتارتا ہے مگر مشابہت کی وجہ سے باری تعالیٰ اسے بھلا کہتے ہیں۔ اگر تم تقلید اور اطاعت کی نیت سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سی صورت بناؤ گے تو تمہیں کتنا اجر ملے گا؟ خود ہی قیاس کرو۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ میرے پاس آنے والے غرض اور مرض لیکر آتے ہیں حالانکہ جس مقصد کے لیے میں بیٹھا ہوں، وہ کوئی نہیں پوچھتا اور وہ مقصد یہ ہے کہ کوئی مجھ سے اللہ، اللہ کا طریقہ پوچھے اور میں اُسے بتاؤں۔

میری سرکار رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے۔ لوگو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان فرمانے اور توحید کا سبق دینے تشریف لائے تھے، افسوس مسلمان توحید سے دور ہوتے جا رہے ہیں تصوف کی آڑ میں بعض افراد نے گمراہی پھیلائی حتیٰ کہ شرکیہ افعال کا ارتکاب کیا۔

غیر متشرع صوفیوں نے اپنے کاروبار چمکا رکھے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس مقدس کام کیلئے تشریف لائے تھے، وہ کسی کو یاد نہیں۔ بہت سے صوفی نماز پڑھتے ہی نہیں، بس سماع پر زور ہے۔ مگر میں تمہیں بتادوں کہ ان امور کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام وہی ہے جو حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت سے ہم تک پہنچا ہے۔

اخلاص

اخلاص کے لغوی معنی ''پاک صاف ہونے'' اور ''خالص'' ہونے کے ہیں۔ حضرت امام راغب اصفہانی نے اخلاص کی تعریف یوں فرمائی ہے:

''اخلاص یہ ہے کہ ہر ماسوائے اللہ سے دل کو پاک کرلیا جائے۔''

(امام راغب اصفہانی، المفردات القرآن:155)

اخلاص کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ انسان زندگی میں جو بھی عمل کرے اور جس سطح یا جس شکل کی بھی عبادت کرے، اس کا دل اس عبادت اور عمل میں صرف اور صرف اس بات پر مطمئن ہو کہ

میں یہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کر رہا ہوں۔ اپنے دل کو ہر قسم کی نفسانی، ظاہری و باطنی خواہشات سے پاک کرنے اور اپنی بندگی کو دنیا کے مفاد حتیٰ کہ اپنے ہر عمل و عبادت کو اپنی حرکات وسکنات کو بلکہ اپنی زندگی کی ساری جہتوں کو ہر طرف سے ہٹا کر صرف اللہ کی رضا میں خود کو گم کر دینا اخلاص کہلاتا ہے اور اِسی لیے اخلاص ہی عمل کی روح ہے۔ اگر عمل سے اخلاص کو خارج کر دیا جائے تو عمل بے جان ہو جاتا ہے۔

اولیائے متقدمین اپنے اعمال میں اخلاص کو مدِنظر رکھتے تھے اور اپنے مریدین کی تربیت بھی اِسی نہج پر فرماتے کہ وہ اپنے اعمال سے ریا کاری یا دکھاوا نکال پھینکیں اور اعمال خالصتاً اللہ تعالیٰ جلشانہٗ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے سرانجام دیں۔

اعلیٰ کردار کے حصول کی منزل کا آسان راستہ اخلاص بھی ہے۔ اگر نیت میں اخلاص ہو تو کردار کی مضبوطی ناقابل تسخیر صورت اختیار کر جاتی ہے۔ اخلاص کی عدم موجودگی شخصیت کو داغدار کر دیتی ہے اور یہ نقص دین کی تبلیغ و اشاعت میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار شخص تھا۔ اُس نے سنا کہ کچھ لوگ خدا کو چھوڑ کر ایک درخت کی پوجا کرنے لگے ہیں۔ وہ کلہاڑا لے کر درخت کاٹنے کے ارادہ سے چلا۔ راستے میں اسے ابلیس ملعون ایک بوڑھے کی شکل میں ملا اور کہا کہ خدا تم پر رحم کرے، کیا ارادہ ہے؟ اُس عابد نے بتایا کہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ایک درخت کو پوجنے لگے ہیں لہذا میں اُسے کاٹنے جا رہا ہوں۔ ابلیس نے کہا کہ کس چکر میں پڑ گئے۔ خواہ مخواہ اپنی عبادت چھوڑ دی اور اس کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ اگر تم نے اسے کاٹ بھی دیا تو لوگ اس کے سوا کسی اور کو پوجنے لگیں گے۔ عابد نے کہا میں اُسے ضرور کاٹ کر رہوں گا۔ ابلیس نے کہا میں اسے نہیں کاٹنے دونگا۔ چنانچہ عابد اس سے مقابلہ کرنے لگا اور اُسے زمین پر پچھاڑ دیا اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ ابلیس نے کہا مجھے چھوڑ دو، میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ عابد نے اُسے چھوڑ دیا تو اُس نے کہا اللہ تعالیٰ نے تجھے اس سے سبکدوش کر دیا ہے۔ تیرے علاوہ اور بہت سے اس کے نیک بندے ہیں اگر چاہے گا تو اُن میں

سے کسی کو اُسکے کاٹنے کا حکم دے دیگا۔ عابد نے کہا میں اُسے کاٹنا ضروری سمجھتا ہوں اور اُسے ضرور کاٹ کر رہوں گا تو شیطان پھر اُس عابد سے لڑنے لگا، اس مرتبہ عابد پھر اُس پر غالب آ گیا اور اسے پچھاڑ دیا پھر ابلیس نے کہا کہ اگر اس فعل سے باز رہنے میں تیرا کچھ فائدہ ہو جائے تو کیا تو اُسے قبول کرلے گا؟ عابد نے اس کی وضاحت چاہی تو اس نے کہا تو ایک مرد فقیر ہے تو اس بات کو ضرور پسند کریگا کہ تو اپنے اعزاء واقارب اور پڑوسیوں پر سبقت لے جائے اور لوگوں سے بے پرواہ ہو جائے۔ اس نے کہا، ہاں میں یہ بات تو چاہتا ہوں۔ شیطان گویا ہوا کہ آج رات سے تیرے تکیہ کے نیچے سے روزانہ دو دینار ملا کریں گے۔ انہیں لے کر اپنے اخراجات میں لا اور جتنا جی چاہے صدقہ کر۔ اس سے تجھے اور مسلمانوں کی ذات کو زیادہ نفع پہنچے گا بہ نسبت اس امر کے کہ تو اس درخت کو کاٹ ڈالے۔ عابد کچھ دیر سوچتا رہا پھر گویا ہوا کہ تو سچ کہتا ہے۔ دونوں نے باہم حلف اٹھا کر معاہدہ کرلیا اور عابد واپس لوٹ آیا۔ حسب وعدہ اس کے تکیہ کے نیچے سے دو دینار ملے، دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ تیسرے دن کچھ نہ ملا تو عابد کو بہت غصہ آیا اور کلہاڑا لے کر دوبارہ اس درخت کو کاٹنے کے لئے چلا۔ پھر ابلیس اسی شکل وصورت میں ملا اور اس سے اسکا ارادہ معلوم کیا تو اُس نے بتایا کہ میں اس درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں۔ ابلیس نے کہا کہ تو ایسا نہیں کرسکتا۔ عابد پھر اس سے لڑنے لگا مگر اب ابلیس کو زیر کرنے کی بجائے خود مغلوب ہو گیا۔ ابلیس نے کہا کہ اگر تو اپنے ارادہ سے باز نہ آیا تو میں تجھے ذبح کردوں گا۔ مجبوراً عابد نے اپنا ارادہ ترک کیا اور حیران ہوا کہ ایسا کیوں؟ پہلے دو مرتبہ میں نے پچھاڑا اور اس دفعہ تو مجھ پر غالب آیا۔ ابلیس نے کہا اس لئے کہ پہلے تیرا غصہ اللہ تعالیٰ کے لئے تھا اب تیرا غصہ اپنے نفس کے لئے ہے اس لئے میں تجھ پر غالب آیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن بھیجا تو فرمایا: ''اپنے دین میں اخلاص کر تجھے تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا۔'' (مستدرک علی صحیحین)

اگر کردار کی مضبوطی اور عظمتِ اخلاص کی جھلک دیکھنا چاہیں تو مولائے کائنات، شیر

خدا، حیدرِ کرار، علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم کی زندگی کا ایک گوشہ ملاحظہ کریں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک لڑائی میں ایک کافر پر قابو پالیا۔ اس نے آپ کے منہ مبارک پر تھوک دیا تو آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ حیران رہ گیا کہ یہ بات کیا ہے؟ بجائے اِسکے کہ انہیں غصہ آتا اور مجھے قتل کردیتے انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔ حیران ہوکر وجہ پوچھتا ہے تو آپ فرماتے ہیں، ''میں نے محض رضائے حق کے لیے تلوار پکڑی ہے، میں خدا کے حکم کا بندہ ہوں، اپنے نفس کے بدلہ کے لیے مامور نہیں ہوں۔ میں خدا کا شیر ہوں اپنی خواہش کا شیر نہیں ہوں۔ چونکہ میرے منہ پر تو نے تھوکا ہے اس لیے اب اس لڑائی میں نفس کا دخل ہوگیا اور اخلاص جاتا رہا، اس لیے میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے تاکہ میرا کام اخلاص سے خالی نہ ہو۔''

اخلاص اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

معروف صوفی ہستی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا، میرا دل چاہتا ہے، میرے پاس اتنی آگ ہو کہ جس سے میں جنت کو جلا کر راکھ کردوں اور میرے پاس اتنا پانی ہو کہ جس سے میں دوزخ کی آگ بجھادوں تاکہ کوئی جنت کے لالچ یا دوزخ کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کرے بلکہ سب اُس پروردگار کی عبادت اِس لیے کریں کہ وہ عظیم، کریم اور رحیم پروردگار ہے ہی عبادت کے لائق۔

اِسی طرح ایک مرتبہ آپ حج کے لیے تشریف لے گئیں۔ دوسری طرف ایک ہم عصر ولی بھی حج کے ارادے سے آرہے تھے اور ہر قدم پر نمازِ نفل پڑھتے ہوئے کئی سال کی ریاضت کے بعد پہنچے تو دیکھا کہ خانہ کعبہ باطنی طور پر اپنی جگہ موجود نہیں۔ وہ بڑے حیران ہوئے، استفسار پر معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ مکۃ المکرّمہ سے باہر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے استقبال کے لیے خود گیا ہے۔ جب حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پہنچ گئیں تو اُس ولی نے پوچھا کہ آپ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ آپ نے جواب دیا، تم خانہ کعبہ کے لیے آرہے تھے جبکہ میں خانہ کعبہ والے (یعنی پروردگار) کے لیے آئی ہوں۔ بس یہی وجہ ہے۔

حضرت ابوبکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے اخلاص پر نظر رکھنا، مخلص کے لئے نقصان دہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے اخلاص کو خالص بنانا چاہتا ہے تو اس کے اخلاص سے ''اخلاص کو دیکھنا'' نکال دیتا ہے۔ یعنی اِس بات کا خیال رکھنا کہ میرے اعمال میں اخلاص باقی رہے، درحقیقت خارج از اخلاص ہے۔ حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جب کوئی چالیس دن تک اخلاص پر عمل کرتا ہے تو اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر زبان پر جاری ہو جاتے ہیں'' اور حضرت ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جب بندے میں اخلاص پیدا ہو جاتا ہے تو وسوسوں کی کثرت اور ریا ختم ہو جاتی ہے''۔ اخلاص نیت ہی کی خاطر اکثر محدثین اپنی حدیث کی کتابوں کا آغاز ''**انما الاعمال بالنیات**'' والی حدیث سے کرتے ہیں، تاکہ شعوری طور پر ان کو یہ احساس رہے کہ اپنی نیت کو خالص رکھنا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کوئی اور چیز ان کا مقصود نہ بن جائے۔

نقشبندی پیشواء، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے مکہ معظّمہ میں دو شخصوں کو دیکھا، ایک نہایت بلند ہمت جبکہ دوسرا نہایت پست ہمت، پست ہمت وہ تھا جسے میں نے طواف میں دیکھا کہ خانہ کعبہ کے دروازے کے حلقہ پر ہاتھ رکھا ہوا ہے اور ایسی شریف جگہ اور ایسے عزیز وقت میں حق سبحانہٗ کے سوا کچھ اور مانگ رہا ہے۔ بلند ہمت وہ جوان تھا جسے میں نے بازارِ منیٰ میں دیکھا کہ کم وبیش پچاس ہزار دینار کا سودا خرید و فروخت کیا اور اس عرصہ میں اس کا دل ایک لمحہ کے لیے بھی حق سبحانہٗ سے غافل نہ ہوا۔

مومن کو شیطان کے حربوں سے بچنا چاہیئے، کیونکہ یہ اکثر نیتوں کو فاسد کر کے اعمال کو غارت کر دیتا ہے۔ مگر ایسا بھی نہ ہو کہ آدمی مخلوق ہی کی طرف متوجہ ہو جائے، یہ بھی شیطان کی ایک چال ہوتی ہے کہ ریا کا احساس اتنا زیادہ پیدا کر دیتا ہے کہ آدمی بس اسی کی طرف متوجہ ہو کر رہ جاتا ہے کہ میرا عمل کسی ریا کی زد میں نہ آجائے، اس طرح اس کی توجہ مخلوق کی طرف ہو جاتی ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''ریا ہمیشہ نہیں رہتی، بالآخر تبدیل ہوکر اخلاص بن جاتی ہے اور اخلاص ہی قرب کا موجب ہوتا ہے''۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''آدمی مخلص اس وقت ہوتا ہے، جب اس کی کیفیت شیر خوار بچے کی سی ہو جائے کہ وہ اخلاص سے بے نیاز ہوکر ماں کا دودھ پیتا رہتا ہے، اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ کون اسے دیکھ رہا ہے اور کون نہیں دیکھ رہا۔ کون اس کی تعریف کر رہا ہے اور کون مذمت''۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''جو شخص نیک اعمال ثواب کی نیت سے کرے، وہ سوداگر ہے اور جو نیک اعمال جنت کی طمع اور دوزخ کے خوف سے کرے وہ غلام ہے، کیونکہ غلام خوف اور لالچ ہی سے کام کرتے ہیں اور جو رضائے الٰہی کے لئے عمل کرے، اس کا شمار احرار اور کاملین میں ہوتا ہے، جو ایک اعلیٰ مرتبہ ہے''۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''آدمی کی نیت نیک ہونی چاہئے، کیونکہ مخلوق کی نظر عمل پر ہوتی ہے اور خالق کی نظر نیت پر''۔ ہمارے آقا و مولا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دِلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے''۔

اخلاص اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک مرتبہ ایک کافر کو لڑائی کے بعد زیر کر لیا اور جیسے ہی آپ نے تلوار سونتی، اُس کافر نے آپ کے اوپر تھوک دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اُسی وقت اُسے چھوڑ دیا۔ کافر بہت حیران ہوا اور پوچھا کہ میری اِس حرکت کے بدلے میں آپ نے مجھے چھوڑ کیوں دیا؟ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے ارشاد فرمایا، تیرے تھوکنے سے پہلے میرے سامنے صرف اور صرف رضائے الٰہی تھی لیکن جب تم نے مجھ پر تھوک دیا تو میری اپنی ذات بھی شامل ہوگئی جبکہ میں یہ عمل خالصتاً خدا تعالیٰ کے لیے کر رہا تھا چنانچہ تمہیں چھوڑ دیا کہ کہیں اِس میں میرا اپنا غصہ یا میری اپنی ذات بھی شامل نہ ہو جائے۔

اخلاص اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک دن امام مسجد نے فراغتِ نماز کے بعد حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ اتنے دنوں سے یہاں مقیم ہیں، آپ کھاتے پیتے کہاں سے ہیں؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ بولے کہ ٹھہرو! پہلے میں اپنی نماز دوبارہ پڑھ لوں کہ جو رزق پہنچانے والے ہی سے واقف نہ ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب میں نے پہلی مرتبہ حج کیا تو کعبہ کی زیارت کی اور دوسری مرتبہ کعبہ اور صاحبِ کعبہ دونوں کی زیارت سے مشرف ہوا اور تیسری مرتبہ کچھ بھی نظر نہیں آیا کیوں کہ یادِ الٰہی میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کسی نے دروازے پر آواز دی تو آپ نے پوچھا کہ کس کی تلاش ہے؟ جواب ملا کہ ''بایزید'' کی تلاش ہے۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں بھی تیس سال سے اُس کی تلاش میں ہوں لیکن آج تک نہیں ملا اور جس وقت یہ واقعہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بیان کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ خاصانِ خدا کی طرح خدا سے پیوستہ ہو گئے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے مکمل تیس سال اللہ تعالیٰ سے اپنی ضروریات کے مطابق طلب کیا، لیکن اس کی راہ میں گامزن ہوتے ہی سب کچھ بھول گیا اور یہ تمنا کرنے لگا کہ یا اللہ تو میرا ہو جا اور جو تیری مرضی ہو ویسا کر۔

اخلاص اور حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

کسی نے حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہے؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: جو کچھ تو خدا کے واسطے کرتا ہے، وہ اخلاص ہے اور جو کچھ بندوں کے واسطے کرتا ہے، وہ ریاکاری ہے۔

اخلاص اور حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ربانی، مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ''علم، عمل اور اخلاص''

شریعت کے تین جزو ہیں اور طریقت کا راستہ دراصل شریعت کا تیسرا جزو یعنی اخلاص پیدا کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ اس لئے ''طریقت، حقیقت و معرفت خادمان شریعت اند'' یعنی طریقت، حقیقت اور معرفت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے تابع ہیں اور جو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری نہیں کرتا وہ نہ صوفی بن سکتا ہے اور نہ ہی ولی بن سکتا ہے اور نہ حقیقت و معرفت کے مقام کو حاصل کر سکتا ہے۔ (ماخوذ از دفتر اوّل مکتوب نمبر ۴۰)

اخلاص اور حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ

گنجِ کرم، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نمود و نمائش اور دکھاوے کو ناپسند کرتے تھے۔ جب کسی جگہ تشریف لے جاتے تو صرف ایک ہمراہی اپنے ساتھ رکھتے۔ باقی ساتھیوں کو آگے یا پیچھے کچھ فاصلے پر چلنے کا حکم ہوتا تاکہ جلوس اور نمود و نمائش کی شکل نہ بنے۔ ساتھ چلنے والے شخص کو اپنی دائیں جانب لے کر چلتے۔

آپ تسبیح کی نمائش سے بھی احتراز فرماتے۔ بلکہ آپ ارشاد فرماتے کہ میرے پاس بھی ایک تسبیح ہے لیکن کسی نے نہیں دیکھی۔ لوگوں کو دکھانے کی کیا ضرورت ہے؟ تسبیح چھپا کر ذکر اذکار کیا کرو۔

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ قیامِ پاکستان سے پہلے ہر سال خواجہ ابوشکور رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک پر تحصیل سرسہ (ضلع حصار) تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ جماعت کرانے اور دعا مانگنے کے بعد جب مصلیٰ سے اٹھے اور اپنی چارپائی پر تشریف لائے تو اچانک آپکی نگاہ مبارک حاجی صاحب پر پڑی جو اس وقت دوسری صف میں بیٹھے ''اسم ذات'' کی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے چارپائی پر بیٹھتے ہی ان کو اپنے پاس بلایا۔ یہ سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے۔ فرمایا ''تجھ کو کس نے تسبیح پھیرنے کیلئے کہا ہے؟'' اور پھر آپ نے یہ مصرع پڑھا، درزبان تسبیح و در دل گاؤ خر۔ (یعنی زبان پر تسبیح اور دل میں گدھے اور گائے کا خیال) پھر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے سوال کیا

''تم تسبیح پر کیا پڑھ رہے تھے؟'' ۔عرض کیا ''اسمِ ذات۔''فرمایا''تم کو کس نے بتایا؟''انہوں نے عرض کیا''حضور ہی سے معلوم ہوا''۔حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور ارشاد فرمایا''مگر بھئی میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ لوگوں کے سامنے یہ تسبیح پڑھو' بلکہ یہ کہا تھا کہ تسبیح کے وقت اسمِ ذات کا تصور دل میں رکھ کر مراقبہ کرنا ہو گا۔تسبیح تو میرے پاس بھی ہے،کبھی تم نے دیکھی ہے؟''حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ جب کسی آدمی کو ظاہراً تسبیح پڑھتے دیکھتے تو ناراض ہوتے اور فرماتے کہ ہر وقت گلے یا ہاتھ میں تسبیح نہیں رکھی چاہئے۔بلکہ تسبیح تو یوں پڑھنی چاہئے کہ کسی کو معلوم ہی نہ ہو سکے کہ آدمی تسبیح پڑھ رہا ہے۔

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ دست بوسی سے بھی حتی الامکان احتراز فرماتے۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص اپنی ماں سے بے حد محبت کرتا ہے لیکن بتاؤ گھر میں آتے جاتے ہر بار کیا اپنی ماں کے ہاتھوں کا بوسہ لیتے ہو؟ محبت دل کا جذبہ اور فرماں برداری کرنے کا نام ہے۔صرف ہاتھ چومنا کونسی محبت ہے!

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کسی کرامت یا فضیلت کو قصداً اپنی ذات سے منسوب نہیں کرتے تھے۔آپ کی بارگاہ میں رہنے والے بخوبی جانتے تھے کہ فضیلت ودرجے والی جو باتیں حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرما رہے ہیں وہ آپ کی ذاتِ مبارکہ میں ہی پائی جاتی ہیں مگر آپ کا انداز کچھ یوں ہوتا کہ''بھئی بعض اللہ والے ایسے ہوتے ہیں''،یا آپ فرمایا کرتے کہ ''بھئی اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں''وغیرہ وغیرہ

اکثر ایسا بھی ہوتا کہ کوئی شخص آپ کی بارگاہ میں آ کر شور مچا دیتا کہ مجھے خواب میں حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی یا مجھے فلاں مصیبت سے جس بزرگ نے نکال لیا تھا وہ یہی بزرگ ہیں مگر آپ ارشاد فرماتے،بھئی اِسے وہم ہو گیا ہے،اِس کو جلدی سے باہر نکال دو۔واقفِ حال بیلی تو بہر حال جانتے تھے کہ آپ کیسی اعلیٰ شان کے مالک ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں قرآن پاک کا

ایک حافظ حاضر ہوا۔ وہ آنکھوں سے نابینا تھا۔ جب سب لوگوں کو اندر آنے کی اجازت ہوئی تو یہ بھی اندر آ گیا۔ باری آنے پر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''بھئی تم آنکھوں سے ہی حافظ ہو یا حافظ بھی ہو؟'' اس نے عرض کیا ''جی ہاں! قرآن پاک کا حافظ بھی ہوں''۔ آپ نے پھر پوچھا: ''پورے تیس سپارے حفظ ہیں؟'' اس نے کہا ''جی ہاں''۔ آپ نے فرمایا: ''ہمیں کلام پاک کا ایک لفظ ساری رات ٹکنے نہیں دیتا' تیرے اندر تیس سپارے ہیں''۔ پھر فرمایا۔ ''اچھا، فلاں جگہ سے پڑھو''۔ حافظ نے ہر چند کوشش کی' مگر وہ رکوع نہ پڑھ سکا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''تم ماں باپ کے نافرمان ہو' رات کو فاحشہ عورتوں کے دروازے کھٹکھٹاتے ہو' قرآن پاک تمہارے اندر کیسے رہ سکتا ہے!''۔

کتاب ''میری سرکار'' میں درج ہے، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز ایک بیلی حاجی رحمت اللہ نامی (جو بوریوالا سے تعلق رکھتے تھے) سے ارشاد فرمایا: ''حاجی صاحب! کوئی نعت سناؤ''۔ عرض کیا۔ ''سرکار مجھے تو نہیں آتی' البتہ ایک عالم فاضل شخص میرے ساتھ ہیں جو باہر بیٹھے ہوئے ہیں، انہیں بڑی نعتیں آتی ہیں''۔ فرمایا نہیں، اس کو میرے پاس نہ لانا''۔ یہ سمجھے سرکار نے فرمایا ہے'' اسے لانا''۔ یہ اس کو اندر لے آئے۔ یہ واقعہ پاک پتن شریف کے عرس کا ہے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ وہیں تشریف فرما تھے' فرمایا ''اچھا، لے آئے!''۔ انہوں نے بجائے اس کے کہ نعت خوانی کرتے اپنا رونا دھونا شعروں میں شروع کر دیا' جسمیں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ میں نے اللہ الصمد کا وظیفہ دس کروڑ بار اور درود شریف پندرہ کروڑ بار' کلمہ شریف سات کروڑ بار پڑھا ہے۔ مگر ہنوز تڑپتا اور بلکتا ہوں اور میری منزل نہیں کھلتی۔ خدارا میری مدد فرمائیں۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور ارشاد فرمایا ''ابھی تو آپ مبتدی (ابتداء کے مسافر) بھی نہیں ہیں اور منتہی (انتہاء تک پہنچنے والے) بنے پھرتے ہیں''۔ آپ سے تمام بزرگ ناراض ہیں کہ آپ ان تمام رازوں کو جو اللہ کریم اپنے نیک بندوں پر عطا فرماتے ہیں، ظاہر کر دیتے ہیں۔ اس لئے آپ کبھی بھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکتے۔ جس نے

خاموشی اختیار کرلی وہ اللہ کا نیک بندہ بن گیا اور جس نے قدرت کے راز ہائے پوشیدہ کو ظاہر کیا وہ خود خراب اور خستہ حال ہوا"۔ فرمایا "آج دوسری رات ہے، بابا صاحب کے بہشتی دروازے سے ہو کر آئے ہو"؟۔ انہوں نے عرض کیا "سرکار دو دن تک کوشش کی مگر کسی نے اندر نہیں جانے دیا"۔ فرمایا "یہ ان کی ناراضگی ہے کہ آپ کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔" "آپ استغفار کیا کریں" حاجی صاحب ان کو باہر لے آئے۔ وہ صاحب اپنے خوابوں کی کیفیت یوں بیان کرتے تھے کہ "مجھے آج حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی' نیز فلاں فلاں بزرگ ہستی کی بھی زیارت ہوئی وغیرہ وغیرہ" جب یہ سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اندر آئے تھے تو حضرت صاحب قبلہ نے ارشاد فرمایا "بھئی مجھے تو ایک دفعہ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی تھی، انہوں نے مجھے فرمایا تھا کہ راز کی بات کسی سے مت کہنا اور دل میں رکھنا اور یہ ہیں کہ اپنی شان بیان کرتے پھرتے ہیں"۔ سبحان اللہ ظرف ہو تو ایسا۔

مال دنیا سے بے رغبتی

بندگانِ خدا کی توجہ ہر وقت اپنے مقصودِ حقیقی یعنی پروردگار کی طرف رہتی ہے چنانچہ دنیا اور مالِ دنیا کی حیثیت اُن کے نزدیک ثانوی ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں ایسے رہو جیسے ایک مسافر ہوتا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ تمہارا روزینہ مثل توشہ سوار ہونا چاہیے"

حدیثِ پاک میں ہے: "ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اس نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میری ایسے عمل کی طرف رہنمائی کریں کہ اگر میں اسے انجام دوں تو اللہ اور لوگ مجھ سے محبت کرنے والے بن جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو، اللہ تجھے پسند فرمائے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے، تم اُس سے بے رغبت ہو جاؤ تو لوگ تجھے چاہنے لگیں گے۔" (سنن ابن ماجہ، رقم: ۴۱۰۲)

یہی وجہ ہے کہ اللہ والے دنیا سے لگاؤ نہیں رکھتے، دنیا والے اُن کی بارگاہ میں عاجزانہ حاضری دیتے ہیں۔لوگ دنیا کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں اور دنیا ہاتھ نہیں آتی لیکن دنیا اللہ والوں کے پیچھے بھاگتی ہے اور وہ دنیا کے ہاتھ نہیں آتے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس گورنری کی حالت میں ایک جماعت آئی جبکہ آپ بوریا بانی کررہے تھے۔انہوں نے پوچھا کہ آپ یہ کام کیوں کر رہے ہیں جبکہ آپ گورنر ہیں اور آپکا وظیفہ بھی مقرر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاؤں

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی دنیا سے بے رغبتی

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ بیش بہا قیمتی لباس میں ملبوس دیکھ کر کسی نے اعتراض کیا کہ اتنا قیمتی لباس اہل بیت کے لیے مناسب نہیں تو آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جب اپنی آستین پر پھیرا تو اس کو آپ کا لباس ٹاٹ سے بھی زیادہ کھردرا محسوس ہوا۔اس وقت آپ نے فرمایا" **ھٰذَا لِلْخَلْقِ وَھٰذَا لِلْحَق** " یعنی مخلوق کی نگاہوں میں تو یہ عمدہ لباس ہے لیکن حق کے لیے یہی کھردرا ہے۔

اِسی طرح کسی شخص کی دینار کی تھیلی گم ہوگئی تو اس نے آپ پر الزام لگاتے ہوئے کہا کہ میری تھیلی آپ ہی نے چرائی ہے۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اس سے سوال کیا کہ اس میں کتنی رقم تھی؟ اس نے کہا دو ہزار دینار، چنانچہ آپ نے اُسے گھر لے جا کر دو ہزار دینار دے دیئے۔ بعد میں جب اس کی کھوئی ہوئی تھیلی کسی دوسری جگہ سے مل گئی تو اس نے پورا واقعہ بیان کر کے معافی چاہتے ہوئے آپ سے رقم واپس لینے کی درخواست کی، لیکن آپ نے فرمایا ہم کسی کو دے کر واپس نہیں لیتے پھر جب لوگوں سے اسکو آپ کا اسم گرامی معلوم ہوا تو اس نے بے حد ندامت کا اظہار کیا۔

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی دنیا سے بے رغبتی

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے باغ کی کھدائی کر رہے تھے تو وہاں

سے چاندی برآمد ہوئی۔ آپ نے اس جگہ کو بند کر کے دوسری جگہ سے کھدائی شروع کی تو وہاں سے سونا برآمد ہوا پھر تیسری جگہ سے مروارید اور چوتھی جگہ سے جواہرات برآمد ہوئے لیکن آپ نے کسی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگایا بلکہ ارشاد فرمایا، ابوالحسن ان چیزوں پر فریفتہ نہیں ہوسکتا۔ یہ تو کیا، اگر دین و دنیا دونوں بھی مہیا ہو جائیں جب بھی وہ مقصودِ حقیقی سے انحراف نہیں کر سکتا۔ ہل چلاتے وقت جب نماز کا وقت آجاتا تو آپ اپنے بیل چھوڑ کر نماز ادا کرتے اور جب نماز پڑھ کر کھیت پر پہنچتے تو زمین تیار ملتی۔

ایک مرتبہ بادشاہ محمود غزنوی نے حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے لیے مخصوص دعا فرمایئے تو آپ نے فرمایا کہ اے محمود! تیری عاقبت محمود ہو اور جب محمود غزنوی نے اشرفیوں کا ایک تھیلا آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے جو کی خشک ٹکیہ اس کے سامنے رکھ کر جواب دیا کہ اس کو کھاؤ۔ چنانچہ محمود نے اُسے توڑ کر منہ میں رکھا اور دیر تک چبانے کے باوجود بھی حلق سے نہیں اُتار سکا تو آپ نے فرمایا کہ شاید نوالہ تمہارے حلق میں اٹکتا ہے۔ اس نے کہا ہاں، تو آپ نے فرمایا کہ تمہاری یہ خواہش ہے کہ اشرفیوں کا یہ توڑا اسی طرح میرے حلق میں بھی اٹک جائے۔ لہذا اس کو واپس لے لو کیونکہ میں دنیاوی مال کو طلاق دے چکا ہوں اور محمود کے بے حد اصرار کے باوجود بھی آپ نے اس میں سے کچھ نہ لیا۔ پھر محمود نے خواہش کی کہ مجھ کو بطور تبرک کوئی چیز عطا فرمادیں۔ اس پر آپ نے اس کو اپنا پیراہن دے دیا۔ پھر محمود نے رخصت ہوتے وقت عرض کیا کہ حضرت آپ کی خانقاہ تو بہت خوبصورت ہے، آپ نے فرمایا کہ خدا نے تمہیں اتنی وسیع سلطنت بخش دی ہے پھر بھی تمہارے اندر طمع باقی ہے اور اس جھونپڑی کا بھی خواہش مند ہے۔ یہ سن کر اس کو بے حد ندامت ہوئی اور جب وہ رخصت ہونے لگا تو آپ تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے۔ تو اس نے پوچھا کہ میری آمد کے وقت تو آپ نے تعظیم نہیں کی پھر اب کیوں کھڑے ہوگئے۔ فرمایا کہ اس وقت تمہارے اندر شاہی تکبر موجود تھا اور میرا امتحان لینے آئے تھے لیکن اب عجز و درویشی کی حالت میں واپس جا رہے ہو اور خورشیدِ فقر تمہاری پیشانی پر

رخشندہ ہے۔ اس کے بعد محمود رخصت ہو گیا۔ سومنات پر حملہ کرنے کے وقت جب محمود غزنوی کو غنیم کی بے پناہ قوت کی وجہ سے شکست کا خطرہ محسوس ہوا تو اس نے وضو کر کے نماز پڑھی اور آپ کا عطا کردہ پیراہن ہاتھ میں لے کر یہ دعا کی اے خدا! اس پیراہن والے کے صدقہ میں مجھے فتح عطا فرما اور جو مال غنیمت اس جنگ میں حاصل ہوگا وہ سب فقراء کو تقسیم کر دوں گا۔ چنانچہ اللہ نے اس کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا اور جب وہ غنیم کے مقابلہ میں صف آراء ہوا تو غنیم اپنے باہمی اختلافات کی بناء پر خود ہی آپس میں لڑنے لگا۔ جس کی وجہ سے محمود کو مکمل فتح حاصل ہو گئی۔ رات کو محمود نے خواب میں حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، آپ فرما رہے ہیں کہ اے محمود! تو نے اس قدر معمولی شے کے لیے میرے خرقہ کے صدقہ میں دعا کی اگر تو اس وقت یہ دعا مانگتا کہ تمام عالم کے کفار اسلام قبول کر لیں اور دنیا سے کفر کا خاتمہ ہو جائے تو تیری یہ دعا بھی قبول ہوتی۔

نقشبندی پیشواء، حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے مریدین سمیت فاقہ سے تھے۔ سات یوم تک کھانا میسر نہ آ سکا تو ساتویں دن ایک آدمی آٹے کی بوری اور ایک بکری لے کر آیا اور آپ کے دروازے پر آواز دی کہ میں یہ چیزیں صوفیاء کے لیے لے کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے مریدین سے فرمایا کہ مجھ میں تو صوفی ہونے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے لہذا تم میں سے جو صوفی ہو وہ جا کر لے لے۔ لیکن کسی نے اپنے صوفی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور سب فاقہ سے بیٹھے رہے۔

حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی دنیا سے بے رغبتی

رسالہ ''قشیریہ'' میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ بازار میں آگ لگ گئی اور اِس کی خبر حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچی تو کہا: مقامِ شکر ہے کہ دنیا کے مال سے نجات پائی کیونکہ بازار میں ایک دکان اُن کی تھی۔ جب آگ بجھ گئی تو معلوم ہوا کہ حضرت کی دکان بچ گئی ہے۔ یہ سن کر نہایت غمگین ہوئے اور فرمایا: مسلمان بھائیوں کے ساتھ نقصان میں موافقت کرنا واجبات میں سے ہے لہذا تمام مال راہِ خدا میں بانٹ دیا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی دنیا سے بے رغبتی

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے ایک مرتبہ شیخ الشیوخ باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہ العالی (سجادہ نشین حضرت کرماں والا شریف) نے ارشاد فرمایا: ''ایک شخص نے نہایت قیمتی کپڑا ہیرے جواہرات جڑا تیار کیا اور بادشاہ کو پیش کیا کہ وہ خرید لے لیکن بادشاہ نے انکار کر دیا کہ میں یہ کپڑا نہیں خرید سکتا، وہ بڑا پریشان ہوا اور اِسی پریشانی کے عالم میں حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اُس نے آپ کی خدمت میں کپڑا پیش کر کے خریدنے کی درخواست کی تو آپ نے خدام سے فرمایا کہ اِسے خرید لیا جائے، اُس سے کپڑا خرید لیا گیا، پھر کپڑے کی سلائی کا مرحلہ آیا تو عرض کیا گیا کہ حضور کپڑا کچھ کم ہے، بازو پورے نہیں بن رہے تو آپ نے فرمایا کہ جس قدر کپڑا کم ہے اُتنی جگہ پر ٹاٹ (بوریا) کا پیوند لگا دو۔ (بروز ہفتہ ۲ شعبان المعظم ۱۴۲۵ ہجری 18 ستمبر 2004ء)

ایک مرتبہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر خادم نے اطلاعاً عرض کیا کہ آپ کا مال بردار جہاز سمندر میں غرق ہو گیا ہے۔ آپ نے جب یہ خبر سنی تو سر جھکایا، توقف فرمایا اور پھر سر اُٹھا کر فرمایا، الحمدُ للہ۔۔۔ چند روز گزرنے کے بعد وہی خادم پھر حاضر ہوا اور بتایا کہ آپ کا جہاز محفوظ ہے اور اُسکا پتہ چل گیا ہے۔ آپ نے اِس مرتبہ بھی یہ خبر سن کر سر جھکایا، توقف فرمایا اور پھر سر اُٹھا کر فرمایا، الحمدُ للہ۔۔۔ خادم نے حیران ہو کر عرض کیا کہ حضور، جب آپ کا جہاز گم یا غرق ہونے کی خبر آئی تو آپ نے الحمدُ للہ کہا اور جب جہاز مل گیا تو پھر بھی آپ نے الحمدُ للہ ہی کہا۔ دونوں صورتوں میں الحمدُ للہ کہنے میں آخر حکمت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جب نقصان کی اطلاع ملی تو میں نے اپنے قلب میں جھانک کر دیکھا کہ دنیا کے چلے جانے سے کہیں میرا قلب یادِ الٰہی سے دور تو نہیں ہو رہا لیکن جب میں نے اپنے آپ کو یادِ الٰہی میں بدستور مشغول پایا تو اِس نعمت کے حصول پر اللہ کا شکر ادا کیا اور جب مجھے جہاز ملنے کی خبر دی گئی تو پھر میں نے اپنے قلب میں جھانک کر دیکھا کہ دنیا کے مل جانے سے کہیں میرا قلب یادِ الٰہی

سے ہٹ تو نہیں گیا لیکن اب بھی میں نے اپنے آپ کو یادِ الٰہی میں بدستور مشغول پایا تو پھر اللہ کا شکر ادا کیا۔

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی دنیا سے بے رغبتی

کتاب ''میری سرکار'' میں میر منظور محمود وارثی کا بیان ہے کہ ''نفیس خلیلی مرحوم'' پاک و ہند کے معروف شاعر تھے مگر نظمیں اکثر پیروں فقیروں کے خلاف کہا کرتے۔ تاہم پھر بھی حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کا بہت احترام مدنظر رکھتے تھے۔ آپ کا ذکر آ جاتا تو مؤدب ہو بیٹھتے۔ ایک دن میں نے کریدا تو کہنے لگے۔ بھائی میں حضرت کرماں والا کو دل سے مانتا ہوں۔ وہ سچے ولی ہیں۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے۔ ''ہمارے دفتر میں ایک پریشان حال کلرک تھا۔ تنخواہ تھوڑی تھی اور عیال بہت۔ اکثر مقروض رہا کرتا۔ بہت سے پیروں فقیروں کے ہاں گیا' دعائیں کرائیں' تعویذ لکھوائے۔ لیکن حالات سدھر نہ سکے۔ کسی نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا پتہ بتایا تو ان کے گاؤں کرماں والے پہنچ گیا۔ حضور کی مجلس میں ہجوم تھا۔ اس نے سوچا کہ جب ذرا تخلیہ ہوگا تو اپنی مصیبت عرض کروں گا۔ ادھر حضور رحمۃ اللہ علیہ پر یہ سب کیفیت کہے بغیر روشن تھی۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دوسرے کمرے میں لے گئے۔ پھر اپنے دامن سے کچھ نوٹ نکال کر عطا کئے اور فرمایا۔ ''لو بابو جی! سردست یہ ہزار روپے موجود ہیں پھر کسی موقع پر اور مل جائیں گے۔ گھبراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ کارساز ہے۔''

صوفی ابراہیم قصوری کی تحریر کردہ کتاب ''خزینۂ معرفت'' میں درج ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرومرشد حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں ایک لاکھ روپیہ لے کر پیش ہوئے اور نذرانہ پیش کیا۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا، شاہ صاحب! یہ اتنی بڑی رقم کیسے اور کہاں سے لے کر آئے ہیں؟ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً عرض کیا کہ گھر کا سارا مال واسباب بیچ کر آپ کی خدمت میں نذرانہ پیش کرنے لایا ہوں۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت زیادہ محبت کا اظہار کیا اور وہ سارا

پیسہ حکماً واپس لے جانے کی تاکید فرمائی۔

کتاب ''میری سرکار'' میں درج ہے کہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز ارشاد فرمایا: ''مجھے فلاں کیمیا گر کے دو تین خط آ چکے ہیں کہ میں سونا بنانا جانتا ہوں اگر حکم ہو تو حاضر ہو جاؤں' اور آپ کو نسخہ بتا دوں''۔ فرمایا ''میں نے اسکو لکھا کہ مجھے تو سونا بنانے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس نیت پر آپ میرے پاس آئیں''۔ لیکن ایک روز وہ آ گیا۔ اس نے تمام واقعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا ''مجھے تو اللہ کریم نے یہی کیمیا دی ہے کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف بھیجتا ہوں تو ایک مربع اراضی کی آمدنی کے برابر رقم اللہ کریم ہمارے لنگر کیلئے بھیج دیتا ہے پھر مجھے سونا بنانے کی کیا ضرورت ہے؟''۔ پھر گنجِ کرم، حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''واقعی وہ آدمی سونا بنانا جانتا ہے اور مشہور کیمیا گر ہے۔ وہ نسخہ بتانے آیا تھا لیکن ہم نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تو وہ چلا گیا''

شیخ الشیوخ باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری کی دنیا سے بے رغبتی

آپ نے ایک مجلس میں مجھ حقیر راقم سے استفسار فرمایا کہ لنگر شریف کے اخراجات کیسے چل رہے ہیں؟ عرض کیا کہ حضور! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ آپ نے فرمایا، جو کچھ آتا ہے، کیا خرچ کر دیا جاتا ہے؟ عرض کیا، جی حضور! سب کچھ خرچ ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا، میرا دل کرتا ہے کہ صبح ایک ارب روپیہ ہو اور شام تک سارا خرچ ہو جائے اور کیا یہ بات اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعید ہے کہ اگلی صبح پھر ایک ارب روپیہ عنایت فرما دے؟ فرمایا: کسی وقت گھر میں کچھ نہ ہونا بھی رحمت ہے۔ میں نے گھر میں پیغام بھجوایا کہ علامہ مفتی غلام یٰسین صاحب تشریف لائے ہیں اُن کے لیے مٹھائی بھجوائیں لیکن مٹھائی نہ آئی تو میں نے پوچھا کہ مٹھائی کیوں نہیں آ رہی؟ بتایا گیا کہ گھر میں مٹھائی نہیں ہے تو میں نے خدا کا شکر کیا کہ کسی وقت گھر میں ضرورت کی چیز نہیں بھی ہے، پھر پوچھا کیا کھجوریں ہیں؟ تو کھجوریں مل گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سنت پاک ادا ہو جائے تو اور کیا چاہیے؟ (بروز منگل ۲۶ شعبان المعظم ۱۴۲۵ ہجری 12 اکتوبر 2004ء)

ایک مرتبہ شیخ الشیوخ نے ارشاد فرمایا کہ پیر ایسا ہونا چاہیے جو اپنے مریدین کی جیبوں پر نظر نہ رکھتا ہو بلکہ اُن کے دل کے احوال درست کرنے کے لیے اُن کے دلوں پر نظر رکھنے والا ہو۔

اخلاقِ حسنہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے خُلقِ مصطفوی علیہ التحیۃ والثناء کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے مختصر مگر جامع جواب دیا کہ: ''حضور کا خُلق قرآن ہے'' یعنی اخلاق کے جن ضوابط کو کلامِ باری تعالیٰ نے اپنانے کا حکم دیا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کمالِ درجہ موجود ہیں اور جن فضول اور بُری باتوں سے قرآن نے بچنے کا حکم دیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن سے پوری طرح محفوظ ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات یہ ہیں کہ اگر کوئی تمہیں گالی دے، تم اُسے دعا دو۔ اگر کوئی تمہیں تکلیف پہنچائے، تم اُسے معاف کر دو۔ اگر کوئی تمہارے ساتھ زیادتی کرے، تم اُس کے ساتھ محبت کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں کانٹے بکھیرے جاتے، لیکن آپ کفار کے ساتھ بدزبانی نہ کرتے بلکہ آپ اُن کے لیے دعائیں فرماتے، جس نے ظلم کیا اُس کو معاف کر دیا اور جس نے جہالت کا برتاؤ کیا، آپ نے محبت و شفقت سے جواب دیا، جس نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا، آپ نے اس پر بھی احسان کیا، ہر ایک سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے، کبھی کسی کی برائی نہیں کی اور نہ کسی کا عیب ظاہر کیا، زندگی بھر کسی سے بدلہ نہیں لیا اور نہ کسی سے انتقام لیا، بلکہ کسی کو مارنا تو کُجا، مارنے کے لیے ہاتھ تک نہ اٹھایا۔ مصیبت زدوں کی امداد فرماتے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائیں سب کی سب تقسیم فرما دیں، پاس کچھ نہ رکھا۔ ہر ایک کی دلداری فرمائی، ہر ایک کی دلجوئی فرمائی۔ کسی کا دل نہ دکھایا، ہمیشہ صبر وتحمل اور برداشت کا مظاہرہ کیا، ناگوار بات کو زبان سے ظاہر نہ فرمایا، لوگوں کی عیب پوشی فرمائی اور اُمت پر نرمی فرمائی، ہمیشہ آسانی اور سہولت کی تلقین فرمائی، صحابہ کو دیکھ کر مسکراتے اور غلاموں پر شفقت فرماتے۔

مکۃ المکرّمہ کی ایک بوڑھی عورت ہر روز اپنے گھر کی چھت پر بیٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا انتظار کیا کرتی، جب نبی مکرم ﷺ اُس کے گھر کے قریب سے گزرنے لگتے تو وہ عورت اکٹھا کیا ہوا کوڑا کرکٹ آپ پر پھینک دیا کرتی لیکن اُن کے ماتھے پر کبھی شکن نہ آتی، ایک دن حضور ﷺ اُس کے گھر کے قریب سے گزرنے لگے تو وہ عورت نظر نہ آئی، آپ متفکر ہوئے اور اُس کے دروازے پر دستک دی، اندر سے ایک بیمار آواز آئی: کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: محمد (ﷺ)! کہا: اندر آ جایئے۔ آپ اندر تشریف لے گئے، ہر روز کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے پھینکنے والی بوڑھی عورت سخت بیمار تھی، آپ نے اُسے تسلی دی، دوا کا انتظام کیا اور گھر میں صفائی کرنے کے بعد پانی بھر دیا۔ اِسی طرح اگلے روز پھر تشریف لے گئے اور اُس کی دیکھ بھال کی۔ جس عورت کے قریبی رشتہ دار اُسے چھوڑ چکے تھے، اُسے ہمارے نبی ﷺ نے سہارا دیا چنانچہ اُسے یقین ہو گیا کہ جو اپنوں سے زیادہ غم خوار اور مہربان ہے، اُس کی دعوت بھی فائدہ مند ہو گی، چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئی۔

ایک دن رسول مکرم ﷺ اپنے غلام زید کے ساتھ مکہ معظّمہ سے تھوڑی دور طائف کی وادی میں تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے وادی کے عام لوگوں کو اسلام کی دعوت دی لیکن اُنہوں نے انکار کر دیا، حضور نے وادی کے معزز لوگوں کو دعوت دی تو انہوں نے نہ صرف انکار کیا بلکہ وادی کے آوارہ لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جنہوں نے آپ پر پتھروں کی بارش کر دی، یہاں تک کہ حضور کی مبارک جوتیاں مقدس لہو سے بھر گئیں، شدید زخمی حالت میں پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! اگر آپ حکم دیں تو میں پہاڑ اِن کے اوپر گرا کر انہیں تباہ و برباد کر دیتا ہوں لیکن حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے اُمید ہے، اِن کی اولاد سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں گے۔

مکۃ المکرّمہ کی فتح کا دن تھا، نبی کریم ﷺ کے ساتھ دس ہزار مسلمان فاتح اور باوقار حرم شریف میں داخل ہو رہے تھے، حضور نے نمازِ شکر ادا فرمائی اور کعبۃُ اللہ کی چوکھٹ پکڑ کر کھڑے ہوئے، اُس وقت اہلِ مکہ اسیروں کی صورت میں پیش کیے گئے، نبی کریم ﷺ

نے اُن کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا: تم لوگ میری نسبت کیا خیال کرتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟ سب نے عرض کیا: ہمیں آپ کی ذات سے نیکی اور بھلائی کی اُمید ہے کیونکہ آپ کی ذات کریم ابن کریم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو اور تمہارا مال واسباب بھی تمہارا ہے۔ ذرا غور فرمایئے! اُس اجتماع میں خون کے پیاسے بھی موجود تھے، راستے میں کانٹے بچھانے والے بھی موجود تھے، وجودِ اطہر پر کوڑا کرکٹ پھینک کر اذیت پہنچانے والے بھی موجود تھے، مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے والے بھی موجود تھے اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب چچا کا کلیجہ چبانے والی عورت بھی اُن میں شامل تھی لیکن اِس کے باوجود سب کو معاف کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی سے بدلہ نہیں لیا اور محبت واخلاق کا یہ مظاہرہ ایسا پُر اثر تھا کہ کفار وہاں سے باہر نکلے تو اُن کے دلوں میں اسلام کی محبت اور ایمان کا نور داخل ہو چکا تھا اور پھر اہل مکہ جوق در جوق اور گروہ در گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے ہوئے مومنین میں شامل ہو گئے۔

رہبر انسانیت، نبی کریم، دُرِ یتیم، صاحبِ خلق عظیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی عالم زید بن سعنہ، جو آپ کی صفات کا تذکرہ تورات میں پڑھ چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آیا اور اصحابِ رسول کی صفوں کو چیرتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گیا۔ اس نے اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گریبان پکڑ کر سختی سے کھینچا اور دُرشت لہجے میں کہنے لگا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جو قرض تم نے مجھ سے لے رکھا ہے، ادا کرو، تم بنو ہاشم کے لوگ ادائے قرض میں بڑی ٹال مٹول سے کام لیتے ہو۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس یہودی سے چند درہم بطور قرض لیے تھے لیکن ابھی ادا کرنے کی مہلت باقی تھی، یہودی کی یہ گستاخانہ حرکت دیکھ کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بڑا طیش آیا۔ وہ فوراً اُٹھے اور تلوار لہرا کر بولے: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے اجازت مرحمت فرمائیں میں اس گستاخ کی گردن اڑا دوں۔ نبی کریم، صاحبِ خلق عظیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے عمر! اس (قرض خواہ یہودی) سے کہو کہ اپنا قرض بہتر طریقے سے طلب کرے اور مجھے حسنِ ادا کا حکم دو۔ یہ سن کر یہودی آپ کے اخلاق عالیہ سے بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا: اے محمد! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق سے نواز کر مبعوث فرمایا ہے، میں آپ سے اپنا قرض وصول کرنے نہیں آیا بلکہ اس لیے آیا تھا کہ آپ کے اخلاق کا امتحان لوں۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ ابھی ادائے قرض کا وقت نہیں آیا لیکن میں نے آپ کے اوصاف کے بارے میں جو کچھ تورات میں پڑھا تھا، اسے بالکل برحق پایا، البتہ دو صفات کا ابھی تجربہ نہیں کیا تھا: ایک یہ کہ آپ غصے کے وقت اور زیادہ حلیم و بردبار ہو جاتے ہیں اور دوسرا یہ کہ جو بھی آپ کے ساتھ جس قدر نادانی کرے گا آپ اس سے اتنی ہی زیادہ نرمی اور نوازش سے پیش آئیں گے۔ آج میں نے ان صفات حمیدہ کا بچشمِ خود مشاہدہ کرلیا ہے۔ اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ جل شانہٗ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

ترمذی شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی چیز ہے جس کے ذریعے اکثر لوگ جنت میں داخل ہوں گے، تو آپ نے فرمایا: وہ چیز اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اچھے اخلاق ہیں۔ پھر اُس چیز کے متعلق پوچھا گیا جس کی وجہ سے اکثر لوگ جہنم میں داخل ہوں گے تو آپ نے فرمایا: وہ منہ (سے بُری بات نکالنا) اور شرم گاہ (سے بدکاری کرنا) ہے۔

ترمذی شریف میں ہے کہ ایمان کے اعتبار سے سب سے کامل مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ہو۔

ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترمذی شریف میں روایت موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اُس شخص کے لیے جنت کے احاطے میں گھر دلانے کی ضمانت دیتا ہوں جو جھگڑا کرنا چھوڑ دے، اگرچہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو اور اُس شخص کے لیے جنت کے درمیان میں گھر دلانے کی ضمانت دیتا ہوں جو جھوٹ بولنا چھوڑ دے اگرچہ جھوٹ بولنا مذاق کے طور پر ہی کیوں نہ ہو اور اُس کے لیے جنت کے اعلیٰ درجے میں گھر دلانے کی ضمانت دیتا ہوں جو اچھے اخلاق کو اپنائے۔

طبرانی میں ہے کہ حسن خلق گناہوں کو اِس طرح پگھلا دیتا ہے، جس طرح کہ پانی برف کو پگھلاتا ہے اور بداخلاقی عمل کو اس طرح خراب کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد (کے ذائقہ) کو خراب کر دیتا ہے۔

بخاری اور مسلم شریف میں ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے اور تمام کاموں میں نرمی کرنے کو پسند کرتا ہے اور پہلوان وہ نہیں جو کسی کو زیر کر لے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لوگوں نے عرض کیا کہ فلاں عورت دن کو روزہ رکھتی ہے، رات کو نماز پڑھتی ہے لیکن اپنی بدزبانی سے اپنے ہمسائیوں کو رنج پہنچاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اُس کی جگہ دوزخ ہے اور فرمایا: بری عادات، عبادت کو یوں ضائع کر دیتی ہیں جس طرح سرکہ، شہد کو ضائع کر دیتا ہے۔

حضرت امام علی بن حسین علیہ السلام کا حسنِ اخلاق

کیمیائے سعادت میں حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن حسین علیہ السلام مسجد جا رہے تھے کہ کسی نے اُنہیں گالی دی تو غلاموں نے مارنے کا قصد کیا، آپ نے منع کیا اور اُس سے مخاطب ہو کر کہا: بھائی! میرے جو عیب تجھ سے پوشیدہ ہیں وہ اِن سے کہیں زیادہ ہیں، جو تمہیں معلوم ہیں، اگر تمہیں کوئی حاجت ہے تو بتاؤ۔ وہ شخص بہت شرمندہ ہوا، آپ نے جو لباس پہنا ہوا تھا وہ اُسے دے دیا اور ہزار درہم مزید دینے کا حکم فرمایا۔ وہ شخص یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بزرگ فرزندِ رسول ہیں۔ اِسی طرح ایک دفعہ آپ نے غلام کو آواز دی تو وہ نہ آیا، دوسری مرتبہ پھر آواز دی تو اُس نے کوئی جواب نہ دیا، فرمایا: تم سنتے کیوں نہیں؟ اُس نے کہا: میں نے سُنا تو ہے! فرمایا: پھر جواب کیوں نہیں دیا؟ اُس نے کہا کہ آپ کے حُسن اخلاق کی وجہ سے میں بے خوف تھا کہ آپ مجھے سزا نہیں دیں گے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر ہے کہ میرا غلام مجھ سے بے خوف ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا حسن اخلاق

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جب تجھے اپنے بھائی سے ایسی چیز پہنچے جو تو ناپسند کرتا ہے تو اس کے لیے ایک عذر سے ستر عذر تلاش کر۔ اگر تجھے اس کے لیے کوئی عذر نہ ملے تو یوں کہہ کہ شاید اس کے لیے کوئی عذر ہوگا جو مجھے معلوم نہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا حسن اخلاق

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور آپ کو بُرا بھلا کہنے لگا، آپ نے اُس کی باتیں سن کر سر جھکا لیا، ایک لمبی سانس لی اور سرِ اقدس اُٹھا کر فرمایا: اِن باتوں سے تیرے شیطان کا مقصد یہ ہے کہ میں طیش میں آجاؤں اور تجھے بُرا بھلا کہوں، تجھے سخت سے سخت سزا دوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گا، میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی رضا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے لیے تجھے معاف کرتا ہوں، جاؤ! تم سے کوئی مؤاخذہ نہیں۔ وہ شخص حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے قدموں میں گر پڑا اور معافی طلب کی، آپ نے فوراً معاف کر دیا۔

حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کا حسن اخلاق

ایک شخص حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کو گالیاں دیتا ہوا ساتھ چلنے لگا، جب آپ اُس مقام کے قریب پہنچے جہاں آپ کے اَعزہ و اقارب کا قیام تھا تو آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ جو گالیاں دینا باقی ہیں وہ پوری کر لو کیونکہ یہاں میری قوم کے افراد رہتے ہیں اگر اُنہوں نے تمہاری باتیں سن لیں تو تمہیں پریشان کریں گے۔ اِسی طرح ایک عورت نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو "ریاکار" کہہ دیا، آپ نے فرمایا: اے نیک بخت عورت! بصرہ کے لوگوں نے میرا نام گم کر دیا تھا، تو نے کہاں سے ڈھونڈ نکالا۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کا حسن اخلاق

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اکابر اولیاء اللہ میں سے حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ

نامی ایک بزرگ گزرے ہیں، اصم بہرے کو کہتے ہیں یعنی جو سُن نہیں سکتا۔ ان کا نام حاتم تھا اور اصم ان کا لقب۔ آپ بہرے نہیں تھے مگر لقب اصم اپنے نام کے ساتھ لگا لیا تھا۔ یہ لقب اختیار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ایک خاتون ان سے کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آئی، وہ آپ کے پاس بیٹھ کر مسئلہ دریافت کر رہی تھی کہ اچانک اس خاتون کے پیٹ میں ہوا کا بوجھ ہوا اور آواز کے ساتھ ہوا خارج ہوگئی۔ وہ خاتون اپنی اس حرکت پر بہت زیادہ شرمسار ہوئی اور اسے اپنی یہ حرکت بڑی ناگوار گزری کہ حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ کیا سوچیں گے۔ اِدھر حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ نہیں چاہتے تھے کہ اس خاتون کو کوئی شرمساری یا شرمندگی ہو اور اس کی طبیعت پر بوجھ ہو لہذا آپ نے اس خاتون کی شرمساری و شرمندگی کو ختم کرنے کے لئے اپنے کان اس کی طرف کیے اور کانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا ذرا اونچی آواز میں بات کرو، جب یہ کہا تو اس خاتون کو حوصلہ ہوگیا اور وہ سمجھی کہ یہ بہرے ہیں اور بہرے ہونے کی وجہ سے انہوں نے آواز نہیں سنی اور میں ان کے سامنے شرمندگی سے بچ گئی۔ پس اسکی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کے لیے، اس کو شرمندگی اور ندامت سے بچانے کے لئے اور اسکے اس ظاہری عیب پر پردہ ڈالنے کے لیے آپ نے خود کو بہرہ ظاہر کیا۔ جب تک وہ خاتون زندہ رہی تب تک ہر شخص سے حضرت حاتم جب بات کرتے تو کان آگے کر کے کہتے، ذرا اونچا بولیں یعنی بہرے ہی بنے رہے تاکہ جس ذریعے سے بھی اس خاتون تک خبر پہنچے تو یہی خبر پہنچے کہ وہ بہرے ہیں، کہیں یہ اطلاع نہ پہنچے کہ وہ صحیح ہیں اور اس دن انہوں نے میری شرمساری کو چھپانے کے لیے ایسا عمل کیا، حقیقت میں بہرے نہیں ہیں، اس سے وہ شرمندگی محسوس کرے گی۔ پس ایک خاتون کو شرمساری و شرمندگی سے بچانے کے لئے حضرت حاتم عمر بھر بہرے بنے رہے اور اپنا لقب اصم اختیار کیا اسی بنا پر انہیں حاتم اصم کہتے ہیں۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا حسن اخلاق

حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ قبرستان سے تشریف لا رہے تھے اور ایک نوجوان مستی میں باجا بجا رہا تھا، آپ نے اس شیطانی کام کو دیکھ کر لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی

العظیم پڑھا تو اُس نوجوان نے آگے بڑھ کر باجا اِس زور سے آپ کے سر پر مارا کہ سر پھٹ گیا اور باجا بھی ٹوٹ گیا۔ حضرت کو اتنا رنج اپنے سر پھٹنے کا نہ ہوا جتنا اُس کا باجا ٹوٹ جانے پر ہوا، آپ نے گھر واپس آ کر اُس نوجوان کو باجے کی قیمت اور کچھ حلوہ وغیرہ بھیجتے ہوئے پیغام دیا کہ اِس رقم سے دوسرا باجا خرید لو اور حلوہ وغیرہ خوب کھاؤ تا کہ ٹوٹنے والے باجے کا غم دور ہو جائے۔ آہ! ندامت اور پشیمانی نے اُس کے دل کو جگا دیا، فوراً حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی کا طلبگار بن گیا اور حضرت تو پہلے ہی تہہ دل سے معاف کر چکے تھے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا حسن اخلاق

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ صحرا میں جا رہے تھے کہ ایک سپاہی ملا، اُس نے آبادی کا پوچھا تو آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کیا، اُس نے کہا کہ میں آبادی کے متعلق پوچھ رہا ہوں، آپ نے فرمایا: ''حقیقی آبادی یہی ہے''۔ اُس نے تڑاک سے آپ کے سر پر لاٹھی ماری، خون بہنے لگا، اور وہ اِسی حالت میں آپ کو پکڑ کر شہر کی طرف لے آیا، جب لوگوں نے آپ کو اِس حال میں دیکھا تو اُسے ملامت کی کہ یہ تو حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ہیں، وہ گھوڑے سے اُترا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں پکڑ لیے، اُس نے معافی کی درخواست کی تو فرمایا کہ میں نے معاف کر دیا اور جس وقت تو نے میرا سر پھوڑا، میں نے اُسی وقت تمہارے لیے دعا کی، لوگوں نے دعا کرنے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ اِس تکلیف کے سبب مجھے ثواب نصیب ہوگا، میں نے یہ بات پسند نہ کی کہ مجھے تو اِس کی وجہ سے بھلائی نصیب ہو اور اِسے میری وجہ سے کچھ نہ ملے۔

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ کا حسن اخلاق

ایک شخص حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضرت! میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں، میرے گھر تشریف لائیے۔ آپ تشریف لائے تو اُس نے کہا کہ اب تو کھانا ختم ہو گیا ہے۔ آپ واپس چل پڑے، تھوڑی دور گئے تھے کہ وہی شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ میں نے آپ کی دعوت کی ہے، آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ اُس کے ساتھ واپس

چل پڑے، جب اُس کے گھر پہنچے تو اُس نے کہا کہ میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ کھانا ختم ہو گیا ہے، پھر آپ دوبارہ کیوں آئے ہیں، چنانچہ آپ واپس ہوگئے، کچھ دور گئے تھے کہ وہ شخص پھر بھاگتا ہوا آیا اور کہا کہ آپ کو بار بار دعوت کے لیے بلا رہا ہوں، آپ آتے ہی نہیں، آپ اُس کے ساتھ ہو لیے، اُس کے گھر کے قریب پہنچے تو اُس نے پھر وہی حرکت کی، یہ سلسلہ کافی دیر چلتا رہا، آخر کار اُس نے عرض کیا: حضرت! میں آپ کو آزمانا چاہتا تھا، کیا آپ واقعی بلند اخلاق کے مالک ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، یہ خوبی تو کتے میں بھی پائی جاتی ہے کہ جب اُسے بلاؤ، آجاتا ہے اور جب اُسے بھگادو تو بھاگ جاتا ہے۔

ایک شخص نے اپنے گھر کی چھت پر سے حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر راکھ کا بھرا ہوا طشت ڈال دیا، آپ نے کپڑے جھاڑ کر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا شکر ادا کیا، لوگوں نے شکر ادا کرنے کی وجہ معلوم کی تو فرمایا کہ جو شخص آگ کے قابل ہو، اُس پر راکھ ڈال دی جائے تو شکر ہی کرنا چاہیے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور حسن اخلاق

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک مرتبہ پانچ افراد جو نہایت سخت مزاج تھے، حضرت بابا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور نہایت کرخت اور ناگوار لہجے میں کہنے لگے کہ ہم بے شمار جگہ گئے ہیں لیکن ہمیں آج تک کوئی مردِ کامل یا برگزیدہ بندہ نہیں ملا۔ جب وہ واپس جانے لگے تو حضرت نے فرمایا: ذرا ٹھہرو، میں تمہیں کسی مردِ کامل کا پتہ دوں لیکن وہ نہایت ناگواری کے ساتھ روانہ ہونے لگے تو آپ نے فرمایا: اچھا، اگر تم جاتے ہی ہو تو بیابان کی راہ مت جاؤ، کوئی دوسرا راستہ اختیار کرو لیکن وہ نہ مانے اور بیابان کی راہ سے روانہ ہوئے۔ آپ نے ایک آدمی کو اُن کے پیچھے دوڑایا تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ کس راستے سے جا رہے ہیں۔ وہ آدمی خبر لایا کہ اُنہوں نے بیابان کا رستہ اختیار کر لیا ہے۔ حضرت بابا فرید نے یہ سُنا تو اِس طرح رونے لگے جیسے کوئی بہت بڑا نقصان ہو گیا ہو۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بیابان میں گرم ہوا چلی اور اُن میں سے چار افراد ہلاک ہو گئے،

صرف ایک بچا جس نے کنوئیں کے پاس پہنچ کر اِس قدر پانی پیا کہ وہ بھی ہلاک ہو گیا۔

خواجہ محمد مَن کدر رحمۃ اللہ علیہ کا حسن اخلاق

حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کیمیائے سعادت میں لکھا ہے کہ بغداد میں ایک بزرگ خواجہ محمد مَن کدر رہتے تھے، کپڑے کی تجارت کرتے اور موسم سرما میں پوشاکیں بنوا کر بیچا کرتے۔ جب کسی کام سے کہیں جاتے تو غلام کو بٹھا جاتے اور تاکید کرتے کہ خبردار! یہ پوشاک دو دینار میں دینا اور یہ تین دینار میں۔ کسی میں کمی بیشی نہ کرنا۔ ایک دن ایک اعرابی آیا اور غلام سے پوچھا، فلاں پوشاک کس قیمت کو ملے گا۔ وہ پوشاک دو دینار کی قیمت کا تھا لیکن غلام نے کہا: تین دینار کا۔ اعرابی کو سستا معلوم ہوا اور تین دینار دے کر خرید لیا۔ واپس جا رہا تھا کہ راستے میں اُسے حضرت مَن کدر مل گئے، اپنا پوشاک پہچان کر اُس سے معلوم کیا کہ بھئی! یہ لبادہ کتنے میں لیا ہے؟ اُس نے کہا: صرف تین دینار میں۔ حضرت کہنے لگے کہ اِس قسم کے لبادے دو دینار کو مل جاتے ہیں، دکاندار نے تجھ سے ایک دینار زیادہ لیا ہے۔ واپس آؤ اور پوشاک پھیر دو۔ اعرابی نازک مزاج تھا، سمجھا کہ اِسے پوشاک پسند آ گیا ہے اور سستا جان کر واپس کرواتا ہے تاکہ خود خرید لے۔ غصہ میں آ کر کہنے لگا، یہ پوشاک ہمارے ملک میں دس بارہ دینار کا ہے، تو مجھے دھوکا دے کر واپس کروانا چاہتا ہے تاکہ خود خرید لے۔ حضرت نے جب دیکھا کہ اِس کے دل میں شک پیدا ہو گیا ہے تو کہا: بھئی! ناراضگی مت کرو، یہ پوشاک میری دکان کا ہے، میں نے غلام کو ہدایت کی تھی کہ اِسے دو دینار میں بیچنا لیکن اُس نے تین دینار لے لیے، میرے ساتھ چلو ایک دینار تمہیں واپس کروں گا یا اِس سے اچھا پوشاک تین دینار والا تمہیں دے دوں گا۔ یہ سن کر اعرابی واپس آیا تو حضرت نے ایک دینار اُسے واپس لوٹا دیا۔ اعرابی نے وہاں سے نکل کر لوگوں سے پوچھا کہ یہ دکاندار کون ہے؟ نہایت امین اور دیانت دار معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اِنہیں شیخ محمد مَن کدر کہتے ہیں۔ اعرابی نے حیرانگی کے ساتھ کہا: شیخ محمد مَن کدر یہی ہیں؟ ہم تو اپنے وطن میں بڑے سخت حوادث میں اِن کے نام کو اپنا شفیع کرتے ہیں، اِن کے نام کی برکت سے ہماری

دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ہم تو جانتے تھے کہ محمد مَن کدر کوئی بہت بڑا بزرگ ہے، خانقاہ میں رہتا ہو گا لیکن یہ ہرگز معلوم نہیں تھا کہ اِس طرح تاجروں میں پائے جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا حسن اخلاق

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک شرارتی شخص رہتا تھا، بحالت نشہ شور وغل مچاتا، حضرت یہ سب برداشت فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت کے کسی درویش نے یہ حال دیکھ کر اُسے کوتوالی میں پکڑوا دیا۔ حضرت نے سنا تو درویش پر بہت بگڑے، وہ بولا ''حضرت وہ شخص بڑا نالائق اور شریر تھا'' حضرت نے سرد آہ بھر کر فرمایا ''تم خود کو نیک اور صالح جانتے ہو اور تمہیں دوسرے شریر و فاسق نظر آتے ہیں؟ فرمایا، میں اپنے آپ کو اُس سے زیادہ بُرا پاتا ہوں۔'' درویش اُسی وقت مذکورہ شخص کو رہا کرا لایا، کہتے ہیں کہ وہ شخص تائب ہو کر صالحین میں شامل ہو گیا۔

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت

امام ربانی، شیخ مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ ''تم خوش دل ہو یا تنگ دل، ہر صورت میں جس سے بھی ملو خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا، کشادہ پیشانی اور حسن اخلاق سے ملو۔ کسی پر اعتراض نہ کرو، گفتگو میں سختی ہرگز نہ کرو، خانقاہ کی ٹوٹی چٹائی کو تختِ سلطنت سمجھو۔ پرانی جھونپڑی اور سوکھی روٹی پر قناعت کرو۔ صحبت امراء اور مجلسِ سلطان سے پرہیز رکھو۔''

چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اسی عہد پر ختم ہوئی کہ سلطان شاہ جہاں آپ کی رفاقت کی تمنا کرتا رہا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ سلطان عالمگیر حلقہء ارادت میں داخل ہوا۔ حاکمِ وقت تھا مگر اُس پر آپ کا اس قدر رعب طاری رہتا تھا کہ مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی، بیٹھ جاتا تھا اور آپ کی خدمت میں ادب کی بناء پر زبان سے شاذ و نادر ہی کچھ عرض کرتا تھا۔ لکھ کر گذارشات پیش کرتا تھا۔ مشہور روایت کے مطابق آپ کے ساٹھ ہزار خلفاء اور نو لاکھ مریدین تھے۔ کئی بادشاہ آپ کے مرید تھے۔ جب آپ حجاز مقدس تشریف لے گئے تو ہزاروں کی تعداد میں اہل حرمین

آپ سے بیعت ہوئے۔اس قدر تبلیغی مصروفیات کے باوجود درس وتدریس کا سلسلہ نہ چھوڑا۔

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کا حسن اخلاق

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں ایک چوہدری اپنے نوکر کے ہمراہ حاضر خدمت ہوا۔حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے لنگر شریف لانے کی تاکید فرمائی۔ تھوڑی دیر کے بعد لنگر شریف پیش کر دیا گیا تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے چوہدری سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے تو اُسے بلوا لیں تاکہ وہ بھی لنگر شریف کھا لے۔ چوہدری صاحب کہنے لگے کہ حضرت جی! وہ میرا نوکر ہے، اُسے باہر ہی کھانا دے دیں۔حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ چوہدری کی بات سن کر فرمانے لگے، اچھا بھئی بیلیو! چوہدری صاحب کے نوکر کو میرے ساتھ علیحدہ کھانا دے دو کیونکہ وہ چوہدری صاحب کا نوکر ہے اور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نوکر ہوں۔ہم دونوں نوکر مل جل کر کھانا کھا لیتے ہیں۔چوہدری نے جب آپ کا یہ فرمان سنا تو وہ شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا اور اُسی وقت معافی کا خواستگار ہوا۔

حضرت سیّد محمد اسمٰعیل شاہ بخاری، حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مرتبہ بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے سجادہ نشین جناب دیوان غلام قطب الدین صاحب پاک پتن شریف سے تشریف لائے، وہ حقہ پینے کی عادت میں مبتلا تھے، حضرت کرماں والے حقہ اور تمباکو نوشی سے سخت نفرت کرتے لیکن یہاں تبلیغ کا موقع ہاتھ آیا تو آپ کا اخلاق اور اندازِ تبلیغ ملاحظہ کریں کہ بڑی محبت اور چاہت کے ساتھ اپنے بیٹے سیّد عثمان علی شاہ بخاری کو حکم فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے حقہ تیار کر کے لاؤ، انہوں نے گاؤں سے حقہ منگوایا اور پھر خود تیار کر کے لے آئے، حضرت نے مہمان کے سامنے حقہ رکھوایا اور کہا کہ جناب حقہ نوش فرمائیے، اب اُن کی حالت یہ تھی کہ انکار کرتے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ اصرار کرتے، حتیٰ کہ اُن کے دل میں حقہ نوشی کی نفرت پیدا ہو گئی۔

شیخ الشیوخ بابا جی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری کا فرمان

آپ نے ایک مجلس (بروز پیر ۲۸ ذیقعدۃ ۱۴۲۵ ہجری 10 جنوری 2005ء) کے

دوران ارشاد فرمایا: پسندیدہ سے اخلاق کرنا کوئی بڑی بات نہیں، یہ بہت آسان ہے، حسن اخلاق یہ ہے کہ جسے پسند نہیں کرتے اُس کے ساتھ اخلاق و محبت کرو۔ کسی کو انکار بھی کرنا ہو تو ایسے سلیقے، قرینے اور محبت کے ساتھ کرو کہ اُسے معلوم تو ہو جائے لیکن محسوس نہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شاہ صاحب مجھے ملنے کے لیے آئے۔ میں نے اُن سے قیام کرنے کے لیے اصرار کیا تو مسکرا کر نہایت پیار کے ساتھ جواب دیا: یہ تو ممکن نہیں ہو سکے گا ناں! یعنی اُنہوں نے کس قدر پیار کے ساتھ قیام کو قطعی ناممکن ٹھہراتے ہوئے بات ہی ختم کر دی۔ لہذا انکار بھی کرو تو ایسے خوبصورت انداز میں کرو کہ طبیعت انکار سن کر مکدّر نہ ہو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ طبیعت خراب تھی لیکن میں نے اپنے آپ پر جبر کر کے ملاقات کر لی جس کی وجہ سے ملاقات میں شگفتگی باقی نہ رہی تو تین ماہ پریشان رہا کہ بیلیوں سے صحیح انداز میں ملاقات کیوں نہیں کر سکا۔

آپ نے مزید فرمایا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ سخت مزاج تھے حالانکہ ایسی بات نہیں آپ شگفتہ مزاجی پسند فرماتے۔ آپ کے بیلی مولوی محمد رفیق سرخا (جامع مسجد نور چٹی مسجد، غازی آباد، مغلپورہ، لاہور میں اُن کا مزار مرجع خلائق ہے) اکثر خوش مزاجی کر لیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ داتا صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ سے موہنی روڈ (سیٹھ محمد شفیع کے گھر) تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ نے مولوی صاحب سے فرمایا، کچھ سناؤ۔ مولوی محمد رفیق سرخا صاحب نے ایک ہاتھ کان پر دھرا اور بازو لمبا کر کے ہیر سُنانا شروع کر دی اور آپ اُنہیں دیکھ دیکھ کر بہت مُسکراتے تھے۔ اِسی طرح ایک مرتبہ حضرت صاحب سرکار رحمۃ اللہ علیہ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ مٹی کی پلیٹ میں گوشت کا سالن تھا۔ مولوی محمد رفیق سُرخا صاحب کو خوش مزاجی سُوجھی اور کہنے لگے، حضور! جب شیر بوڑھا ہو جاتا ہے تو چیل (یا غالباً کسی اور پرندے کا نام لیا) اُڑتی ہوئی جھپٹا مار کر اُس سے گوشت لے جاتی ہے، یہ کہتے ہوئے مولوی محمد رفیق صاحب نے اپنا بازو لہراتے ہوئے پلیٹ میں سے گوشت کی بوٹی اُٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اِس انداز پر بہت مُسکرائے اور فرمایا، مولوی جی! آدمی بوڑھا ہوتا جائے تو بزرگی جوان ہوتی چلی جاتی ہے۔

تبلیغ

خانقاہی نظام کے پانچ ستونوں میں ''تبلیغ'' تیسرا ضروری ستون ہے۔ ایمان لانے کے بعد اعمال کی بجاآوری کے ذریعے جب اپنے آپ کو مزین کرلیا تو پھر دوسروں کو بھی اِس نعمت سے ہمکنار کرانے کے لیے وعظ و نصیحت اور تبلیغ کرنی چاہیے۔

تبلیغ

"تقریباً تیس سال تبلیغ پر تنقید کی گئی۔ تنقید کی وجہ اُس تبلیغ کا پروگرام تھا۔ دراصل اعتراض تبلیغ پر نہیں تھا بلکہ ایسی تبلیغ پر اعتراض تھا جس کے ذریعے غیر محسوس انداز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت گھٹانے کی کوشش کی جائے۔ ہمارے معاشرے نے ابھی تک فکر کی وہ منزلیں طے نہیں کیں جہاں سوچ پختہ ہو جاتی ہے۔ یہ تو گمراہ عقیدے والی ایک جماعت کی مثال ہے، شاید اگر کوئی غیر مسلم جماعت آ جائے تو ہمارے لوگ اُس طرف بھی تھوڑا بہت منتقل ہو جائیں گے۔ کسی نے جیسا ورغلایا، اُسی طرف چل پڑتے ہیں۔ بہرحال گمراہ کن تبلیغ پر تنقید ہی کرنی چاہیے تھی لیکن غلطی یہ ہوئی کہ ساتھ ہی ساتھ اپنا کوئی مساوی طریقہء تبلیغ پیش نہیں کیا۔ اگر خانقاہوں سے بھی اُسی طرح تبلیغ جاری ہوتی جس طرح شروع سے ہو رہی تھی اور صحیح انداز میں بتایا جاتا کہ دین کیا ہے؟ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کی روشنی میں دنیا کے معاملات کو حل کرنے کا نام دین ہے یا ہم نے احکام الٰہی اور فرمان مصطفٰے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں دنیاوی، کاروباری، معاشی اور سیاسی معاملات حل کرنے ہیں۔ بہرحال ہمیں تبلیغ ضرور اور خوب کرنی چاہیے اور ہماری تبلیغ کا جزوِ اعظم یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا فروغ ہو اور جس کی ابتداء درودِ پاک سے ہو جس کا اختتام محفل میلاد اور صلوٰۃ وسلام پر ہو۔"

شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری

سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف اوکاڑا

اللہ رب العزت سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ نے قرآن مجید، فرقان حمید میں متعدد مقامات پر ''نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے روکنے'' کی ترغیب دلائی ہے۔

'' وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ''

ترجمہ:۔ اورتم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائے اور اچھی بات کا حکم دے اور برائی سے منع کرے اور یہی لوگ مراد کو پہنچے'' (آل عمران:۱۰۴)

☆

'' كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ '' (آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ: ''یعنی تم ان سب امتوں سے بہترین امت ہو جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں کیونکہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔''

☆

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ○ (پارہ ۲۸، ع۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ

جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

☆

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ (سورۃ توبہ آیت ۷۱)

ترجمہ :مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے مومنوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں، اب جو نیکی کا حکم دینا بند کردے وہ اس تعریف میں شامل نہیں ہے۔

☆

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ o

"**ترجمہ**: اور اُس سے زیادہ کس کی بات اچھی ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف بلائے اور نیکی کرے اور کہے میں مسلمان ہوں۔" (پارہ ۲۴ رکوع ۱۹)

اِس آیتِ مقدسہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے مسلمان کی بات کو عمدہ قرار دیا ہے جو نیکی کی دعوت دیتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہٗ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔

☆

وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ط (پارہ ۲۱، ع ۱۱)

ترجمہ :اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر اور جو اُفتاد ( ) تجھ پر پڑے اس پر صبر کر۔

☆

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: **بَلِّغُو عَنِّی وَلَو آیہ** یعنی پہنچادو میری طرف سے اگر چہ ایک ہی آیت ہو۔

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بھلائی کے پھیلنے کا اور برائی کو روکنے کا ذریعہ ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو برائی کے پھیلنے کا ذریعہ اور بھلائی میں رکاوٹ ہوتے ہیں۔ چنانچہ مبارک ہے اُن لوگوں کے لیے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے خیر کے پھیلنے کا ذریعہ بنایا اور ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو برائی پھیلنے کا سبب ہو گئے۔ (تنبیہ الغافلین)

رسول اکرم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو حکم دیا: ''فلاں شہر کو تباہ کر دو۔ فرشتے نے عرض کیا کہ الٰہی! فلاں شخص جس نے کبھی ایک لمحہ بھی گناہ نہیں کیا ہے، اِسی شہر میں موجود ہے، اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اور ایسا ہی کرو کہ اس شخص نے کبھی دوسروں کے گناہوں پر ناگواری کا اظہار نہیں کیا تھا۔ (یعنی نیکی کی دعوت اور برائی سے روکنے کا کام نہیں کرتا تھا)۔ (بحوالہ کیمیائے سعادت)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص تم میں سے کوئی خلافِ شرع امر دیکھے تو اُس کو ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اگر اسکی طاقت بھی نہ رکھتا ہو تو دل سے بُرا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔

(مسلم شریف)

حضرت سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا، اگر ایسا نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسا حاکم مقرر کر دے گا جو تمہارے بزرگوں کا احترام نہیں کرے گا، تمہارے بچوں پر رحم نہیں کرے گا، تمہارے بڑے بلائیں گے مگر ان کی بات نہیں مانی جائے گی، وہ مدد طلب کریں گے لیکن ان کی مدد نہیں کی جائے گی اور بخشش طلب کریں

گے مگر انہیں بخشا نہیں جائے گا۔ (مکاشفۃ القلوب)

''سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس قوم میں گناہ کا رواج ہو جائے اور لوگ اس کا برا نہ منائیں تو اللہ تعالیٰ جلد ہی عذاب نازل کرتا ہے جس میں سبھی مبتلا ہو جاتے ہیں اور ارشاد فرمایا کہ جہاد کے مقابلہ میں تمہارے نیک کام ایسے ہیں جیسا بڑے دریا کا ایک قطرہ جبکہ اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقابلہ میں جہاد کی مثال ایسے ہے جیسے دریا میں ایک قطرہ! (کیمیائے سعادت)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم کرو گے اور بُرائی سے روکو گے یا قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب مسلط کرے گا پھر تم دعا مانگو گے اور وہ قبول نہ ہوگی۔ (ترمذی)

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ایک حدیث پاک نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''قیامت کے دن ایک شخص اپنے پڑوسی کے خلاف بارگاہ خداوندی میں دعویٰ کرے گا، یا اللہ! دنیا میں یہ میرا پڑوسی تھا اور اس نے میرے ساتھ خیانت کی، دوسرا شخص جواب میں عرض کرے گا، اے اللہ! تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم! میں نے کبھی اس کے مال یا اس کے اہل میں خیانت نہیں کی۔ مدعی (دعویٰ کرنے والا) عرض کرے گا، یہ تو ٹھیک ہے کہ اس نے میرے مال اور اہل کے بارے میں کوئی خیانت نہیں کی، لیکن یہ مجھے گناہوں اور برائیوں میں مبتلا دیکھتا تھا مگر پھر بھی مجھے برائیوں سے بچنے کی تلقین نہیں کرتا تھا، تو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ رب العالمین سبحانہ وتعالیٰ اسی جرم کی سزا میں اُس کو بھی عذاب دیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: معراج کی رات میں نے بہت سے آدمی دیکھے جو آگ کی قینچیوں سے اپنے ہونٹ کاٹ رہے تھے، میں نے کہا: اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ لوگ آپکی امت کے خطیب ہیں، لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور اپنی جانوں کو بھلا دیتے تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: آپکی

امت کے خطیب ہیں جو کہتے ہیں اُس پر خود عمل نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔ (بیہقی)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور آگ میں ڈال دیا جائے گا اس کی انتڑیاں آگ میں نکل پڑیں گی، وہ پھرے گا جس طرح گدھا آٹے کی چکی کے گرد گھومتا ہے، دوزخ والے اس پر جمع ہوں گے اور کہیں گے اے فلاں شخص وہ کہے گا، ہاں میں تم کو نیکی کا حکم کرتا تھا اور خود نہ کرتا تھا اور بُرائی سے روکتا تھا اور خود نہ رُکتا تھا۔ (متفق علیہ)

شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف کے دادا جان حضرت پیر سیّد محمد اسمٰعیل شاہ بخاری حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر تھا۔ بیٹھے بیٹھے اُس کے دل میں خیال آیا کہ حضرت صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اتنی روحانی طاقت عطا فرمائی ہے کہ چاہیں تو مردے زندہ کر دیں۔ جیسے ہی اُس نے یہ گمان کیا، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے اُس بیلی سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا، بیلیا! دلوں کی باتیں جان لینا یا مردے زندہ کر دینا کوئی کمال نہیں، اصل کمال یہ ہے کہ کسی کو شریعتِ مطہرہ پر عمل پیرا کر دیا جائے۔

تبلیغ کے راستے میں تکالیف برداشت کرنا

تبلیغ کرنے والے کو راہِ حق میں بے شمار تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن صبر اور برداشت کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھنا ہی ایک مبلغ کی حقیقی کامیابی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق کے راستے میں آنے والی تکالیف کو ''اونچی جگہ سے نیچے کی طرف آنے والے پانی'' سے تشبیہ دی۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سوچ لو! کیا کہہ رہے ہو؟ اس نے پھر عرض کیا: اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (پھر) سوچ لو! کیا کہہ رہے ہو؟ اس نے پھر عرض کیا: اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ اس نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تو مجھ سے محبت کرتا ہے تو فقر (کا سامنا کرنے) کے لیے تیار ہو جا کیوں کہ مجھ سے محبت کرنے والوں کی طرف فقر اس سے بھی زیادہ تیزی سے بڑھتا ہے جتنی تیزی سے سیلاب اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہے۔'' اسے امام ترمذی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ (بحوالہ ترمذی فی سنن، کتاب الزھد، باب ماجاء فی فضل الفقر ۴/ ۵۷۶، ابن حبان فی صحیح ۷/ ۱۸۵، الرقم ۲۹۲۲، بیہقی فی الشعب الایمان ۲/ ۱۷۳، الرقم ۱۴۷۱)

☆

حضرت عتمہ جہنی رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے روایت کیا کہ انہوں نے بیان کیا: ایک دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے تو انصار میں سے ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ کے چہرۂ اقدس کی اس حالت نے مجھے پریشان کر دیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لمحہ اس شخص کی طرف دیکھا پھر فرمایا: فاقہ، تو وہ شخص دوڑتا ہوا یا تیز تیز چلتا ہوا وہاں سے نکلا یہاں تک کہ اپنے گھر میں آیا اور وہاں کھانا تلاش کیا لیکن کوئی چیز نہ پائی، پھر وہ بنی قریظہ (قبیلہ یہود) کی طرف آیا اور فی ڈول پانی نکالنے کے بدلے ایک کھجور پر مزدوری کر لی، یہاں تک کہ گود بھر یا مٹھی بھر کھجوریں جمع کر لیں، پھر کھجوریں لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں لوٹا، تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی جگہ موجود پایا۔ سو اس نے وہ کھجوریں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! تناول فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس یہ کھجوریں کہاں سے آئی ہیں؟ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سارا واقعہ عرض

کیا۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔اس نے عرض کیا: جی ہاں (یارسول اللہ) اور قسم ہے اس ذات کی جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا! بلاشبہ آپ مجھے میری جان، میری اولاد، میرے اہل وعیال اور میرے مال سے بھی بڑھ کر محبوب ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: (اگر ایسا ہے) تو فاقہ کشی کا انتظار کر اور مصائب (کا سامنا کرنے) کے لیے کمر بستہ ہو جا۔پس قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا! یہ (فقر و مصائب) دونوں میرے ساتھ محبت کرنے والے (کی آزمائش کے لیے اس) کی طرف پہاڑ کی چوٹی سے پستی کی طرف گرنے والے سیلاب سے بھی زیادہ تیزی سے آتے ہیں۔'' اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

(بحوالہ: طبرانی فی المعجم الکبیر ۸۳/۱۸، الرقم ۱۵۵، والہیثمی فی مجمع الزوائد ۳۱۳/۱۰، والعسقلانی فی الاصابہ ۳۶/۴ ۷، الرقم ۶۰۸۶)

☆

ایک دوسری حدیث میں پہلی اُمتوں میں سے ایک تبلیغ کرنے والے کو پیش آنے والی مشکلات کا ذکر حسبِ ذیل کیا گیا ہے۔

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں ایک بادشاہ تھا اور اسکا ایک جادوگر تھا۔جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو بادشاہ سے بولا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میرے پاس کوئی لڑکا بھیج کہ میں اس کو جادو سکھلاؤں۔بادشاہ نے اس کے پاس ایک لڑکا بھیجا، چنانچہ جادوگر اس لڑکے کو جادو سکھلاتا تھا۔اس لڑکے کی آمدورفت کی راہ میں ایک راہب تھا (تارک الدنیا عیسائی پادری) وہ لڑکا اس کے پاس بیٹھا اور اسکا کلام سنا تو اسے اس کی باتیں اچھی لگیں۔اب وہ لڑکا جب بھی جادوگر کے پاس جاتا تو راہب کی طرف سے ہو کر نکلتا اور اسکے پاس بیٹھتا، پھر جب جادوگر کے پاس جاتا تو جادوگر اس کو (دیر سے آنے کی وجہ سے) مارتا۔آخر لڑکے نے جادوگر کے مارنے کا راہب سے شکوہ کیا تو راہب نے کہا کہ جب تو جادوگر

سے ڈرے، تو یہ کہہ دیا کر کہ میرے گھر والوں نے مجھ کو روک رکھا تھا اور جب تو اپنے گھر والوں سے ڈرے، تو کہہ دیا کر کہ جادوگر نے مجھے روک رکھا تھا۔ چنانچہ اسی حالت میں وہ لڑکا جاتا رہا۔ ایک دن وہ لڑکا اچانک ایک بڑے درندے پر گزرا کہ جس نے لوگوں کو آمدورفت سے روک رکھا تھا۔ لڑکے نے کہا کہ آج میں معلوم کرتا ہوں کہ جادوگر افضل ہے یا راہب افضل ہے۔ اس نے ایک پتھر لیا اور کہا کہ الٰہی اگر راہب کا طریقہ تجھے جادوگر کے طریقے سے زیادہ پسند ہو تو اس جانور کو ہلاک فرما تاکہ لوگ گزر جائیں۔ پھر اس کو پتھر سے مارا تو وہ جانور مر گیا اور لوگ گزرنے لگے۔ پھر وہ لڑکا راہب کے پاس آیا اس سے یہ حال کہا تو وہ بولا کہ بیٹا تو مجھ سے بڑھ گیا ہے، یقیناً تیرا رتبہ یہاں تک پہنچا جو میں دیکھتا ہوں اور تو عنقریب آزمایا جائے گا۔ پھر اگر تو آزمایا جائے تو میرا نام نہ بتلانا۔ اس لڑکے کا یہ حال تھا کہ اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا اور ہر قسم کی بیماری کا علاج کرتا تھا۔ یہ حال جب بادشاہ کے مصاحب نے سنا، جو کہ اندھا ہو گیا تھا، تو وہ اُس لڑکے کے پاس بہت سے تحفے لایا اور کہنے لگا کہ یہ سب مال تیرا ہے اگر تو مجھے اچھا کر دے۔ لڑکے نے کہا کہ میں کسی کو اچھا نہیں کرتا، اچھا کرنا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اگر تو اللہ پر ایمان لائے تو میں اللہ سے دعا کروں گا تو وہ تجھے اچھا کر دے گا۔ چنانچہ وہ وزیر اللہ پر ایمان لے آیا اور اللہ نے اس کو اچھا کر دیا۔ وہ بادشاہ کے پاس گیا اور اس کے پاس بیٹھا جیسا کہ بیٹھا کرتا تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ تیری آنکھ کس نے روشن کی؟ وزیر بولا کہ میرے مالک نے۔ بادشاہ نے کہا کہ میرے سوا تیرا مالک کون ہے؟ وزیر نے کہا کہ میرا اور تیرا مالک اللہ ہے۔ بادشاہ نے اس کو پکڑا اور عذاب شروع کیا، یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا نام لے لیا۔ وہ لڑکا بلایا گیا۔ بادشاہ نے اس سے کہا کہ اے بیٹا تو جادو میں اس درجہ پر پہنچا کہ اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہے اور بڑے بڑے کام کرتا ہے؟ وہ بولا کہ میں تو کسی کو اچھا نہیں کرتا بلکہ اللہ اچھا کرتا ہے۔ بادشاہ نے اس کو پکڑا اور مارتا رہا، یہاں تک کہ اس نے راہب کا نام بتلایا۔ راہب پکڑ لیا گیا۔ اس سے کہا گیا کہ اپنے دین سے پھر جا۔ اس کے نہ ماننے پر بادشاہ نے ایک آرا منگوایا اور راہب کی پیشانی پر رکھ کر اس کو چیر ڈالا، یہاں تک کہ

دوٹکڑے ہوکر گر پڑا۔ پھر وہ وزیر بلایا گیا، اس سے کہا گیا کہ تو اپنے دین سے پھر جا، وہ بھی نہ مانا تو اس کی پیشانی پر بھی آرا رکھا گیا اور چیر ڈالا، یہاں تک کہ دوٹکڑے ہوکر گر پڑا۔ پھر وہ لڑکا بلایا گیا، اس سے کہا کہ اپنے دین سے پلٹ جا، اس نے بھی انکار کیا تو بادشاہ نے اس کو اپنے چند ساتھیوں کے حوالے کیا اور کہا کہ اس کو فلاں پہاڑ پر لے جا کر چوٹی پر چڑھاؤ، جب تم چوٹی پر پہنچو تو اس لڑکے سے پوچھو، اگر وہ اپنے دین سے پھر جائے تو خیر، نہیں تو اس کو دھکیل دو۔ وہ اس کو لے گئے اور پہاڑ پر چڑھایا۔ لڑکے نے دعا کی کہ الٰہی جس طرح تو چاہے مجھے ان کے شر سے بچا۔ پہاڑ ہلا اور وہ لوگ گر پڑے۔ وہ لڑکا بادشاہ کے پاس چلا آیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تیرے ساتھی کہاں گئے؟ اس نے کہا کہ اللہ نے مجھے ان کے شر سے بچالیا۔ پھر بادشاہ نے اس کو اپنے چند ساتھیوں کے حوالے کیا اور کہا کہ اس کو ایک کشتی میں دریا کے اندر لے جاؤ، اگر اپنے دین سے پھر جائے تو خیر ورنہ اسکو دریا میں دھکیل دینا۔ وہ لوگ اس کو لے گئے۔ لڑکے نے کہا کہ الٰہی! تو مجھے جس طرح چاہے ان کے شر سے بچالے۔ وہ کشتی اوندھی ہوگئی اور لڑکے کے سوا سب ساتھی ڈوب گئے اور لڑکا زندہ بچ کر بادشاہ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تیرے ساتھی کہاں گئے؟ وہ بولا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے شر سے بچالیا۔ پھر لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ تو مجھے اس وقت تک نہ مار سکے گا، جب تک کہ جو طریقہ میں بتلاؤں وہ نہ کرے۔ بادشاہ نے کہا کہ وہ کیا؟ اس نے کہا کہ تو سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر کے مجھے ایک لکڑی پر سولی دے، پھر میرے ترکش سے ایک تیر لے کر کمان کے اندر رکھ، پھر کہہ کہ اس اللہ کے نام سے مارتا ہوں جو اس لڑکے کا مالک ہے۔ پھر تیر مار۔ اگر تو ایسا کرے گا تو مجھے قتل کرے گا۔ بادشاہ نے سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا، اس لڑکے کو درخت کے تنے پر لٹکایا، پھر اس کے ترکش میں سے ایک تیر لیا اور تیر کو کمان کے اندر رکھ کر یہ کہتے ہوئے مارا کہ اللہ کے نام سے مارتا ہوں جو اس لڑکے کا مالک ہے۔ وہ تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا۔ اس نے اپنا ہاتھ تیر کے مقام پر رکھا اور مر گیا۔ لوگوں نے یہ حال دیکھ کر شور مچا دیا اور کہا کہ ہم تو اس لڑکے کے مالک پر ایمان لائے، ہم اس لڑکے کے مالک پر ایمان لائے، ہم اس

لڑکے کے مالک پر ایمان لائے۔ کسی نے بادشاہ سے کہا کہ اللہ کی قسم! جس سے تو ڈرتا تھا وہی ہوا یعنی لوگ ایمان لے آئے۔ بادشاہ نے راستوں کے نالوں پر خندقیں کھودنے کا حکم دیا۔ پھر خندقیں کھودی گئیں اور ان میں خوب آگ بھڑکائی گئی اور کہا کہ جو شخص اس دین سے (یعنی لڑکے کے دین سے) نہ پھرے، اسے ان خندقوں میں دھکیل دو، یا اس سے کہا جائے کہ ان خندقوں میں گرے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا، یہاں تک کہ ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا، وہ عورت آگ میں گرنے سے جھجک گئی (یا پیچھے ہٹی) تو بچے نے کہا کہ اے ماں! صبر کر تو سچے دین پر ہے (مرنے کے بعد پھر چین ہی چین ہے، پھر تو دنیا کی مصیبت سے کیوں ڈرتی ہے؟ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس حدیث سے اولیاء کی کرامات ثابت ہوتی ہیں)۔

☆

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت و تبلیغ کے لیے مکہ معظّمہ سے تھوڑی دور طائف کی وادی میں تشریف لے جاتے ہیں۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی کے عام لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں وہ انکار کر دیتے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی کے معزز لوگوں کو دعوت دیتے ہیں وہ نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ ظلم کی انتہا کر دیتے ہیں اور وادی کے آوارہ لوگوں کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے لگایا جاتا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھروں کی بارش کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک جوتیاں مقدس لہو سے بھر جاتی ہیں۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہیں۔ آقا اور غلام دونوں زخمی ہیں۔ پہاڑوں کا فرشتہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرتا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم فرمائیں تو میں پہاڑ انکے اوپر گرا کر انہیں تباہ و برباد کر دیتا ہوں۔ لیکن رحمتِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ ان کی اولاد سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو خدا پر ایمان لے آئیں گے۔

خواتین کا تکالیف برداشت کرنا

فرعون کی بیوی اور اس کی ایک خادمہ کا واقعہ تفسیر مجاہد میں بیان کیا گیا ہے، فرعون کی

بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا اور ان کی خادمہ مشاطہ رضی اللہ عنہا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں، اس کی اطلاع فرعون کو ملی، اس نے پہلے مشاطہ کو بلا کر پوچھا، انہوں نے بھرے دربار میں حقیقتِ حال بیان کر دی، فرعون نے ان پر اتنے مظالم ڈھائے، لیکن اللہ کی اس نیک بندی نے دامنِ استقامت ہاتھ سے جانے نہیں دیا، فرعون نے ان کے دو بیٹوں کو ان کے سامنے ذبح کیا اور ان پر سانپ چھوڑے گئے اور ہاتھ پیر میں کیلیں ٹھونکی گئیں، اس کے باوجود اس نیک دل خاتون کی زبان پر ایک جملہ تھا: ''**فاقض ما انت قاض، ربی وربك رب كل شیءٍ اللّٰه**'' تو جو چاہے کر۔ میرا اور تیرا اور ہر چیز کا ربّ اللہ ہے، یہی ایک جملہ کہتے ہوئے اپنی جان کی قربانی اللہ کے حضور پیش کر دی۔ لیکن ایمان جو جان سے زیادہ عزیز تھا اُسے نہیں چھوڑا۔ اس کے بعد فرعون نے اپنی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا کو بلایا، انہوں نے بھی فرعون کی خدائی کا انکار کر کے ایک خدا کا اقرار کیا، اس ایک اقرار نے بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا پر مظالم کا دروازہ کھول دیا، فرعون نے تمام لوگوں کے سامنے انہیں برہنہ کیا اور ان کے ہاتھوں اور پیروں میں لوہے کے کیل ٹھونکے گئے اور پورے جسم سے کھال اتاری گئی اور اس پر مرچیں ڈالی گئیں اور اسی حالت میں مرتبہء شہادت پر فائز ہوئیں اور اس تکلیف دہ حالت میں وہ خدائے لاشریک سے دعا کرنے لگیں: اے پروردگار! مجھے اس محل کے بدلے جنت میں آپ کے پاس ایک گھر چاہیے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات عطا فرما دیجیے۔ (باب سورۃ قصص 1 / 425)

☆

اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کا اولین شرف ایک خاتون کے حصے میں آیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد تقریباً 9 سال زندہ رہیں، اس مدت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہر طرح کے مصائب کو نہایت ہی ہمت سے برداشت کیا اور اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے طعن و تشنیع اور ملامت کی پروا کیے بغیر اپنے آپ کو تبلیغ دین میں لگایا، کفار مکہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعبِ ابی طالب میں محصور کیا تو

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اس مصیبت میں آپ ﷺ کے ساتھ تھیں، پورے تین سال یہ جان لیوا آلام ومصائب بڑے ہی صبر واستقامت کے ساتھ برداشت کیے اور آپ ﷺ کی معیت کا حق ادا کیا۔

☆

اسی طرح آپ ﷺ کی ایک اور زوجہ محترمہ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے دین وایمان کی حفاظت کی خاطر، جب اپنے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور ننھے بیٹے سلمہ کے ساتھ مدینہ ہجرت کررہی تھیں، ان کے قبیلہ بنومغیرہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کا راستہ روک لیا اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا تم اکیلے جاسکتے ہو، ہماری لڑکی تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔ یہ کہہ کر وہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو زبردستی اپنے ساتھ لے چلے، اتنے میں ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنوعبدالاسد والے وہاں آپہنچے، انہوں نے امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے بچے سلمہ پر قبضہ کرلیا اور بنومغیرہ سے کہا اگر تم اپنی لڑکی کو ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے نہیں دیتے تو ہم اپنے قبیلہ کے بچے کو تمہارے پاس نہیں چھوڑیں گے، مکمل ایک سال امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے اور شوہر کے بغیر گذارا، وہ روزانہ صبح کے وقت گھر سے نکلتیں اور ایک ٹیلے پر بیٹھ کر رویا کرتی تھیں، دین کی خاطر حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ تکالیف برداشت کی ہیں۔

☆

حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو کنانہ یا ابن کنانہ مکہ سے لے کر چلے، قریشِ مکہ ان کی تلاش میں نکلے، راستہ میں انہیں روک لیا، ایک شخص اپنا نیزہ ان کے اونٹ کو مارتا رہا، حضرت زینب اونٹ سے نیچے گر پڑیں، جس کی وجہ سے ان کا حمل ساقط ہوگیا اور خون بہنے لگا، لوگ انہیں ابوسفیان کے پاس لے گئے، ابوسفیان نے انہیں عورتوں کے حوالے کردیا، پھر کچھ عرصہ بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہجرت کرکے مدینہ آئیں اور مسلسل بیمار رہنے لگیں، اس بیماری میں ان کا انتقال ہوگیا، سب

مسلمان انہیں شہید تصور کرتے تھے، حضور نبی کریم ﷺ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میری بیٹیوں میں سے یہ سب سے اچھی بیٹی ہیں، جنہیں میری وجہ سے بہت زیادہ تکلیف اٹھانی پڑی۔

☆

ایک دن آپ ﷺ بنی مخزوم کے محلے سے گزرے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ کفارِ قریش نے ایک بوڑھی عورت کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں زمین پر لٹا رکھا ہے اور پاس کھڑے ہو کر قہقہے لگا رہے ہیں، ساتھ ہی اس مظلوم خاتون سے کہہ رہے ہیں کہ محمد (ﷺ) کا دین قبول کرنے کا مزہ چکھو، اس مظلوم خاتون کی بے بسی دیکھ حضور ﷺ آبدیدہ ہو گئے اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا ''صبر کرو۔ تمہارا ٹھکانہ جنت ہے''۔ یہ خاتون، جنہیں جنت کی بشارت دی گئی، حضرت سمیہ بنت خباط رضی اللہ عنہا ہیں، جن کے تمام گھرانے پر قریش کا عتاب نازل ہوا، ان کے شوہر حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کفار کی اذیتوں کی تاب نہ لا کر عازم جنت ہوئے، ادھر بوڑھی سمیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے عمار رضی اللہ عنہ کو ہر طرح کی مصیبتوں سے آزمایا گیا، ایک مرتبہ ابوجہل نے غضب ناک ہو کر حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا پر نیزہ سے وار کیا، جو جسم کے آر پار ہو گیا، انہوں نے اسی وقت اسلام کی پہلی شہید خاتون کے بلند مرتبہ پر فائز ہو کر جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

☆

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تکالیف برداشت کرنا

ایک دن حضور ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے جانثاروں کے ہمراہ خانہ کعبہ تشریف لے گئے۔ اس وقت وہاں بہت سے صنادیدِ قریش جمع تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اجازت لے کر ان لوگوں کے سامنے ایک دردمندانہ تقریر کی جس میں ان کو کفر و شرک پر تین حرف بھیج کر دین حق قبول کرنے کی دعوت دی۔

مشرکین دعوتِ توحید تو کیا قبول کرتے ان پر اس کا اُلٹا اثر ہوا۔ ابھی تقریر ختم نہیں ہوئی تھی کہ اعدائے حق سخت مشتعل ہو گئے، چاروں طرف سے ہجوم کر کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کو نہایت بے دردی سے پیٹنا شروع کر دیا۔ ان کا خاص نشانہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ عتبہ بن ربیعہ جو رؤسائے قریش میں بڑا امتین اور بردبار سمجھا جاتا تھا وہ تو اس قدر غصے میں آیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے چہرۂ مبارک پر اپنے سخت تلے والے جوتے سے پے در پے کئی ضربیں لگائیں اور پھر ان کے پیٹ پر چڑھ کر کودتا رہا۔ اس زدوکوب سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چہرۂ مبارک پر تشدد کی وجہ سے سوج آ گئی حتیٰ کہ زخموں کی وجہ سے ان کا چہرہ مبارک پہچانا نہیں جاتا تھا۔ اس موقع پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی موجود تھے لیکن مشرکین نے آپ کو پیچھے دھکیل دینے کے سوا کچھ اور نہ کہا۔ اس کی وجہ کچھ تو رئیس ہاشم حضرت ابوطالب کی وجاہت تھی اور کچھ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی زوجیت کا لحاظ تھا۔ ادھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبیلے بنو تیم کے لوگوں کو اطلاع ملی کہ بعض لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مار رہے ہیں تو وہ بھاگتے ہوئے مسجد الحرام پہنچے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشرکین کے پنجہ بیداد سے چھڑایا۔ اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بے ہوش تھے اور اتنے شدید زخمی تھے کہ ان کا جانبر ہونا مشکل نظر آتا تھا۔ بنو تیم ان کی حالت دیکھ کر غضبناک ہو گئے اور للکار کر کہا کہ اگر ابوبکر شہید ہو گئے تو خدا کی قسم، ہم انتقام لیں گے اور عتبہ بن ربیعہ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اب صدیق اکبر کے والد ابوقحافہ اور بنو تیم کے لوگوں نے مسلسل ان کو پکارنا شروع کیا لیکن وہ کوئی جواب نہ دے سکتے تھے۔ عصر کے بعد کہیں ہوش میں آئے اور بات کرنے کے قابل ہوئے تو سب سے پہلے جو الفاظ انکی زبان سے نکلے وہ یہ تھے: "میرے آقا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟"

یہ سن کر بنو تیم کے لوگ جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے، ناراض ہو کر طعنے دینے لگے کہ تم اس حالت میں بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خیال نہیں چھوڑتے۔ پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ

امّ الخیر سے یہ کہہ کر چل دیے کہ تم خود ہی ان کی خبر گیری اور تیمارداری کرو، اگر یہ کچھ کھانا پینا چاہیں تو کھلا پلا دینا۔

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کا تکالیف برداشت کرنا

شدید گرمیوں کے دن تھے۔ سورج کی تپش ریت کو انگاروں کی طرح دہکا رہی تھی۔ پیاس کے مارے حلق سوکھ کر کانٹا ہو رہے تھے۔ پرندے بھی اپنے اپنے گھونسلوں میں دبکے بیٹھے تھے۔ گرمی کا ایک لمحہ بھی برداشت سے باہر تھا۔ ایسے میں امیہ بن خلف اپنے حبشی غلام بلال بن رباح کے گلے میں رسی ڈالے، انہیں گھسیٹتا ہوا لایا اور صحرا کی گرم اور تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا۔

بلال بن رباح نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین اختیار کرلیا تھا۔ وہ ایک اللہ پر ایمان لے آیا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں میں شریک ہوگیا تھا۔ اب وہ بتوں کی عبادت سے متنفر تھا۔ بتوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ یہ بے معنی پتھر کے بت جنہیں لوگ خدا کہتے تھے۔ بلال بن رباح نے انہیں خدا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ خبر امیہ بن خلف پر بجلی بن کر گری۔ وہ تو بلال بن رباح کو تمام غلاموں سے زیادہ چاہتا تھا۔ وہ تو اُس پر بڑا اعتماد رکھتا تھا۔ اس نے تو بت خانے کا انچارج بھی آپ کو مقرر کیا ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ جب کسی دل کو ایمان کی روشنی سے منور کر دیتا ہے تو ظلمت خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو لوگ اسلام سے پہلے بلال بن رباح کے نام سے جانتے تھے، اسلام لانے کے بعد وہ سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں دولتِ ایمان سے سرفراز فرمایا تو آپ رضی اللہ عنہ صنم کدے میں بھی اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ دوسرے لوگ بتوں کو اور سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ اُس وحدہٗ لاشریک کو سجدہ کرتے۔ جب امیہ بن خلف کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ذمہ داری سے ہٹا دیا۔ وہ تو پہلے ہی اسلام کا سخت دشمن تھا اس کے دل پر کفر کا قفل لگ چکا تھا۔ وہ یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ اس اپنا غلام اس مذہب کا پیروکار ہو جائے جسے وہ سخت ناپسند کرتا ہے۔ چنانچہ امیہ بن

خلف نے انہیں سزا دینے کا انوکھا طریقہ ایجاد کیا۔ وہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو شدید ترین گرمی میں دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتا۔ جب اس سے بھی اس لعین کے سینے کی آگ ٹھنڈی نہ ہوتی، تو وہ اپنے انتقام کو کندن بنانے کے لیے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتا۔ نیچے گرم تپتی ہوئی ریت جسم جھلسا دیتی اور سینے پر بھاری پتھر اذیت میں مزید اضافہ کر دیتا۔ سورج کی تپش رہی سہی کسر کو پورا کر دیتی۔ امیہ بن خلف نے اپنی طرف سے ہر کوشش کر ڈالی، مگر وہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے دل سے ایمان کی روشنی کم نہ کر سکا۔ وہ لعین آپ کو ہر روز نئی نئی اذیتیں دیتا اور کہتا: ”اگر میری بات نہیں مانو گے تو اسی طرح گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گے اگر زندگی عزیز ہے تو اسلام سے کنارہ کشی اختیار کر لو، واپس ہمارے دین پر آ جاؤ۔“

مگر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر تو صرف یہی لفظ جاری تھا:

”احد، احد، احد۔“

”معبود ایک ہی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“

امیہ بن خلف کے حکم سے رات کے وقت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو زنجیروں سے باندھ کر کوڑے مارے جاتے اور پھر اگلے دن ان زخموں کو گرم زمین پر ڈال کر اور زیادہ زخمی کیا جاتا۔ شیطان پوری طرح اس لعین امیہ بن خلف کا ساتھ دے رہا تھا۔ امیہ بن خلف کے حکم سے ہر روز تکلیفوں کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا جاتا، تاکہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ان تکلیفوں سے گھبرا کر اسلام سے پھر جائیں یا پھر تڑپ تڑپ کر اپنی جان دے دیں۔ عذاب دینے والے اُکتا جاتے، ظلم کرتے کرتے وہ تھک جاتے، ان کے حوصلے کمزور پڑ جاتے مگر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی استقامت میں کوئی فرق نہ آتا بلکہ ہر تکلیف پر آپ رضی اللہ عنہ کا حوصلہ بڑھ جاتا۔

کبھی ابو جہل آپ رضی اللہ عنہ کو عذاب دینے میں پیش پیش ہوتا اور کبھی امیہ بن خلف کا نمبر آ جاتا اور کبھی کسی اور شخص کی باری آ جاتی اور ہر شخص اسی کوشش میں رہتا کہ وہ انہیں ایذا دینے میں اپنا پورا زور صرف کر دے۔ امیہ بن خلف نے اپنے غلاموں کو حکم دیا: ”دن چڑھے بلال کے بدن پر

ببول کے کانٹے چبھودیا کرواور جب سورج اپنے پورے شباب پر ہوتو انہیں گرم زمین پر لٹا کر سر سے پاؤں تک پورے جسم پر گرم پتھر رکھ دیا کروتا کہ وہ ہل نہ سکیں اوران کے گرد آگ لگا دیا کرو۔''

کہا جاتا ہے کہ آفتاب نصف النہار پر پہنچ جاتا اور گرمی اپنے عروج پر ہوتی اور زمین تنور کی طرح دہک رہی ہوتی تو بلال بن رباح کو مکہ کی پتھریلی زمین کے کھلے میدان میں لے جایا جاتا تھا اور انہیں برہنہ کر کے اس چلچلاتی دھوپ میں ہاتھ پاؤں باندھ کر گرم ریت پر لٹا دیا جاتا،اور وہ ریت اور پتھر جن پر گوشت بھن کر کباب ہو جائے ایسے وقت وہ لعین آپ کے سینے پر پتھر اور گرم ریت ڈالتے تا کہ آپ ان تکالیف سے گھبرا کر محمد ﷺ کے دین کو چھوڑ دیں۔مگر دوسری جناب یہ عالم تھا کہ سختیاں جس قدر شدت اختیار کرتی جاتیں، اُسی قدر آپ پر عشق کی مستی کا غلبہ اور زیادہ ہوتا جاتا۔بعض اوقات امیہ بن خلف کا رویہ اور زیادہ سخت ہو جاتا۔وہ آپ کو مکہ کے لڑکوں کے حوالے کر دیتا جو آپ کو مکہ کے گلی کوچوں میں گھسیٹتے پھرتے اور سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کی زبان پر ایک ہی صدا رہتی:''اللہ ایک ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔میں ایمان لایا اس خدا پر جو زمین و آسمان کا خالق ہے''

نہ صرف دن کو بلکہ جب شام ہوتی تو آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اندھیرے میں رکھا جاتا اور امیہ بن خلف اپنے غلاموں کو حکم دیتا:''اسے باری باری کوڑے مارو یہاں تک کہ وہ اپنی ضد چھوڑ دے یا پھر اس کی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ جائے اگر یہ اپنی بات پر قائم رہے تو صبح تک اسے کوڑے مارے جائیں۔'' دن گزرتے چلے گئے۔ہر روز حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ پر مظالم کے پہاڑ توڑے جاتے۔ ہر آنے والا دن پہلے سے زیادہ مشکل گزرتا مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہیں آئی اور آپ کی زبان پر صرف ایک ہی ورد جاری رہتا:

''اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کا تکالیف برداشت کرنا

بدر کی شکست نے کفار اور قریش کے بے نور دلوں کو مبتلائے آشام کر دیا۔وہ انتقام کے

جذبات سے بھر گئے۔ دوسری جانب ایک غلامِ مصطفیٰ ایسا تھا کہ جس نے اپنی زندگی کو اسلام کے لیے وقف کر دیا تھا، اُس پروانے کا نام حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ تھا، مقامِ صحابیت نے اس کی عظمت کو اور بلند کر دیا تھا۔ وہ دیوانہ تھا، ایسا دیوانہ کہ ہزاروں فرزانے اس پر نثار، اس کی عظمت کے ہم قربان، وہ نگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محبوب تھا اور وہ ایک عاشق رسول تھا، زندگی اس کی جہدِ مسلسل سے عبارت تھی۔ وہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس پر نثار ہونے کو بے تاب تھا۔ فطرت نے اس کی خواہش کے اِتمام کا اہتمام فرما دیا۔ ایک شام کفارِ مکہ نے دھوکے سے اس عاشق صادق کو پکڑ لیا اور بدر میں اپنی رسوائی کا انتقام لینے کو تُلے۔ ان کے مکروفریب کا ایک اور نمونہ دنیا کو دیکھنا تھا۔ ان کے تشدد کی ایک اور مثال قائم ہونی تھی۔ مکہ کے کافر جب بھی اپنے انتقام کی تسکین کے لیے کسی مظلوم کا انتخاب کرتے تو اسے تنعیم کے میدان میں من چاہی سزا دیتے۔ چنانچہ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو بھی وہ مکہ کی وادیوں سے تنعیم کے میدان میں لے آئے۔ سردارانِ قریش جوشِ انتقام میں بھرے ہوئے تھے۔ ان کے دل انسانی ہمدردی سے خالی تھے۔ چند لمحوں میں پروانہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نثار ہونے والا تھا۔ اس کا چہرہ پرسکون تھا۔ لبوں پر تبسم تھا۔ آنکھوں میں چمک تھی۔ ایمان کا نور چہرے سے ہویدا تھا۔ گویا زندگی کا سویرا ہونے والا تھا۔ سچ ہے زندگی وہی زندگی ہے جو محبوبِ رب پر نثار ہو جائے۔ ہمارا جینا، ہمارا مرنا سب رضائے محبوبِ رب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہو تو یہی اصل میں جینا ہے۔

تختہ دار پر ایک عاشق چڑھایا جانے والا تھا۔ میدان تماش بینوں سے بھرا تھا۔ سردارانِ قریش منتظر تھے کہ کب جوشِ انتقام کی تسکین کا موقع ملے۔ قتل گاہِ عشق میں جب حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو اتارا گیا تو انھوں نے دو رکعت نماز ادا کرنے کی اجازت چاہی، اجازت ملی اور نمازِ عشق تلواروں کی چھاؤں میں ادا ہونے لگی۔ لذتِ وصال سے عاشقِ صادق ہی واقف ہوگا کہ وہ نماز کیسی تھی جس نے قریش کو ہیبت زدہ کر دیا۔ وہ ہزاروں تھے لیکن لرز رہے تھے مگر یہ دیوانہ اکیلا تھا اور لذتِ عشق و مستی میں جھوم رہا تھا۔ نماز سے فراغت کے بعد حق کے داعی نے کہا: ’’خدا کی

قسم! اگر تمہیں یہ گمان نہ ہوتا کہ میں موت کے خوف سے نماز کو طویل کر رہا ہوں تو میں اپنی نماز کو اور طویل کرتا''۔ اتنا کہنا تھا کہ کفار کا مجمع ٹوٹ پڑا۔ درندگی کے مظاہرے خاک دانِ گیتی پر برپا ہوئے۔ جسمِ ناز سے لہو رسنے لگا۔ مگر مقدس چہرہ ان زخموں کو سہہ کر بھی اضطراب سے عاری تھا۔ ہر زخم پر کفار کے انسانیت سوز قہقہے بلند ہوتے۔ وہ ظالم یہ کہہ رہے تھے: ''کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہاری جگہ ہوں اور تمہیں نجات ہو جائے، تم اپنے گھر والوں میں آرام و سکون سے بیٹھے ہوتے؟''

جناب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ زخموں سے چُور چُور تھے، پھر بھی للکار کر برملا جواب دیا:

''خدا کی قسم! میں ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ میں اپنے اہلِ خانہ کے درمیان امن اور سکون سے رہوں اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک کانٹا بھی چبھے''۔ اِس ایمان افروز کلام نے ان کے جذبات کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ چلانے لگے: اسے قتل کر دو، اسے قتل کر دو! تختۂ دار پر حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو چڑھا دیا گیا، لہو بہتا رہا، لیکن زبان اللہ کی تعریف اور محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف سے تر رہی اور پھر کچھ ہی لمحوں میں روح جسمِ اقدس سے بارگاہِ الٰہی میں پہنچ گئی۔ قربانی مقبول ہو چکی تھی۔ فضا میں حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کے الفاظ رقص کر رہے تھے جس میں توحید و رسالت کا پیغام تھا۔ وارفتگی و جاں نثاری کا درس تھا۔ عشق کی فتح مبین ہوئی اور باطل کی شکست مہین۔ زندگی کا قافلہ شاہراہِ حیات پر رواں دواں رہا۔ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری نمونہ بن گئی۔ عزم و حمیت کا ایک سبق آگے کی نسلوں میں منتقل ہوا۔ گویا ہر قربانی چمنِ اسلام کے لیے بہارِ جاوداں کا مژدہ سناتی ہے اور دلوں میں ایمان کی حرارت دوڑ جاتی ہے۔ جذبات تازہ اور عزم جواں ہو جاتے ہیں۔ افکار کی دنیا میں روشنی پھیل جاتی ہے اور ذہن و دماغ منور ہو اُٹھتے ہیں۔ پھر مسکرا کر سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور محبوبِ رب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیوانے حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو سلامِ نیاز پیش کر کے دنیا بھر کے عشاقِ رسول کو پیغام دیتے ہیں کہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فروغ کا مشن اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیار کا سودا اتنا سستا نہیں ہے کہ تم اپنے

ذاتی معاملات کو ترجیح دے کر رُک جاؤ، ٹھہر جاؤ، خاموش ہو جاؤ، بلکہ نہیں نہیں۔۔۔تم رواں دواں رہو، تم بڑھتے رہے، تم دیوانہ وار صلِ علیٰ کے ترانے پڑھتے رہو اور دنیا کو محبتِ رسول علیہ الصلوٰۃ و السلام کی عطر انگیزیوں سے مہکاتے رہو۔

صوفیاء کا تکالیف برداشت کرنا

دین کی تبلیغ و اشاعت کی خاطر اولیاء اور صوفیاء نے بے حد و شمار تکالیف برداشت کیں۔ سخت کسمپرسی کے عالم میں دین کا علم حاصل کیا، اپنے گھر بار کو چھوڑا، وطن سے دوری اختیار کی، سامان و اسباب کے بغیر ملک ملک پھرتے رہے، نئی نئی جگہوں پر مخالفت کرنے والوں کی دشمنی کا سامنا کیا، کبھی زبانی ایذاء رسانی کو برداشت کیا تو کبھی جسمانی طور پر ملنے والی تکالیف کو خندہ پیشانی سے سہتے رہے لیکن تبلیغ کا سلسلہ جاری و ساری رکھا۔ پیغامِ حق کو چہ کوچہ، نگر نگر پہنچا دیا۔ حضرت سیّدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ہجویر سے نکلے اور لاہور میں حق کا پیغام پھیلا دیا۔ حضرت بابا فرید الدین گنجِ شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دور دراز کے علاقے میں دریا کے کنارے پر اپنا مسکن بنایا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے وسطِ ایشیاء اور افغانستان سے ہندوستان پہنچ کر اپنے ذمہ پیغامِ حق کو جاری کر دیا۔ حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہِ وقت کے خلاف جہادِ عظیم کیا اور اپنی تبلیغی ذمہ داریاں باحسن و خوبی پوری کرنے میں کامیاب ہوئے۔ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت فرما کر مختلف جگہ قیام فرما ہوتے رہے لیکن جب ایک خانقاہ کا قیام عمل میں آیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مستقلاً اُسی جگہ رہائش اختیار کر لی۔

حضرت مجدد الفِ ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا تکالیف برداشت کرنا

اکبر بادشاہ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر تختِ سلطنت پر بیٹھا اور شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف انتقامی کاروائی کا جوان جذبہ رکھتا تھا۔ وزراء اور عمائدین سے مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ کوئی ایسی ترکیب بنائی جائے کہ جس کے تحت حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ سلامت کو تعظیمی سجدہ کر دیں، اس مقصد کے حصول کے لیے جہانگیر

کو ایسے کمرے میں بٹھایا گیا جہاں ایک کھڑکی کے ذریعے سر کو جھکا کر داخل ہوا جا سکتا تھا، جب آپ کو دربارِ جہانگیر میں آنے کی دعوت دی گئی تو روحانی بصیرت سے آپ اصل صورتحال سے مکمل طور پر آگاہ ہو گئے۔ آپ حکومتی ایوانوں میں آوازِ حق اور نعرۂ حق بلند کرنے کی غرض سے تشریف لے آئے۔ جب جہانگیر کے پاس جانے کے لیے کھڑکی سے گزرنے لگے تو پہلے اپنے قدموں کو گزارا اور بعد میں سر کو ایسے طریقے سے گذارا کہ آپ نے اپنے سر کو جہانگیر کے سامنے جھکنے نہیں دیا۔ آپ کے اس طرزِ عمل سے ایوان شاہی میں زلزلہ برپا ہو گیا کہ حضرت نے بادشاہ کو سجدہ تعظیمی نہ کر کے بادشاہ کی عظیم الشان توہین کی ہے جو نا قابلِ معافی جرم ہے۔ آپ کے اس جراءت مندانہ اقدام کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے قلندرِ لاہور، علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمئی احرار

جب جہانگیر کے آگے حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے سجدہ تعظیمی تو کجا سر تک نہیں جھکایا تو بادشاہ اپنے آپے سے باہر ہو کر طیش و غصہ میں آ گیا اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو بطور سزا قید خانہ میں بند کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ چنانچہ آپ سنتِ یوسفی ادا کرتے ہوئے قلعہ گوالیار میں بطور قیدی تشریف لے گئے۔ آپ نے قید خانہ میں اشاعت اسلام کی غرض سے آوازِ حق بلند کی جس کے نتیجے میں پچاس ہزار قیدیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ جبکہ دوسری طرف جہانگیر کی حکومت کے خلاف وزیروں، مشیروں اور عمائدین نے بغاوت کر دی جس کے نتیجے میں بادشاہ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو قید خانہ سے رہا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ تاہم حضرت مجدد الفِ ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہ پر اصلاح کی شرط عائد کی جسے اُس نے حالات اور حقائق کے تناظر میں فی الفور قبول کر لیا۔ اِس طرح حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے قید و بند کی تکالیف برداشت کر کے ایسا عظیم کارنامہ سر انجام دیا کہ آپ ''مجددِ ہزارۂ دوم'' کہلائے۔

پیشوائے سلسلہ نقشبندیہ، حضرت پیر سیّد حاجی شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ کا تکالیف سہنا

حضرت پیر سیّد حاجی شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پیشواء ہیں۔ آپ حضرت خواجہ قاضی احمد دمائی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور حضرت پیر سیّد امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیرومرشد ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سلوک کی منازل طے کرنے اور پیغامِ حق کو پھیلانے کے لیے اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے قابلِ ذکر کوشش فرمائی۔ حضرت حاجی شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ جہاں کسی اللہ والے کا ذکر سنتے، ادھر کو چل دیتے، کابل، غزنی، قلات وغیرہ سب علاقے چھان مارے، مگر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ حتیٰ کہ قویٰ اور اعصاب شل ہو گئے۔ پھر ایک دن ندائے غیب کی وجہ سے پھر ہمت باندھی۔ بتایا گیا کہ راہر وجادۂ عشق اور جذبۂ شوق کو ابھی مزید فراوانی درکار ہے، ابھی دوری پر منزل یار ہے۔ یہ خم ٹھونک کر پھر آگے بڑھے، صحرا نوردی میں چھ سال بیت گئے، نہ کھانے کی رغبت نہ پہننے کی فکر، بس ایک ہی دھن سوار تھی، ایک روز سخت گرمی کا دن تھا، تھک ٹوٹ کر ایک پیڑ تلے گھڑی بھر کو ستانے کے لیے بیٹھ گئے، دھیان حضرت رب العالمین کی طرف تھا کہ یا باری تعالیٰ مشکل آسان کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کی خستہ حالی پر کمال مہربانی کی اور ہاتف غیبی کو بھیج دیا۔ حضرت نے ظاہری آنکھوں سے دیکھا کہ ایک دبلا پتلا شخص کھڑا ہے اور سلام کہتا ہے، حضرت سے پرسان حال ہوا۔ یہ ہاتھ کا پھپھولا تھے ہی، غم گسار کو پا کر بہہ نکلے۔ اُس نے پرزہ کاغذ پر کچھ لکھا، اُسے لپیٹا اور حضرت کو تھما دیا اور اشارہ کر کے بولے ''اس طرف چلے جایئے، دھیان رہے کہ راستے میں ایک رات سے زیادہ قیام نہ کرنا اور یہ خط تیسرے روز پڑھنا'' کہا اور غائب ہو گئے۔ انہوں نے وہ پرزۂ کاغذ جان سے عزیز سمجھ کر سینے سے لگا لیا اور ہاتف کے اشارے پر چل پڑے، تین شب و روز کی مسافت کے بعد ایک مسجد میں اُترے اور کمال اشتیاق سے اُس کاغذ کو کھولا، لیکن کاغذ پر بجز چند القابِ نیازمندانہ کچھ تحریر نہیں تھا، آتشِ شوق ایک مرتبہ پھر بھڑک اُٹھی، اِسی دوران مسجد کے دوسرے کونے میں بیٹھے ہوئے امام صاحب نے اِن کی بیتابی کو بھانپ لیا، چنانچہ وہ قریب آئے اور بے چینی کا سبب دریافت کیا، حاجی شاہ حسین صاحب

رحمۃ اللہ علیہ اپنے محبوب کی تلاش میں بیحد بے چین تھے، بس ایک سرد آہ بھر کر قصہء درد سنانے لگے، امام صاحب محبت سے بولے، گھبرائیے نہیں، مجھے آپ کے حالات کا علم ہے، یہاں سے قریب ہی ایک گاؤں شالا نامی مشہور ہے، وہاں مسجد میں ایک حافظ نابینا رہتے ہیں، یہ خط انہیں دے دیں ،ان شاء اللہ وہ آپ کی رہنمائی کریں گے۔ حضرت کی جان میں جان آئی اور اللہ کا نام لے کر حافظ صاحب کی طرف چلے، حافظ صاحب قبلہ، جن کے دل کی آنکھیں روشن تھیں، حجرہ میں تشریف رکھتے تھے، یہ داخل ہوئے تو دروازہ بند کرلیا، خط کو ہاتھ میں لے کر بولے ''حضرت راقم الحروف نے پاس ادب سے مکتوب الیہ کا پتہ تحریر نہیں کیا، یہ خط جس بزرگ ہستی کو لکھا گیا ہے، ان کا اسم گرامی حضرت حاجی قاضی احمد رحمۃ اللہ علیہ ہے اور وہ گوٹھ ''قاضی احمد'' سندھ میں رہتے ہیں، یہاں سے آٹھ یوم کی مسافت ہے اور انہیں دعا دے کر رخصت کیا۔ بھلا جس راہروِ جادۂ عشق نے منزل کی شناسائی کے بغیر چھ سال صرف تلاش اور امید پر صرف کر دیئے ہوں، آٹھ روز کا سفر اس کے لیے کیا مشکل تھا، منزل سے آگاہی پا کر خوشی خوشی روانہ ہوئے، ہر قدم پر خیال ہوتا کہ وہ رہی منزل سامنے ...... لیلائے شوق کو بہلاتے پھسلاتے آخر انہوں نے منزل کو پالیا۔ حضرت قبلہ حاجی شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ ، حضرت قاضی احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک دیس میں جب وارد ہوئے تو رات کا وقت تھا، اندھیرا گھٹا ٹوپ تھا اور بارش بھی ہو رہی تھی، راستے پانی اور کیچڑ سے بھرے ہوئے تھے، مگر یہ تھے کہ شوق دید میں بے تاب، مردانہ وار آگے بڑھے جا رہے تھے، جب دیارِ محبوب کے پاس پہنچے تو گلی میں تین آدمیوں سے مڈبھیڑ ہوگئی، ایک کے ہاتھ میں مشعل تھی، حضرت نے سلام میں پہل فرمائی، جواب ملا کہ حضرت قبلہ کے حکم سے ہم لوگ آپ ہی کی راہ دیکھ رہے ہیں، چلئے اندر تشریف لے چلئے۔ یہ عزت افزائی اور شوق کی ستائش دیکھی تو مارے خوشی کے سب مصیبتیں اور تھکان بھول گئے۔ حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بڑے تپاک سے ملے، ارشاد فرمایا کہ اب آرام کیجئے، صبح ملیں گے، خدام سے معلوم ہوا کہ حضرت قبلہ قاضی احمد دمائی رحمۃ اللہ علیہ بھی نہ صرف ان کی آمد کے منتظر تھے بلکہ فرماتے تھے کہ پنجاب سے ایک صاحب بلند

استعداد طالب حق آنے والا ہے، بارگاہِ رب العزت میں اس کی بڑی قدر و منزلت ہے، چنانچہ حاجی شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ اس قدر افزائی پر سجدۂ شکر بجالائے۔

گنجِ کرم، حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کا تکالیف برداشت کرنا

مولوی محمد یونس کیمبل پور سے لکھتے ہیں کہ 1947ء میں تقسیم سے پہلے میں حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اچھے والا (فیروز پور) حاضر ہوا۔ اس جگہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''بیلیوں'' کی سہولت کے لیے فیروز پور کے قریب اچھے والا میں اقامت اختیار فرمائی۔ نئی جگہ کے سبب لنگر وغیرہ کا انتظام ابھی مکمل نہ ہوا تھا، جو کھانا سہولت سے تیار ہوتا وہی زائرین کو دیا جاتا اور وہ نعمت سمجھ کر قبول کرتے۔ اس روز ہم سب کو روٹی کے ساتھ پیاز کی چٹنی تقسیم ہوئی تھی، جسے بصد شکر کھالیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا' مولوی صاحب! آج تو ہمارے پاس پیاز ہی تھی۔ میں نے اور دوسرے حاضرین نے عرض کیا، لنگر شریف کے کھانے کا مزہ آج پہلے سے کہیں زیادہ آیا ہے اور بات بھی ٹھیک تھی۔ ظہر کا وقت ہوا تو ارشاد فرمایا، مولوی صاحب! مخالف ہوا چل رہی ہے اور ہم تو پہلا گھر بار بھی چھوڑ آئے ہیں۔ یہ بات پھر کسی وقت تم کو بتائیں گے۔ اچھا جو اللہ کو منظور ہے۔

☆

قیام پاکستان کی جدوجہد میں آپ کا ہر مرید اور عقیدت مند آپ کی ہدایت پر سرگرم کارکن کی حیثیت سے پیش پیش تھا۔ مسلم لیگ اور تحریکِ آزادی کے متعدد رہنماؤں کو حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کا مکمل تعاون اور سرپرستی حاصل تھی۔ قیام پاکستان کے بعد آپ قصور سے ہوتے ہوئے پاکپتن شریف پہنچے اور مسجد و عیدگاہ تعمیر کرائی۔ بعد ازاں آپ اوکاڑہ کے نزدیک پکا چک 56/2.L میں آ کر مستقل رہائش پذیر ہوئے۔ یہ گاؤں آپ کے مبارک قدموں کی برکت سے ''حضرت کرماں والا شریف'' کے نام سے موسوم ہو گیا۔ ہجرت سے قبل آپ اکثر

فرماتے، ''ایسی جگہ جائیں گے جہاں مکانات قبلہ رخ ہوں، پاس ہی پکی سڑک، ریلوے لائن اور نہر بھی ہو۔ سب ساتھ ساتھ ہوں تا کہ بیلیوں (دوستوں) کو آمدورفت میں آرام رہے اور وہاں سے ریل گاڑی میں سوار ہو کر سیدھا مدینہ شریف جا سکیں۔'' آپ کی پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی اور موجودہ خانقاہ، آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف اوکاڑا کا نقشہ آپ کا فرمان حرف بحرف درست ثابت کر رہا ہے۔ آپ نے آتے ہی اس گاؤں میں اپنی قیام گاہ پر نماز پنجگانہ اور جمعہ کا انتظام فرمایا۔ زائرین و حاجت مندوں کیلئے قیام و طعام کا اہتمام کیا۔ ہر وقت اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں ہوتیں اور جملہ مقیم حضرات کی تربیت کے لیے خالصتاً دینی و روحانی ماحول بھی میسر آتا۔

تبلیغ میں مستقل مزاجی اور استقامت

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں عام تبلیغ شروع کی تو کفار مکہ اسکو روکنے کیلئے متحد ہو کر میدان عمل میں آگئے۔ جب ان کے تمام حربے ناکام ہو گئے تو وہ دل شکستہ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا جناب ابوطالب کے پاس آئے اور درخواست کی اے ابوطالب! آپ کے بھتیجے نے ہمارے خلاف الزامات کی مہم جاری کر رکھی ہے، ہمارے معبودوں کی مذمت کرنا، ہمارے دین میں طرح طرح کے عیب نکالنا، ہمارے عقل مندوں کو بے وقوف بتانا اور ہمارے بزرگوں کو گمراہ کہنا، آپ کے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا روزانہ کا معمول بن چکا ہے۔ اس کی ایسی تقریریں سن سن کر ہمارا کلیجہ شق ہو چکا ہے۔ اب ہم تمہارے پاس آئے ہیں کہ اس کو سمجھاؤ کہ ہمارے بزرگوں کی مخالفت سے باز آجائیں یا پھر ہمیں ان کے معاملہ میں آزاد کر دیجئے۔ جناب ابوطالب نے قوم کی باتیں پورے تحمل سے سن کر حسن تدبیر سے ان کو رخصت کر دیا۔ اِدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغی سرگرمیاں تو ہمیشہ کے لیے جاری و ساری تھیں۔ چنانچہ آپ دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے جبکہ دعوتِ الیٰ اللہ پر لبیک کہنے والوں کی تعداد بھی آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ قریش نے جب دعوتِ اسلام کو پہلے سے بھی زیادہ پھیلتے دیکھا تو وہ دوسری مرتبہ جناب ابوطالب

کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے ابو طالب! ہمارے پہلی دفعہ آنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آپ کا بھتیجا اسی طرح اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔ بخدا اب ہم مزید صبر نہیں کر سکتے۔ اگر آپکے بھتیجے کو مال کی ضرورت ہے تو ہم دینے کو تیار ہیں، اگر وہ کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہے تو ہم رشتہ دینے کو تیار ہیں، اگر وہ سرداری کا خواہاں ہے تو ہم اِس کے لیے بھی راضی ہیں۔ لیکن اے سردار! (ابو طالب) اگر آپ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روک نہیں سکتے تو پھر ہماری اور تمہاری جنگ ہوگی، خواہ ہم برباد ہو جائیں یا آپ۔ یہ دھمکی دے کر وہ لوگ واپس لوٹ گئے تو رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب سر پکڑ کر بیٹھ گئے کہ اب کیا ہوگا؟ یہ لوگ میرے یتیم بھتیجے کے خلاف کیا سوچ رہے ہیں؟ قریش کا یہ وفد جب واپس لوٹا تو جناب ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر قریش کی ساری گفتگو سے آگاہ کیا اور پھر کہا اے بھتیجے! بہت نازک وقت سر پر آ گیا ہے، خدارا مجھ پر اور اپنی جان پر رحم کرو۔ مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جسے میں برداشت نہ کر سکوں۔ جب حضرت ابو طالب اپنی بات کہہ چکے تو رسول اللہ ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا: اے چچا جان! میں خدا بزرگ و برتر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تو پھر بھی میں اپنے (تبلیغ کے) کام سے رُک نہیں سکتا۔ (سیرت ابن ہشام)

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور رحمت للعالمین ﷺ چچا کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ کی آنکھوں میں آنسوؤں کا آنا اور آپ ﷺ کا یوں اٹھ کھڑے ہونا جناب ابو طالب کیلئے بہت غم کا باعث بن گیا، اور حضرت ابو طالب اس منظر کو دیکھ کر دل پکڑ کر بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ کے آنسوؤں نے جناب ابو طالب کے دل پر ایسی ضرب لگائی کہ یہ برداشت نہ کر سکے اور جناب ابو طالب نے فوراً کہا، اے نور نظر! تمہیں جو کرنا ہے کرو، جب تک میرے جسم میں جان ہے، تم پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔ (سیرت ابن ہشام)

شیخ الشیوخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہٗ العالی کا فرمان

اعلیٰ تربیت یافتہ لوگ اُصولی مؤقف پر کبھی بھی جھکتے نہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر مصلحت کرتے ہیں، چھوٹی چھوٹی باتوں سے درگذر کرتے ہیں۔ لیکن جو چیز اُن کے ضابطہء اُصول سے ٹکرا رہی ہو اُس پر وہ ڈٹ جاتے ہیں، اور جو پست قومیں ہوتی ہیں یا غیر تربیت یافتہ لوگ ہوتے ہیں وہ اُصولی مؤقف پر دباؤ کے تحت گر جاتے ہیں جبکہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہمیشہ لڑتے جھگڑتے ہیں اور میں نے یہ دیکھا ہے اکثر جو لوگ دعوے دار ہیں کہ ہم تبلیغ دین کرتے ہیں اور مبلغ ہیں، خواہ وہ کسی بھی مکتبِ فکر سے ہوں، ایک قدر اُن میں مشترک پائی گئی کہ وہ عمومی طور پہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑتے ہیں اور جہاں اُصولی مؤقف آئے اور وہاں کسی کا دباؤ ہو جیسے گورنمنٹ کا دباؤ ہو یا دوسرے مذاہب کی طرف سے ہو تو اُس پر میں نے اُن کو جھکتے اور ٹوٹتے ہوئے بارہا دیکھا ہے اور چھوٹی چھوٹی بات جیسے نماز کس طرح پڑھنی ہے؟ ہاتھ چھوڑ کر یا باندھ کر! اِس کے اوپر میں نے لوگوں کو ایک دوسرے کے گریبانوں کو پکڑتے ہوئے دیکھا ہے اور آپ لوگوں نے بھی دیکھا ہے اور جب کہیں بڑا مقصد آ جائے تو اُس وقت اُن میں کوئی اُصول نہیں رہتا۔ پاکستان کے حالات آج آپ دیکھ لیں کہ ہم لوگوں کی سوچ کس طرح کی ہے؟ کیا ہم چھوٹے چھوٹے معاملات پر اُلجھتے نہیں ہیں جبکہ بڑے بڑے معاملات کے آگے ہم جھک جاتے ہیں اور امام حسین پاک علیہ السلام اور امام حسن پاک علیہ السلام نے گویا قرآن کی تفسیر کر دکھائی اور آپ دیکھیں کہ حکومت تک امام حسن پاک علیہ السلام نے چھوڑ دی کہ یہ ذاتی معاملہ تھا تاکہ مسلمانوں میں کوئی لڑائی یا جھگڑا نہ ہو اور امام حسین پاک علیہ السلام کے سامنے جب اُصولی مؤقف آیا تو اُس وقت کتنے بڑے چیلنج تھے اور کتنے بڑے معاملات بظاہر سدھر سکتے تھے، خواتین بھی ساتھ ہیں، بچے بھی ساتھ ہیں، معمر لوگ بھی ساتھ ہیں، ہر مصلحت کے لیے امام حسین پاک علیہ السلام تیار ہیں لیکن جہاں اُصولی مؤقف بیعت کے متعلق تھا وہاں آپ کس طریقے سے ڈٹ گئے اور پورے خاندان کی قربانی کے بعد بھی اُس اُصولی مؤقف پر آپ نے اپنے سر کو نہیں جھکایا اور سب لوگوں کو یہ بتایا کہ

جہاں پر کہیں کوئی دقت کی بات آ جائے، اُصول کے ساتھ کوئی بات ٹکرا جائے تو خواہ نواسہء رسول ہی کیوں نہ ہو، خواہ وہ کتنی ہی معتبر شخصیت کیوں نہ ہو جو نبی کریم ﷺ کے کندھوں پر کھیلتی ہے وہ اپنی جان بھی قربان کرتے ہیں، اپنی عزت کا بھی خیال نہیں کرتے اور اپنی اولاد کو بھی قربان کر دیتے ہیں اور اُصولی مؤقف پر ڈٹ جاتے ہیں۔

☆

ایک مجلس کے دوران شیخ الشیوخ بابا جی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا:

''کوشش زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیے، یہ مت دیکھو کہ کامیابی کا تناسب کیا ہے، کیونکہ جب کسان ایک ایکڑ زمین میں گندم کاشت کرتا ہے تو 50 کلو گندم بطور بیج پھینکتا ہے لیکن اُس میں سے جو گندم اُگتی ہے وہ صرف پانچ کلو ہوتی ہے اور اِس بات سے سب بخوبی واقف بھی ہوتے ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں کرتا کہ پانچ کلو گندم بطور بیج پھینکے، کیونکہ 50 کلو پھینکنے سے ہی پانچ کلو گندم ایسی دستیاب ہوگی جس سے نئے خوشے اُگیں گے۔ بس اِسی طرح کوشش زیادہ سے زیادہ کرو، کامیابی ضرور حاصل ہوگی۔

☆

اِسی طرح ایک دوسری مجلس کے دوران شیخ الشیوخ بابا جی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا:

''انسان کو زمین کی مانند ہونا چاہیے، سردی، گرمی، دھوپ، بارش، طوفان، روشنی، اندھیرا سب کچھ برداشت کرتی ہے لیکن پھر بھی دیکھو کہ سبزہ دیتی ہے۔ اِس پر سیلاب آتے ہیں اور گذر جاتے ہیں لیکن پھر چراگاہ بن جاتی ہے۔ اِسی طرح ٹرین کے انجن کو دیکھو، اکیلا اور حجم میں دوسرے ڈبوں کے برابر ہونے کے باوجود کئی ڈبوں کو کھینچتا ہے اور منزل پر لے جاتا ہے، ایک ہی پٹڑی پر چلتا رہتا ہے، حالانکہ اب تو بجلی والے انجن آ گئے ہیں پہلے بیچارہ خود کالا ہو جاتا لیکن

دوسرے ڈبے اس کی وجہ سے صاف رہتے۔"

☆

فرمایا:

پیپسی، کوکا کولا ہی کو دیکھ لو۔ کتنا بڑا کاروبار ہے، کتنا پھیلا ہوا ہے۔ لیکن سوچو کہ اتنا بڑا کاروبار کیسے بنا۔ یہ کوئی آٹا ہے؟ یا کوئی دال چینی وغیرہ فروخت کر رہے ہیں؟ آخر اِس میں کیا ہے؟ اِس کے باوجود اِس کی قیمت پندرہ بیس روپے ہے۔ جبکہ کاروبار شروع کرنے والے کے پاس ایک دو روپے بھی نہیں پہنچتے ہوں گے۔ پھر جبکہ کوئی کوکا کولا کی عدم دستیابی پر مرتا نہیں۔ پھر آخر اِس کاروبار میں ایسا کیا ہے؟ دراصل اُنہوں نے ایک چیز تیار کی اور اُسے ہر جگہ پہنچا دیا ہے۔ اُنہوں نے خدمات فراہم کی ہیں۔ بس قابلِ غور بات یہی ہے کہ اگرچہ اِن کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے بلکہ نقصان دہ ہے لیکن چونکہ ہر شہر، گاؤں، گلی، محلے سے دستیاب ہے، اِس لیے عام ہے اور لوگ بلا سوچے سمجھے استعمال کرتے ہیں۔ بس یہی اُن کے کاروبار کی کامیابی کا اصل راز ہے۔ تبلیغ کرنے والوں کے لیے یہ بات انتہائی فکر انگیز ہونی چاہیے۔

☆

فرمایا:

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ کامیابی کسے کہتے ہیں؟ ایک ہی کام کو مختلف انداز سے کرنے کا نام کامیابی ہے۔ جب ہم لوگ اِس ہال کے اندر آنے کے لیے دروازے کے باہر کھڑے تھے تو دروازے کو کھلوانے کی کوشش کر رہے تھے اور یہاں پر ایک مقرر صاحب تقریر کر رہے تھے اور ایک صاحب دروازے کو کھٹکھٹا رہے تھے تاہم کوئی کھول نہیں رہا تھا چنانچہ میرے ذہن میں خیال آیا کہ اگر کسی دوسرے کو بدلنا ہے تو آپ کو خود میں تبدیلی لانی پڑے گی لہذا میں نے کہا کہ اوپر ہال کے دوسرے مرکزی دروازے سے جو کھلا ہوا تھا، جائیں اور اُدھر سے آئیں تو دروازہ کھل جائے گا۔ اب وہاں جتنی دیر بھی ہم کھڑے رہے کسی نے دروازہ نہیں کھولا، اُدھر سے

آئے تو دروازہ کھل گیا یعنی کسی کو بدلنے کے لئے آپ کو خود اپنے آپ کو بدلنا ہوگا تو مبلغ کو چاہئے کہ ایک تو جہاں ضرورت ہو وہاں وہ خود اپنے آپ کو بھی بدلے اور دوسرا وہ کوشش کرتا رہے اور مسلسل کوشش کرتا رہے۔

غیر متزلزل یقین

ایک مبلغ کے لیے اپنے مشن کے حق ہونے کا ٹھوس اور پختہ یقین بے حد ضروری ہے۔ درحقیقت یقین بن دیکھے پیدا ہوتا ہے اور اس سے ایمان بنتا ہے۔ جب شک کی جڑیں کٹ جائیں اور یقین سامنے کھڑا ہو تو یہی کامل ایمان ہے۔ مولائے کائنات، شیر خدا، علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا قول ہے کہ اگر دل کو یقین کا حال نصیب ہو جائے تو پھر صاحب یقین کی رات بھر کی نیند، شک والے انسان کی ساری رات کی عبادت کرنے اور نوافل پڑھنے سے بہتر ہے۔ یقین والوں کا درجہ اور مقام یہ ہے کہ شک والے انسان یقین والوں کا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یقین

حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گروہِ کفار آیا اور کہنے لگے: ''آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعویٰ کر دیا ہے کہ میں راتوں رات مسجدِ حرام سے اقصیٰ اور پھر آسمانوں تک گیا اور معراج کر کے واپس آ گیا''۔ حضرت امام قرطبی بیان کرتے ہیں کہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بولے: ''**انتم تکذبون علیه**''۔ ''تم اُن کے ساتھ جھوٹ کو منسوب کر رہے ہو، انہوں نے یہ نہیں کہا ہوگا''۔ اِس بات سے معلوم ہوا کہ اگر قریش نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب کی بات کہی ہوتی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انہیں ہرگز ایسا نہ کہتے کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ چونکہ وہ عالم بیداری کا ایک معاملہ بیان کر رہے تھے، اِس لیے فرمایا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ کفار بولے: ''اے ابوبکر! جاؤ سن لو، وہ مسجد میں بیٹھے ابھی بھی اپنے اصحاب کو بتا رہے ہیں''۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو اس وقت بھی بتا رہے ہیں؟'' انہوں نے کہا کہ ''ہاں وہ بیان کر رہے ہیں''۔ سیّدنا

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**واللہ لو کان ھذا صدق** ''خدا کی قسم! اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کہا ہے تو سچ کہا ہے''۔ اس پر کفار بولے، **یا ابا بکر ھل انت تصدقہ بغیر ان تسمع عنہ** اے ابوبکر! کیا آپ ان سے سنے بغیر ان کی بات کی تصدیق کر رہے ہیں؟ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''خدا کی قسم یہ تو معراج کی بات ہے میں نے تو اس سے بھی عجیب تر بات ان سے سن کر اُسکی تصدیق کر دی تھی''۔ انہوں نے کہا وہ کونسی عجیب بات ہے؟ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لامکاں تک جانا اور واپس آنا ہے، اس کی تصدیق پر آپ کو تعجب ہو رہا ہے، ہم نے تو بغیر دیکھے، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر خدا کو مان لیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ خدا ہے، تو ہم نے ان کی بات پر لبیک کہا اور کہا، ہاں ہے، انہوں نے خدا کے ایک ہونے کا کہا، تو ہم نے اسے بھی مان لیا۔ ہم نے تو خدا کا ہونا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہنے پر مان لیا، باقی سب تو چھوٹی باتیں ہیں۔ اس مکالمہ کے بعد سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعہ ءِ معراج بیان فرما رہے تھے، عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے بھی یہ واقعہ سنائیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتانے لگے اور ہر جملہ پر صدیق اکبر کہتے، **صدقت یارسولَ اللہ** ''آپ نے سچ فرمایا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' جب بیان مکمل ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **یا ابا بکر انت صدیق** ، اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آپ صدیق ہیں۔

☆

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یقین

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ہجرتِ مدینہ کا سفر اختیار فرمایا تو حضور نے مکہ والوں کی امانتیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے سپرد کر کے ارشاد فرمایا کہ آپ یہ امانتیں ہر ایک مالک کو واپس لوٹا کر ہمارے بعد آ جائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

گھر میں آپ کے بستر مبارک پر سونے کا بھی حکم دیا گیا تھا۔آثار میں ہے کہ کسی نے بعد میں حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا، اے علی! کیا ہجرت کی رات آپ کو خوف نہیں آیا یا ڈر نہیں لگا کہ لوگ باہر تلواریں اور بھالے لیے کھڑے ہیں، خنجر لئے ہوئے ہیں، کسی بھی وقت وہ اندر آسکتے ہیں اور قتل کر سکتے ہیں؟ اس رات وہ بستر تو ایک طرح سے موت کا بستر تھا۔لیکن حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم کے یقین کی معراج دیکھئے کہ آپ نے کیا جواب دیا، حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا، خدا کی قسم! میں اپنی پوری زندگی میں جیسا بے فکر اور بے خوف ہو کر اُس رات سویا ہوں، اتنی پرسکون نیند تو پوری زندگی میں کبھی نہیں آئی کیونکہ ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ کیا پتہ کب موت کا فرشتہ آجائے اور روح قبض کر لے اور کہیں غفلت میں ہی موت نہ آجائے لیکن اس رات چونکہ آقا کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے علی، لوگوں کی امانتیں واپس کر کے میرے پاس پہنچ جانا تو جب آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ ادا کر دیا کہ تم مجھ سے آکر ملنا تو اب اتنا اعتماد اور یقین تھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے بغیر مر نہیں سکتا، کوئی مجھ کو تکلیف پہنچا نہیں سکتا۔دنیا میں تو کوئی کیا ہوگا، اب تو ملک الموت علیہ السلام بھی میری روح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے بغیر قبض نہیں کر سکتے۔اسی لئے بہت اطمینان کی نیند آئی۔

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کا یقین

گنجِ کرم، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے جب سلوک کی منازل طے کرنے اور پیغامِ حق کی تبلیغ واشاعت کے لیے مولوی شرف الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو آپ کی کیفیت عجیب حالت میں ڈھل گئی، مگر مولوی شرف الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد یہ حالت اور بھی متغیر ہوگئی۔آپ بے چینی کے ساتھ آہیں بھرتے تھے، اِسی دوران ایک روز ایک مجذوب ''جنون شاہ'' نے حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر بے ساختہ کہا، جناب آپ کا حصہ شرقپور شریف میں ہے لہذا آپ وہاں چلے جائیں۔چنانچہ یہ اشارہ ایک طرح سے رہبر بن گیا اور آپ کشاں کشاں شرقپور شریف کی طرف روانہ ہوئے۔اُس وقت زمانے میں

حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی اک دھوم مچی ہوئی تھی۔ آپ رائے ونڈ سے ہوتے ہوئے موہلن وال پہنچے، جہاں سے دریا کو عبور کر کے شرق پور شریف پہنچے کا ارادہ تھا۔ آپ نے جب دریا عبور کیا تو آپ کے پاؤں میں جوتے نہیں تھے بلکہ جوتے پچھلے کنارے پر ہی رہ گئے تھے اور جذبہء شوق بھلا ایسی چیزوں کو کہاں خاطر میں لاتا ہے لہذا آپ فی الفور شرق پور شریف کی طرف چل پڑے۔ ابھی روانہ ہوئے ہی تھے کہ ایک شخص آملا جس کے پاس جوتے کا ایک اضافی جوڑا تھا۔ اُس نے آتے ہی سلام ودعا کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو جوتے پیش کیے اور کہا کہ آپکے پاؤں میں جوتے نہیں ہیں اور میرے پاس چونکہ اضافی جوتے ہیں تو آپ پہن لیں۔ آپ نے جوتے پہن لیے تو وہ شخص بھی آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ راستہ میں اُس نے باتیں شروع کر دیں اور پھر حضرت صاحب قبلہ سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے بتایا کہ میں میاں شیر محمد شرقپوری کی خدمتِ اقدس میں جا رہا ہوں۔ وہ شخص کہنے لگا کہ جناب! وہ تو ایک شعبدہ باز ہے، اُس کے پاس نہ جائیں۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اُس کی یہ بات سخت ناپسند محسوس ہوئی مگر اُس نے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جوتے پہنا کر احسان کیا ہوا تھا لہذا آپ نے پہلے تو اُسکا احسان اُسے واپس کرتے ہوئے جوتے اُتار دیئے اور پھر ارشاد فرمایا، بھئی! آپ اپنے جوتے واپس لے لیں مگر میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایسی بات نہ کریں۔ اُس شخص نے جب دیکھا کہ آپ ناراض ہو گئے ہیں تو وہ معذرت خواہ ہوا اور کہنے لگا کہ آپ جوتے پہنے رہیں، اب میں ایسی کوئی بات نہیں کروں گا۔ بعدازاں وہ شخص اپنا راستہ بدل کر چلا گیا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کچھ دیر کے بعد شرق پور شریف میں حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہِ اقدس میں پہنچ گئے۔ جب حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے میاں صاحب کو دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ جو شخص راستے میں مل کر میاں صاحب کے پاس جانے سے منع کر رہا تھا، وہ کوئی اور نہیں، خود میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر فرمایا ”شاہ جی آ گئے او“ عرض کیا ”جی۔“ فرمایا ”کچھ پڑھے لکھے

بھی ہو۔'' بولے ہاں کچھ ہوں تو سہی مگر سُر (سمجھ) نہیں ہے۔'' حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''اچھا، اللہ سمجھ بھی دے دیں گے۔'' پھر کمالِ مہربانی سے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے چاول (پلاؤ) کی طشتری رکھوائی۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جیسے جیسے میں وہ چاول کھا رہا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انوار و تجلیات کی بارش ہو رہی ہے۔ مرشد کامل کی پہلی ہی ملاقات سے یہ مریدِ صادق بامراد ہو گئے۔ بن دیکھے یقین کا انعام بہت ثمرآور تھا۔

شیخ الشیوخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہٗ العالی کا فرمان

بزرگان دین کا یہ طریقہ ہوتا تھا کہ گفتگو کو بڑے اچھے انداز سے اعلیٰ طور پر تبدیل کرتے تھے جیسے اعلیٰ حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں، جب آپ کے پاس کوئی آدمی آتا تھا اور یہ کہتا کہ سرکار، مجھے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے تو آپ گفتگو کو اعلیٰ طور پر تبدیل کیسے کرتے تھے! آپ بہت ہی آرام سے کہتے ''بیلیا، ڈاکٹروں نے جواب دیا ہے، رب کریم نے تو جواب نہیں دیا!'' یعنی ایک جملے سے اللہ تعالیٰ پہ لوگوں کا عقیدہ اور توحید کا درس کیسے دیتے تھے؟ فقط ایک جملے سے!!! یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے تو جواب نہیں دیا اور پھر دعا کے ساتھ اور آپ کے تبلیغی انداز کے باعث اُس کو شفا ہو جاتی اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کتنے زیادہ پُرامید تھے!

مزید براں سوال یہ ہے کہ جس مریض کے لیے حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے دعا فرمائی اور وہ صحت یاب ہو گیا۔ کیا وہ بعد میں اپنے مقررہ وقت پر فوت نہیں ہوا؟ یقیناً وہ فوت ہو گیا۔ تو پھر کیا فائدہ ہوا؟ اگر اُس وقت حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا اور نظر کرم کے باعث مرنے سے بچ بھی گیا تو بعد میں تو فوت ہو ہی گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب پہلے وہ ڈاکٹروں پر یقین کر کے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و قدرت سے مایوس ہو کر حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں آیا تھا، اُس وقت وہ خدا کے راستے سے ہٹا ہوا تھا جبکہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ اُس کی آخرت کی بہتری کے خواہاں تھے لہذا آپ نے دعا دی، نظر

کرم فرمائی، اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا کر دی تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے وسیلہ ہونے کی وجہ سے وہ آپ کے ساتھ منسلک ہو گیا، اِس طرح اُس کی تربیت کی راہ ہموار ہو گئی، اُس میں بہتری پیدا ہو گئی، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریقے پر عمل پیرا ہو گیا، اب حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کا مدعا پورا ہو گیا اور اب جو اُسے موت آئی تو وہ رب تعالیٰ کے راستے سے ہٹا ہوا نہیں تھا بلکہ اپنے پروردگار کی فرمانبرداری میں موت سے ہمکنار ہو کر بارگاہِ ایزدی میں پیش ہوا چنانچہ اُس کی آخرت بہترین ہو گئی اور انعام میں جنت مل گئی۔

نرمی، شفقت اور پیار

ایک مبلغ کے لیے نرم رو، شفیق اور خلیق ہونا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ درشت گفتار کی بات سننے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ سختی کرنے والے سے لوگ دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ فطرت کا انداز ہے کہ لوگ خوش خلقی کرنے والے کے قریب نسبتاً جلد آتے ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے جن باتوں کی نصیحت اور وصیت فرمائی، اُن میں سب سے آخری وصیت جو آپ نے اس وقت فرمائی (جب کہ میں نے گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تھا) یہ تھی کہ "اے معاذ! لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے خوش خلقی اختیار کرنا۔" (امام مالک رضی اللہ عنہ)

سلطانِ ہند، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے کہ حقیقی درویش (داعی، مبلغ) وہ ہے جو خلقِ خدا کے لیے سورج کی طرح شفیق، دریا کی طرح سخی اور زمین کی طرح متواضع ہو جائے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص نے قینچی کا تحفہ پیش کیا کہ اس کے شہر کی یہی سوغات مشہور تھی۔ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کاش تم قینچی کی بجائے مجھے سوئی دھاگے کا تحفہ دیتے کیونکہ قینچی کاٹنے اور سوئی جوڑنے کے کام آتی ہے۔

صوفیاء نے کبھی اپنے دروازے کسی مذہب اور مسلک کے ماننے والوں پر بند نہیں

کئے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خانقاہ کے خدام کو تلقین کر رکھی تھی کہ

ہر کہ دریں سرا آید نانش بدہید از ایمانش مپرسید

جو اس مہمان خانہ میں آئے اسے کھانا پیش کرو، اس سے اس کا مذہب مت پوچھو۔

شیخ الشیوخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہٗ العالی کا فرمان

ایک مجلس کے دوران شیخ الشیوخ باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا: ''اگر ایک بچہ میرے ساتھ نو مرتبہ جھوٹ بولتا ہے اور ایک مرتبہ سچ بولتا ہے، میں اُس سے بھی کوئی اچھا کام کروانے کی کوشش کرتا ہوں۔ کیونکہ کسی کو بُرا بُرا کہتے رہو تو وہ بُرا بنتا جائے گا، اگر کسی کو اچھا اچھا کہتے رہو تو وہ اچھا بن جائے گا۔''

فرمایا:

''ابن تیمیہ (مکتبۂ فکر اہلحدیث کے عالم) نے ایک واقعہ کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ ایک بندہ کفن چور تھا، مُردہ لوگوں کا کفن چُرا لیتا تھا۔ اب دیکھو یہ کتنا کریہہ کام ہے! ایک اللہ کی ولیہ انتقال کر گئی۔ اُس چور نے جنازے میں شرکت کی۔ رات ہونے کے بعد اُس نے قبر کھول دی اور قبر شق کرنے کے بعد جب اُس نے کفن اتارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو مائی صاحبہ نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کتنی عجیب بات ہے کہ ایک جنتی دوسرے جنتی کا کفن چوری کر رہا ہے! پہلے تو کفن چور سخت حیران ہوا، پھر سمجھ گیا اور توبہ کر لی پھر نیک بن گیا۔ اِسے کہتے ہیں تبدیل کرنا۔ یعنی وہ کیا تھا اور اُسے کیا بنا دیا۔''

فرمایا:

''اللہ والے پہلے حوصلہ افزائی کرتے ہیں، پھر درستگی فرماتے ہیں، پھر تبدیل کرتے ہیں اور چوتھے مرحلے پر اپنے جیسا بنا کر آگے بھیج دیتے ہیں۔''

شیخ الشیوخ باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا:

''ایک شخص کسی کے پاس کام کرنے کے لیے ملازمت کے سلسلہ میں گیا، اُس نے

اُسے رکھ لیا، اُس کے پاس سونے کے چمچ اور پلیٹ تھے، ایک دن وہ ملازم اُس کے سونے کے چمچ اور پلیٹ چوری کر کے بھاگ گیا، راستے میں اُسے پولیس نے پکڑ لیا جو اُسے لے کر مالک کے پاس آ گئے اور کہنے لگے کہ یہ شخص آپ کے سونے کے چمچ اور پلیٹ لے کر بھاگ رہا تھا، ہم نے اِسے پکڑ لیا ہے، وہ کہنے لگے، کیا مطلب؟ یہ میرا کام کاج کرنے والا ہے، اِسے میں نے ہی کہا ہو گا تب ہی لے کر گیا ہے۔ یعنی اُس نے اُسکے مجرم ہونے سے سرے سے ہی انکار کر دیا اور اِس طرح اُس مالک کے انکار نے چوری کرنے والے کی زندگی بدل دی۔''

فرمایا:

''عام'' اور ''خاص'' کے درمیان بہت کم فرق ہے، بالکل معمولی فرق ہے! دیکھو ایک شخص کو اگر کوئی دوسرا گالی دے اور وہ جواباً گالی دے دے تو یہ عام بات ہے لیکن اگر وہ خاموشی اختیار کر لے، اگر وہ گالی دینے والے کو معاف کر دے، تو خاص ہو گیا۔

فرمایا:

''لوگوں کو محبت سے قریب کرو، یہی صوفیاء کا طریقہ ہے۔ دیکھو! خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو قریب کرنے کے لیے قوالی کا طریقہ بھی اختیار کیا تا کہ کسی طرح لوگ قریب آئیں اور اُنہیں راہِ ہدایت پر لگا دیا جائے۔''

ایک مجلس کے دوران شیخ الشیوخ باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا:

''کسی شہر میں ایک جلیل القدر بزرگ قیام فرما ہوئے تو آپ کے پاس لوگ بہت کم آیا کرتے، پتہ چلا کہ اِس شہر میں ایک طوائف رہتی ہے جس کے حسن کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے اور لوگ اُس کو دیکھنے اور سننے کے لیے جاتے ہیں۔ وہ بزرگ متفکر ہوئے اور آخر کار اُس طوائف کے ہاں تشریف لے گئے، اُس کا گانا سنا اور پھر تنہائی میں اُس کی ملاقات کی قیمت ادا کی اور اُس کے پاس گئے۔ طوائف نے دیکھا تو فخر کا اظہار کیا کہ ایسا زہد و تقویٰ والا شخص بھی میرے حسن کا

گرویدہ ہے۔ آپ نے طوائف سے کہا کہ میں نے تیری قیمت ادا کی ہے، کیا میری بات مانو گی؟ طوائف نے کہا، ٹھیک ہے۔ فرمایا: وضو کر کے آؤ، اُس نے کہا، لوگ میری تنہائی حاصل کرنے کے لیے بے تاب رہتے ہیں، تو کن چکروں میں پڑ رہا ہے، اِس وقت سے فائدہ اٹھا۔ آپ نے فرمایا: میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، تم وضو کر کے آؤ۔ چنانچہ طوائف وضو کر آئی، آپ نے اُسے کہا کہ اب دو نفل نماز پڑھو، اُس نے نفل نماز شروع کی تو آپ سجدے میں گر گئے اور اللہ کریم کی بارگاہ میں عرض کیا: باری تعالیٰ! یہاں تک میرا کام تھا، اب بقیہ تیرے ہاتھ میں ہے، تو مہربانی اور رحم فرما۔ اُن کی اِس دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت بخشی اور اُس طوائف نے اپنا پیشہ ترک کر دیا اور حضرت کے حلقہء ارادت میں داخل ہو گئی اور نیک عورت بن گئی۔ ''

فرمایا:

''ہمارے پاس قرآن پاک اور حدیثِ پاک کے اصول ہیں اور انبیاء کرام، اولیا کرام اور صوفیاء کا طریقہ ہے اور وہ ایسا طریقہ تھا جو بہت جدید تھا اور وہ لوگ بڑے نرم خُو تھے۔ انھیں گفتگو کی مہارت حاصل تھی اور گفتگو کے انداز ایسے تھے کہ انھیں پتہ تھا کہ کس طریقے سے شخصیت کو مسئلے سے الگ کرنا ہے اگر آپ نے کسی کی اصلاح کرنی ہے تو آپ کو یہ چیز سیکھنا پڑے گی کہ انسان کی فطرت ایسی ہے کہ طبعی طور پر اگر اُسے ڈائریکٹ کوئی حکم دیں تو وہ کبھی بھی نہیں مانے گا۔ اگر آپ کسی شخص سے کہیں کہ تمہاری داڑھی نہیں ہے، تمہارا یہ عمل خراب ہے تم داڑھی رکھ لو تو ماہر نفسیات اور معاملہ فہمی رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ اس طرح ایسی بات کہنے سے کوئی نہیں مانتا۔ اگر اُس کی اصلاح کرنا مقصود ہے تو بات کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑے گا یعنی شخصیت کو مسئلے سے علیحدہ کرنا ہو گا اور (مسئلے یا گناہ پر بہت سخت ہوں اور شخصیت پر بہت نرم ہوں، اِسی طریقے سے اللہ والوں نے اصلاح کا کام کیا، حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ گناہ سے نفرت کریں، گناہ گار سے نہیں۔ جب ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درِ انور پر آیا تو اُسکی داڑھی نہیں تھی، سرکار نے اُس سے ابتداء میں گفتگو نہیں فرمائی لیکن بعد میں شفقت

کرتے رہے تو اِس سے معلوم ہوا کہ نفرت گناہ سے کرنی چاہئے، گناہگار سے نہیں۔''

ایک مجلس کے دوران شیخ الشیوخ باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا:

''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرکار جب نوافل تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ لمبی قرات فرماتے اور اتنا زیادہ قیام میں کھڑے ہوتے کہ آپ کے پاؤں مبارک سوج جاتے لیکن جب لوگوں کے سامنے جماعت ہوتی تو آپ جلدی سے نماز پڑھتے اور بہت چھوٹی قراءت فرماتے۔ جبکہ ہمارے مبلغین دین کو اتنا مشکل کر کے ظاہر کرتے ہیں کہ لوگ دین کے نام سے دو فٹ پیچھے ہو جاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو تبلیغ کی جاتی ہے، اُسے خود اپنے عمل میں لا کر استعمال نہیں کیا جاتا۔''

دلنشین اندازِ گفتگو کی اہمیت

اسلام سراسر امن و سلامتی، پیار و محبت اور بھائی چارے کا مذہب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ مخاطب کے ساتھ دل موہ لینے والے، انتہائی میٹھے انداز میں گفتگو فرماتے جو سننے والے کو متاثر کر دیتی اور وہ آپ پر دل و جان سے ایمان لے آتا۔

مکہ میں ایک بوڑھی عورت اپنا سامان باندھے راستے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہاں سے گذر ہوا تو آپ نے اُس خاتون کو متفکر اور پریشان دیکھ کر پوچھا کہ وہ کس لیے بیٹھی ہوئی ہے۔ بوڑھی عورت نے جواب دیا کہ بیٹا، مجھے پتہ چلا ہے کہ مکہ میں ایک ایسا جادوگر آیا ہے جس کے ساتھ کوئی تھوڑی دیر کے لیے بات چیت کر لے تو وہ اُسے اپنے جادو کی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور پھر وہ اپنے باپ دادا کا مذہب تک چھوڑ دیتا ہے اور اُس جادوگر کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ بس میں اُس کے خوف سے مکہ چھوڑ کر جا رہی ہوں کہ کہیں وہ مجھے بھی میرے باپ دادا کے دین سے متنفر نہ کر دے۔ لیکن میرا یہ سامان بھاری ہے، سفر زیادہ ہے اور مجھ میں طاقت نہیں۔

پتہ نہیں منزل تک کیسے پہنچوں گی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، مائی! پریشان نہ ہو، میں تیرا سامان اُٹھا لیتا ہوں اور جہاں تم جانا چاہتی ہو، وہاں تک چھوڑ آتا ہوں۔ بوڑھی عورت راضی ہو گئی اور خوشی خوشی نبی پاک ﷺ کے ساتھ چل پڑی۔ آپ ﷺ نے اُسے اُسکی منزل تک پہنچا دیا تو وہ عورت آپکو بہت زیادہ دعائیں دینے لگی۔ جب آپ نے اجازت مانگ کر واپسی اختیار کرنا چاہی تو اُس نے پوچھا، اے نیک بخت وسعادت مند بیٹے! مجھے اپنا تعارف تو کروادو کہ تم کون ہو؟ تمہارا نام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا، مائی! میں وہی ہوں جس کے ڈر سے تم مکہ چھوڑ کر آئی ہو۔ میرا نام ہی محمد (ﷺ) ہے۔ مائی دم بخود رہ گئی۔ وہ حیرت کی تصویر بن کر آپ ﷺ کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اچانک کہنے لگی۔ اگر آپ محمد ہی ہیں تو پھر آپ سے بہتر کوئی نہیں، آپ مجھے بھی کلمہ پڑھا دیں۔ میں بھی مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔

آج چودہ سو سال کے بعد یورپ کے مفکروں نے تسلیم کر لیا کہ ''میٹھا بول بھی جادو ہے'' چنانچہ اِس موضوع پر ڈیل کارنیگی جیسے مشہور مصنف نے کتاب بھی لکھی۔

مخاطب کو قائل کرنے کا طریقہ

مبلغ کے لیے اِس بات کو سمجھنا بے حد ضروری ہے کہ وہ اپنے پیغام کی حقانیت اور افادیت سے دوسروں کو احسن طریقے سے آگاہ کرے۔ کیونکہ اِس حقیقت میں کوئی شک نہیں، اگر دعوت فوائد سے لبریز بھی ہو مگر اُسے پیش کرنے کا انداز غیر موزوں ہو تو دعوت قبول نہیں کی جاتی بلکہ مخاطب کے لیے بات کو سننا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

شیخ الشیوخ، بابا جی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہٗ العالی نے مختلف نشستوں میں مخاطب کو قائل کرنے کے لیے چند نکات بیان فرمائے تھے۔ اُن نکات کی وضاحت ذیل میں مفصل طور پر کی گئی ہے۔ مبلغ یا داعی کے لیے ضروری ہے کہ دعوت و تبلیغ کا کام کرتے ہوئے اِن نکات کو مدِ نظر رکھے۔

مشترکہ بات سے آغاز

کوئی بھی داعی، مبلغ یا پیغام رساں اُس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی گفتگو کا آغاز مثبت انداز سے نہ کرے۔ اگر آغاز میں ہی منفی اندازِ گفتگو اپنا لیا جائے تو بات چیت آگے بڑھانا بے حد مشکل ہو جاتا ہے۔ مخاطب ہرگز بات نہیں سنتا جبکہ بات سمجھنا یا منوانا تو بعید از قیاس ہو جاتا ہے۔ گفتگو کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ آپ جس کے ساتھ بات چیت شروع کر رہے ہیں، اُس کے ساتھ مشترکہ دلچسپی یا مشترکہ رضامندی والی باتوں سے شروعات کریں۔ بعض یورپی مفکروں نے مارکیٹنگ کے حوالے سے کتابیں لکھیں اور اُن میں بتایا کہ اگر آپ کسی سے کوئی ایسی بات منوانا چاہتے ہیں جس پر اُس کے انکار کا خدشہ ہے تو پہلے اُس کا رجحان مثبت سمت میں لے جائیں۔ یعنی کم از کم 4 یا 5 ایسی باتیں منتخب کریں جن پر وہ مثبت جواب دے۔ اگر آپ اپنی پہلی بات کا جواب مثبت لے لیں گے، پھر دوسری بات کا جواب مثبت لے لیں گے، پھر تیسری بات کا جواب مثبت لے لیں گے اور پھر چوتھی بات کا جواب بھی مثبت لے لیں گے تو اب آپ پانچویں نمبر پر وہ بات کریں جس کے بارے میں خدشہ تھا کہ وہ انکار کر دے گا تو ماہرین نفسیات اور مفکرین کہتے ہیں کہ چار مرتبہ ہاں کے بعد 90 فیصد تک بہتری پیدا ہو چکی ہو گی کہ وہ پانچویں بات پر بھی ہاں ہی کرے گا۔

ہم نے عمومی طور پر دیکھا ہے کہ ایک مخصوص تبلیغی گروہ کے بارے میں ہم سب علم رکھتے ہیں کہ اُن کے عقائد مکمل طور پر درست نہیں ہیں لیکن اِس کے باوجود وہ اپنی گفتگو کا آغاز ''آؤ! اللہ کی باتیں کریں'' جیسے جملے سے کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اللہ کی باتیں کرنے یا سننے سے احتراز نہیں کرسکتا لیکن وہ کبھی یہ نہیں بتاتے کہ اللہ کی باتیں کرنے کے بعد وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص اور فضائل کے حوالے سے بہت سی باتوں سے آپ کو منفی انداز میں تبدیل کر دیں گے۔ ابتداء میں یہ بھی نہیں کہتے کہ وہ بہت جلد آپ کو اولیاء کے حوالے سے شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیں گے۔ جبکہ ہمارے سیدھے سادے لوگ اُن کی باتوں میں آ جاتے ہیں اور

جب یہ کچھ کہنا چاہتے ہیں تو گفتگو کا آغاز ہی اِس بات سے کرتے ہیں کہ آؤ! اللہ والے کے مزار پر حاضر ہو کر بیماری سے صحت یابی کی دعا کرتے ہیں۔ چونکہ مخاطب اہلِ علم نہیں ہوتا، اُسے کی معلومات بھی محدود ہوتی ہیں، لہذا وہ اِسی بات سے گھبرا جاتا ہے کہ کہیں شرک شرک الاپنے والوں کے فتویٰ کی زَدّ میں نہ آجائے لہذا وہ چپ چاپ راستہ بدل لیتا ہے۔

چنانچہ جب بھی گفتگو کا آغاز کریں تو ایسی باتوں سے گریز کریں جس کے بارے میں مخاطب کے تصورات غیر حقیقی ہیں یا وہ شکوک وشبہات میں مبتلا ہے یا پھر وہ سرے سے ہی منکر ہے۔ ابتداء میں صرف وہی باتیں کریں جن پر آپ بھی متفق ہیں اور جس کے ساتھ آپ مخاطب ہیں وہ بھی اتفاق رکھتا ہے۔ اِس طریقہء کار سے دعوت یا پیغام کی ترسیل اور تبلیغ مؤثر بھی ہو جائے گی اور آسان بھی۔

وِن وِن پوزیشن (Win-Win Position)

زیادہ تر بات چیت، مناظرہ یا بحث کی ناکامی کا ایک بڑا سبب فریقین کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اپنے لیے پسند کرنا اور دوسرے کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا ہوتا ہے۔ اِس کوشش کی وجہ سے کوئی بھی مسئلہ یا معاملہ بیچ میں ہی لٹکا رہتا ہے اور فریقین کا اتفاق یا راضی نامہ نہیں ہو پاتا۔ یاد رکھیں جب بھی مذاکرات یا بات چیت کی کامیابی ممکن ہوگی تو اُس کے لیے وِن وِن پوزیشن (Win-Win Position) ہی کام آئے گی۔ کبھی بھی وِن لُوز یا لُوز وِن پوزیشن کے لیے وقت ضائع نہ کریں۔ مثال کے طور پر کسی معاملے میں 6 فائدے اور 4 نقصان ہیں۔ اب اگر اِن کی تقسیم اِس طرح سے کی جائے کہ فریقین میں 3 فائدے اور 2 نقصان کی شرح سے تقسیم کی جائے تو اِسے Win-Win Position کہا جائے گا۔ یعنی فائدہ بھی ایک جیسا اور نقصان بھی ایک جیسا۔ لیکن اگر کوئی چاہے کہ ایک فریق کو 4 فائدے مل جائیں جبکہ نقصان میں اُس کا حصہ صرف 1 ہی رہے تو یہ Win-Lose پوزیشن ہے۔ دوسرا فریق کیسے راضی ہو سکتا ہے؟ اور ظاہر ہے کہ اگر آپ کے لیے 3 فائدے جبکہ 3 نقصان رکھے

جائیں تو یہ Lose-Win پوزیشن ہونے کی وجہ سے آپ کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایک اچھے پنچایتی یا بہترین مذاکرات کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ یا تو بات چیت اور مذاکرات سرے سے ہی نہ کرے لیکن اگر بات چیت یا مذاکرات کرے تو پھر Win-Win پوزیشن بنائے تاکہ مذاکرات یا بات چیت کامیابی سے ہمکنار ہوسکے۔

گفتگو میں کامیابی کا معیار

ایک مجلس کے دوران شیخ الشیوخ باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا:

''ہماری قوم میں مناظرے یا ڈائیلاگ کے عجیب معنی ہیں۔ اکثر ہم ٹی۔وی پر دیکھتے ہیں کہ جب لوگ مناظرہ کرتے ہیں تو وہ چاہتے ہیں کہ ایک ہی نشست میں مخالف ہمارا ہم خیال ہو اور اگر وہ ہم خیال نہیں ہورہا تو اُس کو ایک طرف کردیں گے، اِس طرح سے تو گفتگو کا طریقہ صحیح نہیں ہے۔ اگر آپ نے دس پوائنٹ کسی کے سامنے رکھے ہیں اور وہ تین میں ہم خیال ہوگیا تو آپ کامیاب ہیں اگر تین میں ہم خیال نہیں ہوا، دو میں ہم خیال ہوگیا تو بھی آپ کامیاب ہیں اگر فقط ایک نقطے پر، صرف ایک نتیجے پر کوئی مان گیا تو پھر بھی آپ کامیاب ہیں اور اگر ایک نقطے پر بھی کوئی آپ سے متفق نہیں ہوا تو کیا ہوا؟ ماہرین نفسیات اور اہلِ علم اِس کو بھی کامیابی کہتے ہیں کیونکہ اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم اِس سے ذاتی اظہارِ رائے تو ہوگیا۔ (یعنی آپ نے اپنی بات تو اگلے تک پہنچا ہی دی)

حکمت کے ساتھ تبلیغ

حکمت سے خالی تبلیغ عموماً بے اثر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء آیات واحادیث سنا کر بھی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر پاتے جبکہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے برگزیدہ بندے صرف اشارہ کرتے ہیں اور عادات بدلتی، اشکال نکھرتی اور اعمال سنورتے جاتے ہیں۔ گنج کرم، حضرت سیّد محمد اسمٰعیل شاہ بخاری حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ میں حکمت کا گوہر بدرجہ اولیٰ موجود تھا۔

آپ فرمایا کرتے کہ جو شخص ظاہر اً شریعت کا پابند نہ ہو، خواہ ہوا میں اُڑتا رہے اُسے ولی نہ مانو۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اکثر ملنے جلنے والوں کو روایتی تعظیم کے برخلاف عملی اظہار کی تلقین فرماتے۔ ہاتھ چومنے والوں کو نصیحت ہوتی کہ دل میں اتنی محبت پیدا کرو کہ خود بخود پیروی اور اتباع ہو گر نہ ماں کے ساتھ اتنی محبت ہونے کے باوجود اپنی ماں کے ہاتھوں کو دن میں کتنی مرتبہ چومتے ہو؟۔

آپ اپنی طرف پیٹھ نہ کرنے والوں کو نصیحت فرماتے، اِس سے بہتر ہے کہ پیر و مرشد کے احکامات کو تسلیم کرنے سے پیٹھ نہ دکھائی جائے اور کہنے پر عمل کیا جائے۔

☆

شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف کے دادا جان حضرت پیر سیّد محمد اسمٰعیل شاہ بخاری حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر تھا۔ بیٹھے بیٹھے اُس کے دل میں خیال آیا کہ حضرت صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اتنی روحانی طاقت عطا فرمائی ہے کہ چاہیں تو مردے زندہ کر دیں۔ جیسے ہی اُس نے یہ گمان کیا، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے اُس بیلی سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا، بیلیا! دلوں کی باتیں جان لینا یا مردے زندہ کر دینا کوئی کمال نہیں، اصل کمال یہ ہے کہ کسی کو شریعتِ مطہرہ پر عمل پیرا کر دیا جائے۔

☆

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: ''بیلیو! اللہ تعالیٰ نے سب سے عمدہ، سب سے حسین اور خوبصورت سراپا جو بنایا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سراپا ہے۔ سب سے بہتر کردار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کردار ہے۔ پھر ہم بھی کیوں نہ ویسی ہی صورت اور ویسی ہی سیرت بنانے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے یہی ذریعہ ہے۔''

☆

ایک نوجوان نے ایک دفعہ عرض کر دیا۔ ''قبلہ داڑھی میں کیا رکھا ہے۔ انسان کا دل

صاف ہونا چاہیے۔آپ نے فرمایا: ''برخوردار تمہارا قرآن پاک پر ایمان ہے؟'' اس نے عرض کیا: ''جی ہاں، کیوں نہیں، آخر میں مسلمان ہوں'' آپ فرمانے لگے: ''قرآن پاک میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ کو اسوۂ حسنہ فرمایا گیا ہے(**لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ**) اور داڑھی رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی اسوۂ حسنہ ہے اور قرآن مجید میں جا بجا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی تقلید اور اطاعت کا حکم ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی فعل کی خلاف ورزی کرنا یا مذمت کرنا کسی ہوشمند انسان کا کام نہیں۔ کچھ دیر توقف کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''بابو جی! تم دل کی صفائی کا ذکر کرتے ہو، دل کا بھید تو خدا جانتا ہے۔ظاہری صورت بھی درست کرو تا کہ لوگ بھی اچھا جانیں اور زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔''

☆

ایک دن حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ عقیدت مندوں کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ایک تعلیم یافتہ نوجوان آئے اور خاموشی سے مجلس میں آ کر بیٹھ گئے۔کچھ دیر کے بعد آپ اس نوجوان کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا: ''بابو جی آپ کیسے آئے ہیں؟'' نوجوان نے جواب دیا۔''حضرت! میں دل کا مریض ہوں اور اِس کے علاج کے لئے حاضر ہوا ہوں۔'' آپ نے ذرا زوردار لہجہ میں فرمایا ''میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' نوجوان نے عرض کیا: حضور! دل کی روشنی کا متلاشی ہوں۔'' آپ نے فرمایا۔''مجھے روشنی اور اندھیرے سے کیا سروکار ہے۔میں تو اتنا جانتا ہوں کہ مسلمان سنتِ نبوی کا پابند ہو اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کے مطابق زندگی بسر کرے۔پھر نہ کسی اندھیرے کا ڈر باقی رہتا ہے اور نہ کسی اور روشنی کی تمنا باقی رہتی ہے۔'' مزید ارشاد فرمایا کہ نماز باقاعدگی سے ادا کریں۔رزقِ حلال کے حصول کی کوشش کریں۔کسی کی حق تلفی نہ کریں اور ظاہری شکل وصورت بھی مسلمانوں جیسی بنالیں تو کوئی کمی نہیں رہے گی۔

☆

کرموں والا گاؤں میں ایک شخص دین محمد عرف دینا گاؤں کا زمیندار تھا۔ ایک دفعہ وہ سخت بیمار ہو گیا اور اس کا پیٹ پھول کر کپا ہو گیا، علاج معالجہ کرتا رہا مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔ جب سب طرف سے مایوسی نے گھیر لیا تو ناچار حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے آتے ہی اس سے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے۔ اس نے عرض کیا حضور پیٹ میں دو تین ماہ سے تکلیف ہے اور کھیتوں میں کام کاج کرنا تو کجا چلنے پھرنے سے بھی معذور ہوں آپ نے فرمایا ''تم تندرست ہو جاؤ گے۔ لیکن میں رشوت لیا کرتا ہوں تم بھی رشوت دو گے؟'' اس نے دل ہی دل میں خیال کیا کہ دس، بیس یا پچاس روپے لے لیں گے تو کوئی بات نہیں اور عرض کیا کہ حضور دے دوں گا۔ مجھے تو صحت کی ضرورت ہے کلم الناس علی عقولهم کے تحت یہ ارشاد ہوا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا اچھا میرے ساتھ وعدہ کرو کہ داڑھی نہیں منڈواؤ گے اور نماز پڑھو گے یہی میری رشوت ہے۔'' اس نے یہ بات ماننے کا عہد کر لیا۔ اتنے میں ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا، حضور نے فرمایا کہ اچھا اب نماز کا وقت ہو گیا ہے کوئی بیلی سبیل میں کنوئیں سے ڈول کے ساتھ پانی ڈالے تا کہ وضو کر کے سب نماز ادا کریں۔ پھر اسی دین محمد کو پوچھا، دین محمد تم پانی ڈال سکو گے یا بیماری کی وجہ سے معذور ہو' دین محمد نے اس ارشاد کے بعد اپنے اندر ایک نئی قوت محسوس کی اور اٹھ کر بخوشی پانی کھینچ کھینچ کر سبیل میں ڈالنے لگا۔ حالانکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ لاغری کی وجہ سے بمشکل چل کر دربار میں حاضر ہوا تھا۔ ایک ہی نظر سے حضور نے اس کی بیماری سلب فرمادی۔ پھر وہ نماز کا بھی پابند ہو گیا اور داڑھی بھی رکھ لی۔

☆

ایک مرتبہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہِ اقدس میں چند قادیانی (مرزائی) حاضر ہوئے۔ آپ نے اُن کو بٹھا کر باتیں شروع کر دیں۔ دورانِ گفتگو آپ نے ارشاد فرمایا، بھئی بتاؤ کہ سچے نبی کی کیا نشانیاں ہیں؟ اب وہ خاموش تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی

ارشاد فرمایا، بھئی سچے نبی کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ وہ کسی سے پڑھتا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ اپنے نبی کو سارے علوم عطا کر دیتا ہے لہذا سچے نبی کا کوئی اُستاد نہیں ہوتا۔ دوسری نشانی یہ ہے کہ سچا نبی قوت کے لیے دوا نہیں کھاتا، تیسری نشانی یہ ہے کہ سچا نبی جہاں وصال کرتا ہے، عین اُسی جگہ پر تدفین کی جاتی ہے۔ چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ ءنبوت سراسر جھوٹا تھا اور وہ پڑھتا بھی رہا، مردانہ قوت کی دوا بھی کھاتا رہا اور پاخانے میں گر کر مرا تھا چنانچہ اُن مرزائی حضرات پر اِس بات چیت کا اثر ہوا، اور اُن میں سے زیادہ تر تائب ہو گئے۔

☆

محمد صدیق احمد فیروز پوری خطیب پرانی عیدگاہ (جھنگ) کی بیوی کے گلے میں خنازیر نکل آئیں۔ انہوں نے بڑا اعلاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر کسی کے بتانے پر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دریافت فرمانے پر انہوں نے سارا واقعہ عرض کیا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔ ’’تم داڑھی رکھ لو اور دونوں میاں بیوی نماز پڑھا کرو۔ نماز کے بعد درود شریف پڑھ کر لعاب دہن لگایا کرو‘‘۔ انہوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان پر عمل کیا۔ چند دنوں میں ان کی بیوی کی بیماری دور ہو گئی۔

☆

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نگاہِ باطن سے دیکھتے تھے اور تبلیغ کا وہی انداز اپنایا جاتا جو کارگر ہوتا اور اثر انگیزی میں بھرپور ہوتا۔ کبھی تو آپ انتہائی پیار فرماتے اور بعض کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ بھی ہوتی۔ مگر وہ ڈانٹ ڈپٹ بھی ایسی چاشنی بھری ہوتی کہ جسے ایک بار ڈانٹ ڈپٹ ہو جاتی وہ پھر آہیں بھرتا پھرتا کہ شفقت بھرے اُس انداز کی جھلک پھر دکھائی دے۔ لیکن آپ تو روحانی و باطنی علاج فرما رہے ہوتے تھے۔ اور جن کو کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا تھا، اُن کے لیے مار پیٹ بھی تجویز کر دی جاتی۔ مگر علاج کا بنیادی مقصد ہمیشہ پیشِ نظر رہتا اور کوئی مریض ناکام و نامراد نہیں جاتا تھا۔ بلکہ واقفِ راز تو اِس بات سے بھی بخوبی واقف تھے کہ جسے حضرت صاحب

کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مبارک ہاتھ سے ایک آدھ ضربِ تادیب لگا دی تو اب اُس کا بیڑا پار ہونا تو یقینی ہوتا۔

بھارت کے ضلع گورداسپور میں ایک قصبہ دھرم کوٹ کے نام سے مشہور ہے، نام تو ہندوانہ تھا مگر آبادی مسلمانوں کی تھی۔ یہ ہمارے ایک دوست مسٹر بشیر بی اے آنرز کا وطن تھا۔ بشیر صاحب نے آنرز کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد دہریت اختیار کر رکھی تھی اس کے برعکس ہم ہزار خطا کار ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی موجودگی اور توحید کے قائل تھے۔ لاہور اور امرتسر کے کالجوں میں دسمبر کی چھٹیاں تھیں۔ یہ غالباً 1932ء کا ذکر ہے۔ ہر طرف امن و امان کا دور دورہ تھا۔ میں حکیم عبدالمجید صاحب عاصی کے ہمراہ مرغابیوں کے شکار کیلئے دھرم کوٹ گیا۔ یہ قصبہ شاہدرہ کی طرح عین راوی کے کنارے پر واقع ہے۔ ان دنوں بشیر صاحب بھی وہیں تھے۔ عاصی صاحب بشیر صاحب کے برادرِ نسبتی ہونے کی وجہ سے بہت بے تکلف تھے۔ ایک دن دریا کے کنارے دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ بشیر صاحب سے بحث چھڑ گئی۔ ہم انہیں خدا کا قائل بنانے کی دھن میں دلائل پیش کر رہے تھے۔ مگر وہ الٹا ہمیں دہریہ بنانے کی کوشش میں مصروف تھے' ان کی تعلیم زیادہ تھی اور قوت استدلال بھی۔ اور پھر ایک دہریے کے واسطے اوٹ پٹانگ دلائل پیش کرنا مشکل نہیں ہوتا اور یہاں شریعت کا احساس مدنظر تھا۔ مختصر یہ کہ خدا کے منکر کا پلڑا بھاری تھا اور خدا کے ماننے والے محض اپنی خفت مٹانے کیلئے گفتگو کو طول دے رہے تھے۔ بحث عروج پر تھی کہ دو تین درویش صفت دیہاتی ادھر سے گزرے اور چند لمحوں کیلئے ہمارے قریب رک کر گفتگو سننے لگے پھر کچھ توقف کے بعد فرمانے لگے۔ "دیکھو میاں یہ بابو خدا کا منکر ہے۔ تم اسے بحث سے قائل نہ کر سکو گے۔ آج کل مکان شریف میں عرس ہے۔ وہاں میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت کرماں والا رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہوں گے۔ انہیں ان کے حضور لے چلو۔ بس چند لمحوں میں دہریت سے توبہ کر کے خدا پرست بن جائے گا۔" انہوں نے یہ مشورہ دیا اور اپنی راہ لی۔

مکان شریف' دھرم کوٹ کے قریب ایک درگاہ تھی۔ یہاں بھی نقشبندیہ سلسلے کا ایک مرکز

موجود تھا۔ مسٹر بشیر کو نہ جانے کیا سوجھی کہ حضرت کرماں والا رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کیلئے بے تاب ہونے لگے۔ القصہ ہم چار پانچ دوست مکان شریف جا پہنچے۔ جی میں یہ ٹھان لی کہ اپنی آمد کا اصل مقصد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا اور کسی پر ظاہر نہیں کریں گے۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت کرماں والا رحمۃ اللہ علیہ تو اس دفعہ تشریف نہیں لائے' البتہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور خلیفہ غالباً نور الحسن شاہ صاحب موجود ہیں۔ بشیر نے کہا چلو انہیں کے پاس چلتے ہیں اگر موقع ملا تو یہ بحث انہیں سے چھیڑی جائے گی۔ لہٰذا ہم ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے۔ سب سے آگے مسٹر بشیر ہی تھے۔ انہیں اپنی تعلیم پر بڑا ناز تھا۔ جونہی حضرت نور الحسن شاہ صاحب کے حضور باریابی ہوئی' بشیر صاحب نے بڑھ کر سلام کیا۔ جواب میں آپ نے نہایت زور سے کہا۔ ''ابے جا تیرا نکاح تو حضرت کرماں والا رحمۃ اللہ علیہ سے ہو چکا ہے''۔ بشیر حیران تھا کہ انہیں ہمارے دل کی بات کیسے معلوم ہوگئی، بات درست تھی کہ دھرم کوٹ سے ہم حضرت کرماں والا رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کیلئے آئے تھے۔ نیت یہی تھی کہ حضرت کرماں والا رحمۃ اللہ علیہ سے ملیں گے اور خدا کی موجودگی کا مسئلہ انہی کے حضور چھیڑا جائے گا۔ حضرت نور الحسن شاہ صاحب کے اس جملے کا اثر کارگر ہوا اور بشیر نے کرموں والا جانے کی ٹھان لی۔ اس نے گھر آ کر چند کپڑے اور کتابیں سوٹ کیس میں رکھیں اور ریل میں سوار ہو گیا۔ ہم تو راستے میں امرتسر اتر گئے اور وہ سیدھا فیروز پور چلا گیا۔ پھر تقریباً ایک برس کی مدت گزر گئی۔ بشیر صاحب کا کوئی خط ہی آیا اور نہ ان سے کوئی ملاقات ہو سکی۔

ایک دن دوپہر کے وقت میں اپنے بچوں میں بیٹھا تھا' کہ مردانے سے میرا ملازم بلانے آیا۔ کہنے لگا کہ ایک مولوی صاحب ملنے آئے ہیں۔ میں نے کہا بڑے کمرے میں بٹھاؤ میں ابھی آتا ہوں۔ جب میں پہنچا تو ایک لمبے تڑنگے مولوی صاحب انتظار میں تھے۔ پوری داڑھی، سر پر بڑی سی پگڑی، ٹخنوں سے اونچا پاجامہ، میں پہچان نہ سکا۔ وہ بھی تاڑ گئے اور بولے۔ ''یار میر! مجھے پہچانا نہیں''؟ میں نے معذرت چاہتے ہوئے جواب دیا'' مجھے افسوس ہے کہ میں نے واقعی آپ کو نہیں پہچانا''۔ کہنے لگے۔'' بھئی میں تمہارا دوست بشیر ہوں''۔ میں حیرت

واستعجاب میں ان سے لپٹ گیا اور پوچھنے لگا۔ ''ارے یہ کیا؟ ہمارا بشیر تو سوٹ بوٹ والا تھا۔ آخر یہ انقلاب کیسے آ گیا تم میں؟'' مولوی بشیر کہنے لگے۔ ''یار یہ سب حضرت کرماں والا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نظر کا کرشمہ ہے۔ تمہیں یاد ہے نا' کہ میں ان سے بحث کرنے کی غرض سے ان کے گاؤں ضلع فیروز پور میں گیا تھا۔'' ہاں ہاں مجھے یاد ہے۔ ارے دوست پوری روداد سناؤ۔'' میں نے فرط اشتیاق میں بات کو طول دینا چاہا۔ اب مولوی بشیر صاحب نے آپ بیتی شروع کی۔ ''بولے میر صاحب! میں مغرب سے کچھ پہلے حضور کے درِ دولت پر پہنچ گیا تھا' سوٹ کیس ایک جگہ رکھا اور ایک درویش کی وساطت سے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا' دل میں سوچ رہا تھا کہ گاؤں کی کھلی ہوا ہے۔ میں خود بھی گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ چندروز یہاں قیام کروں گا۔ وقتاً فوقتاً شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بحث بھی ہوگی۔ میں بہت پڑھا لکھا ہوں اور پھر یہ مسئلہ ایسا ہے کہ کوئی بھی دلائل سے مجھے قائل نہیں کر سکتا۔ ہاں ایک بات ہے کہ چندروز ذرا مزے سے گزر جائیں گے۔ میں نے حضور کے روبرو ہوتے ہی سلام کیا۔ جانتے ہو سلام کا جواب کیا ملا؟ گالیاں اور گھونسے۔ کسی نے پوچھا ہی نہیں کہ میاں کون ہو، کیسے آئے ہو؟ مقصد کیا ہے؟ بالکل نہیں پوچھا گیا۔ جونہی میرے منہ سے السلام علیکم نکلا، حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ ایک دم جلال میں آ گئے اور درویشوں سے فرمانے لگے۔ مارو اِسے۔ بس یہ حکم ملتے ہی چند ہٹے کٹے درویش اٹھے اور مجھ پر پل پڑے اب میں تھا اور گھونسوں اور لاتوں کی بوچھاڑ تھی۔ انہوں نے دھکے دے کر باہر نکال دیا اور ایک درخت کے قریب چھوڑ کر چلے گئے۔ میں اتنا پڑھا لکھا آدمی اس وحشیانہ سلوک کا امیدوار نہ تھا۔ جی میں خود کو ملامت کرنے لگا کہ بے وقوف تو ناحق یہاں آیا۔ پھر رقت طاری ہوئی اور گھنٹوں روتا رہا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس سلوک کے باوجود وہاں سے چلے آنے کی جرأت نہ تھی۔ جب وقت کافی سے زیادہ گزر گیا تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے دریشوں کو دوسرا حکم سنایا اور فرمایا۔ ''جاؤ اس بابو کو اندر لے آؤ''۔ اب درویش مجھے اندر لے جا رہے تھے اور میں انکار کر رہا تھا' مگر وہ میری کہاں سنتے تھے' گھسیٹ کر لے ہی گئے۔ کسی سوال و جواب کی نوبت ہی نہ آئی۔ حضرت صاحب

قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے میرا دایاں ہاتھ پوری قوت سے پکڑا اور دبایا اور کہا۔ "دیکھ او بیلیا خدا ہے کہ نئیں" (یعنی اے دوست دیکھ خدا ہے یا نہیں)۔ بس ایک بجلی سی میرے رگ و ریشہ میں دوڑ گئی اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو رات ختم ہونے کو تھی۔ میں جوں کا توں پڑا تھا۔ ہوش آتے ہی مجھے سوٹ بوٹ سے نفرت ہوگئی۔ اپنی کتابوں اور تعلیم سے نفرت ہوگئی۔ مجھے موجودہ دور کی ہر غیر اسلامی روش سے نفرت ہوگئی۔ میں نے اسی دن داڑھی رکھ لی اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر توبہ کرلی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے پوچھا۔ "بابو جی تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے کہا۔ "حضور غلام کو بشیر کہتے ہیں۔" فرمانے لگے۔ "نہیں بشیر مرزا محمود بھی اپنے ساتھ لکھتا ہے۔ تم اپنا نام عبداللہ رکھ لو۔" بشیر اگرچہ اسلامی نام ہے مگر اس وقت خدا کے اس مقرب بندے کا موڈ ویسا ہی تھا' لہٰذا میں بشیر سے عبداللہ بن گیا۔

عملی تربیت

دورِ صحابہ و تابعین کے بعد سے ہی تبلیغِ دین کے سلسلہ میں دو گروہ نمایاں ہیں۔ پہلا گروہ صوفیاء کا ہے اور دوسرا گروہ علماء ہیں۔ اِن دونوں میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ صوفیاء قول سے زیادہ عمل کے ذریعے تبلیغ کرتے ہیں جبکہ علماء فقط تقریر کا سہارا لیتے ہیں چنانچہ صوفیاء کی تبلیغ کے باعث لاکھوں کی تعداد میں لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے یا بے شمار لوگ گناہوں والی زندگی چھوڑ کر نیکی کے راستے پر گامزن ہوئے جبکہ علماء کی تبلیغ کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوسکے۔ یہ فرق اولیاء کی بارگاہوں میں بالکل صاف دکھائی دیتا ہے۔

گنجِ کرم، پیر سیّد محمد اسمٰعیل شاہ بخاری، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ایک خاص قسم کا ماحول تھا۔ لوگ آپ کے پاس حاضری دیتے اور غیر محسوس انداز میں اُنکے دل رجوع الیٰ اللہ کی طرف مائل ہو جاتے۔ آپ کی نشست و برخاست کا ہر انداز سنتِ مطہرہ اور

شریعتِ مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لبریز تھا۔ حتیٰ کہ عام استعمال کی اشیاء بھی رجوع الیٰ اللہ کی دعوت و تبلیغ کا حصہ تھیں۔ جس شے کو دیکھو، قبلہ رُخ نظر آئے گی۔ لوٹا، درانتی، جھاڑو، برتن الغرض ہر شے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ بن جاتی۔ یہ تبلیغ کا ایسا انداز تھا جس کے سامنے بڑی بڑی تقریریں اور وعظ و نصیحت کے ابواب سرنگوں تھے۔ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ شریعتِ مطہرہ کی پاسداری کو بہت پسند فرماتے تھے۔

کسی بے نماز کو ایک، دو وقت کی نماز پڑھا دینا اگرچہ بہت زیادہ ثواب کا کام ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ ثواب کا کام یہ ہے کہ کسی کی سوچ اور فکر کو دنیاوی خواہشات سے ہٹا کر آخرت کی بہتری کی طرف لگا دیا جائے۔ اس مادی دنیا کے پیچھے دوڑتے ہوئے انسان کے اندر ایسی روح بیدار کر دی جائے جو اسے اتنا آگے لے جائے کہ دنیا کو اس کے پیچھے دوڑنا پڑ جائے۔ عزت، شہرت اور مال و دولت حاصل کرنے کا جذبہ خدمتِ خلق کے جذبہ میں بدل جائے۔ حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے اندازِ تبلیغ میں یہی خوبی تھی، آپ مقاصد کو بدلتے تھے۔ منزل بدلتی ہے تو راستے خود ہی بدل جاتے ہیں۔ باطن میں انقلاب آ جائے تو ظاہر میں بھی تبدیلی آ جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ کچھ لوگ آپ سے ملاقات کر کے واپس جاتے تو ادب کی وجہ سے پشت آپ کی طرف نہ کرتے اور الٹے قدموں واپس جاتے لیکن آپ انہیں سمجھاتے ہوئے ارشاد فرماتے کہ کسی کا صحیح ادب یہ ہے کہ اس کی بات پر عمل کیا جائے۔

شیخ الشیوخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہٗ العالی کا فرمان

آپ نے ارشاد فرمایا کہ عملی طور پر بہتری کے لیے ضروری ہے کہ ہم 2 دائرے لگائیں۔ ایک دائرہ اچھائی یا نیکی کا ہو اور دوسرا برائی یا گناہ کا دائرہ ہو۔ اب ہمیں یہ تصور کرنا ہے کہ یہ نیکی و گناہ کے دائرے ہمارے اعمال ہیں۔ یاد رکھیں۔ جیسے جیسے ایک دائرہ بڑھے گا، اُسی طرح دوسرا چھوٹا ہوتا چلا جائے گا۔ اب اگر آپ نے گناہ یا برائی کے دائرے کو بڑھنے دیا تو نیکی یا اچھائی کا دائرہ چھوٹا ہوتا چلا جائے گا۔ لہذا آپ نے ہمیشہ کوشش کرنی ہے کہ گناہ یا برائی کے دائرے کو

بڑھنے سے روکا جائے جبکہ نیکی اور اچھائی کے دائرے کو آہستہ آہستہ بڑھاتے جائیں۔ یکدم ساری برائیاں چھوڑنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ ایک ایک کر کے برائی کو ختم کریں۔ نیکی اور اچھائی کے دائرے کو بڑھاتے جائیں۔ یہاں تک کہ گناہ یا برائی کا دائرہ بالکل ختم ہو جائے اور نیکی واچھائی کا دائرہ مکمل طور پر غالب آ جائے۔ (بحوالہ کتاب ''مرشد کی باتیں'')

☆

چونکہ اصل تبدیلی قلب و ذہن میں برپا ہوتی ہے۔ جب دل و دماغ میں انقلاب برپا ہو جائے تو پھر درجہ بدرجہ ظاہری صورت بھی تبدیل ہونے لگتی ہے۔ اللہ والوں کا اصل ہدفِ تبدیلی بھی یہی ہوتے ہیں۔ یہاں سے ابتداء ہوتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ اُس تبدیلی کے ثمرات پوری طرح ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم عطا محمد صاحب کے ایک عزیز غلام محی الدین خاں کچھ دنیا دار سے آدمی تھے۔ عطا محمد صاحب نے ایک دن انہیں داڑھی رکھے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ انقلاب کیسا ہے؟ کہنے لگے ''بیماری نے تنگ کر دیا تھا'' کسی نے بتایا حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کرماں والا چلا جا' بچ جائے گا۔ میں وہاں چلا گیا۔ دعا کیلئے عرض کی تو فرمانے لگے داڑھی رکھ لے۔ میں نے رکھ لی، اللہ نے شفا دے دی۔'' عطا محمد صاحب نے کہا ''نماز پڑھتے ہو؟'' کہنے لگے۔ ''حضرت صاحب قبلہ نے صرف داڑھی رکھنے کا حکم دیا تھا''۔

☆

دراصل بتدریج تبدیلی کے پیچھے ایک خاص سوچ کارفرما ہوتی ہے۔ ایسی تبدیلی میں کسی قسم کی کمزوری یا شکستگی نہیں ہوتی بلکہ انتہائی پختگی پائی جاتی ہے اور مذکورہ تبدیلی صرف پیار و محبت سے ہی وقوع پزیر ہوتی ہے۔ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ جن کے ظاہر و باطن میں اِس طریقے سے تبدیلی پیدا ہوئی، وہ زندگی کی آخری سانس تک باعمل اور پابندِ سنت و شریعت رہے۔ کسی مقام پر بھی اُن کا ایمان اور یقین متزلزل نہیں ہو سکا۔

☆

بیسویں صدی کے وسط میں حالات نے ایک عجیب پلٹا کھایا۔ انگریز مسلمانانِ برصغیر پر بطور حاکم مسلط ہونے کے بعد پوری طرح غالب آ چکا تھا۔ مسلمان معاشی، معاشرتی، علمی اور سیاسی سطح پر بے حد کمزور ہو چکے تھے۔ مسائل کا ایک انبار تھا جس کے بوجھ نے مسلمانوں کو دبا رکھا تھا۔ اس بحران کے باعث جہاں مسلمان اپنے دین سے از خود دور ہوتے جا رہے تھے وہاں اسلام مخالف طاقتوں نے بیشمار اقسام کے پیچیدہ اور علمی مباحث کے عجیب وغریب فتنے کھڑے کر دیئے یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کی صورت میں انکارِ ختمِ نبوت کا فتنہ اٹھایا گیا جبکہ کچھ لوگوں کو عبدالوہاب نجدی سے متاثر کر کے احادیث کا انکار کروا دیا حتیٰ کہ عام مسلمان لوگ علم غیب، حاضر ناظر، امداد بعداز وصال، وسیلہ، نور و بشر، نذر و نیاز کے ساتھ ساتھ محفلِ میلاد، گیارہویں اور ختم شریف کے جواز جیسے مسائل پر باہم دست و گریباں ہو گئے اور اِس تمام صورتحال کا مقصد یہی تھا کہ ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ مسلمان کسی بھی طرح اپنی کھوئی ہوئی عظمتِ رفتہ دوبارہ پانے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں بھی کچھ مردانِ خدا مصروفِ کوشش تھے اور ایک طرف کفر و الحاد کے اندھیروں کا اسلام کی ضیاء پاشیوں سے خاتمہ کر رہے تھے تو دوسری طرف مسلمانوں کے ہی دلوں میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کے غبار کو ہٹانے کے لیے اُنکی تربیت کرنے کا بیڑا اُٹھائے ہوئے تھے۔ حالانکہ اُس وقت حالات یہاں تک پہنچ چکے تھے کہ جس کسی نے فتنوں کی سرکوبی کے لیے کوشش شروع کی، اُسے کسی نہ کسی فرقے سے منسوب کر کے فرقہ پرست اور نجانے کیا کیا القاب سے نواز دیا گیا۔ کفار اور غیر مسلموں کو تو کیا مسلمان کرنا تھا، یہاں تو مسلمانوں کو ہی مشرک و مرتد اور ایسے ہی کئی قسم کے الزامات سے تہمت زدہ کر دیا گیا۔ اب ایسے حالات میں کسی شخصیت کا غیر متنازع رہ کر دین کی حقیقی خدمت کرنا یقیناً بذاتِ خود ایک بہت بڑی کرامت ہے۔ چنانچہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی عظیم روحانی شخصیات حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خلیفہ پیر سیّد محمد اسماعیل شاہ بخاری، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ میں عملی تربیت کا گوہر کرامت کی خوبی سے بھرپور طور پر لبریز تھا۔

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کو جب کبھی کسی بھی شخص کی عملی تربیت کا موقع میسر آتا تو آپ ہرگز فروگذاشت نہ فرماتے حالانکہ انگریز سرکار کے وظیفہ خوار سرکاری ملازمین کسی کو خاطر میں نہ لاتے مگر حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے دامِ اصلاح میں جب کبھی پھنس جاتے تو پھر ساری اکڑ رفع ہو جاتی اور خرابی ختم کرتے ہی بنتی۔

یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ ایک دفعہ ایک ذیلدار صاحب گلے میں پستول لٹکائے ہوئے شرقپور شریف میں حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے جو داڑھی منڈے تھے۔ نماز کا وقت ہونے پر انہوں نے آپ کی دائیں طرف کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن ایک خادم نے روک دیا جس پر انہوں نے ناراضگی کا اظہار کیا اور بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ نماز سے فراغت پر حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور مسکراتے ہوئے ناصحانہ انداز میں پوچھا، ذیلدار صاحب! آپ بتانا پسند فرمائیں گے کہ داڑھی مبارک کیوں منڈوائی جاتی ہے؟ یہ ارشاد سن کر وہ صاحب خاموش رہے تو خود ہی ارشاد فرمایا، اس لیے کہ انسان کم عمر معلوم ہو، صاحب! اگر آپ کو واقعی چھوٹے بننے کا شوق ہے تو بائیں طرف یا پیچھے والی صف پر کھڑا ہونے کی زحمت فرمایا کریں کیونکہ چھوٹوں کا مقام بائیں طرف یا پیچھے ہے۔ اس سلسلے میں ناراض ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ شریعتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنے والا ہی بڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ یعنی اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

ذیلدار صاحب یوں خاموش تھے جیسے منہ میں زبان ہی نہیں رکھتے۔

☆

اِسی طرح ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ پانی پت میں تشریف لے گئے۔ نماز کے وقت امام صاحب صرف ٹوپی سے نماز پڑھانے لگے۔ آپ نے دیکھا تو طبع پر بہت گراں

گذری کیونکہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنون کی حد تک محبت تھی۔ آپ نے امام صاحب سے مخاطب ہو کر پوچھا: آپ کا عمامہ کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ''یہ ٹوپی سرکاری ہے!'' آپ نے اُنکی توجہ دلانے کی غرض سے قدرے خفگی سے ارشاد فرمایا: یہ کہاں سے حاصل کی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو دستار اور ٹوپی سے امامت کروایا کرتے تھے''۔ امام صاحب نے دوبارہ کہا کہ بس یہ ٹوپی ہی گورنمنٹ کی طرف سے ملی ہے، دستار نہیں ملی۔ یہ بات سن کر آپ نے اسی وقت اپنی دستار مبارک کے دو ٹکڑے کیے، ایک ٹکڑا اپنے لیے رکھ لیا جبکہ دوسرا امام صاحب کو دے دیا تاکہ وہ سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق نماز پڑھائیں۔ امام صاحب کو جب حضرت کے بارے علم ہوا تو بہت معذرت خواہ ہوئے۔

☆

سیّد الانبیاء، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلم الناس ہیں۔ حضرت میاں صاحب شیر ربّانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے آقا و مولیٰ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کے قائل تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: آپ اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب ہے، اس کے متعلق آپ کے پاس کوئی دلیل یا جواب ہے؟ آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: علم غیب کے کیا معنیٰ ہیں؟ اس نے جواب دیا: پوشیدہ۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ سب سے بڑا غیب کیا ہے جو ہم سے پوشیدہ ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے؟ اس نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ جل شانہٗ۔ آپ نے جوش سے ارشاد فرمایا: ''پھر تو سب سے بڑا غیب اللہ تعالیٰ ہوا۔ جب خود اللہ تعالیٰ ہی میرے آقا کملی والے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں چھپا تو پھر دنیا کی کون سی چیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہِ نبوت سے چھپ سکتی ہے!! آپ کی گفتگو نے اس کے دل پر گہرا اثر کیا اور وہ اُسی وقت بدعقیدگی سے تائب ہو گیا۔ (آفتابِ ولایت از احمد علی قائد شرقپوری، صفحہ ۹۰)

اللہ والوں کی بارگاہ میں ہر مذہب، گروہ، قبیلے اور قسم سے تعلق رکھنے والے لوگ آیا

کرتے ہیں۔ان کی بارگاہ میں تعصب نام کو نہیں پایا جاتا۔وہاں گناہ سے نفرت کی جاتی ہے مگر گناہگار کے لیے شفقت،ہی شفقت،نرمی ہی نرمی اور پیار ہی پیار ہوتا ہے۔

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں بھی ہر مذہب کے ماننے والے حاضری دیا کرتے تھے۔آپ ہر ایک کے ساتھ اُس کے ذہن کے مطابق گفتگو فرمایا کرتے۔ مسلمان آتے تو اُنہیں قرآن وسنت کے حوالے سے سمجھایا کرتے،سکھوں اور ہندوؤں کو اُن کی مذہبی کتابوں کے گرنتھ اور ویدوں سے سمجھاتے مگر آپ کا اصل مقصد اصلاح ہوا کرتا۔اِسی طرح ڈاکٹر،حکیم،لوہار،کمہار،بڑھئی وغیرہ کو اُن کے کام کاج کی مثالیں دے کر سمجھایا کرتے۔الغرض جس کے لیے جیسی دوا مناسب ہوتی،تجویز فرماتے اور دعا بھی کیا کرتے تھے۔آپ کا انداز ایسا دلنشین ہوتا کہ جو ایک مرتبہ مل لیتا،وہ دل وجان سے آپ کے ساتھ انس ومحبت کرنے لگتا۔آپ کا پیار بھرا انداز کسی کے لیے بھی نظر انداز کرنا بے حد مشکل تھا۔بظاہر آپ کی باتوں کا موضوع کچھ اور ہوتا لیکن انجانے میں کسی نہ کسی تکلیف،درد یا بیماری کا علاج کیا جا رہا ہوتا۔مشکل یا بیماری کا شکار مریض خود بھی بے خبر ہوتا لیکن جب افاقہ ملتا،مشکل مٹ جاتی اور درد ختم ہو جاتا تو پتہ چلتا کہ کتنی بڑی مہربانی محض خاموشی سے کر دی گئی،کتنا بڑا مسئلہ محض فی سبیل اللہ حل کر دیا گیا اور کیسی تکلیف بغیر بتائے رفع کر دی چنانچہ پھر وہ بیمار،مصیبت زدہ،مشکل میں پھنسا ہوا آپ ہی کے در کا ہو کر رہ جاتا۔حتیٰ کہ آپ کی خانقاہ پر رہنے والوں کا سراپا ہی بدل جاتا،وہ سنتِ مصطفوی علیہ التحیۃ والثناء میں ڈھل جاتے،معمولی پڑھے لکھے ہوتے مگر حلیے اور شباہت سے علماء معلوم ہوتے،چہرے سنتِ مبارک کی برکت سے نورانی بن جاتے،سجدوں کی برکت اُن کے وجود سے ہویدا ہوتی۔

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ جب ہندوستان میں قیام فرماتے تو وہاں آپ کے گاؤں میں ایک ہندو شخص ''دھنا مل کھتری'' نامی رہتا تھا۔حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا بے پناہ عقیدت مند تھا۔اکثر آپ کی قربت وصحبت میں پڑا رہتا۔جب تک آپ اجازت نہ دیتے،گاؤں میں واقع اپنے گھر تک نہ جاتا۔گورے رنگ کا ادھیڑ عمر آدمی اور باقاعدہ داڑھی مونچھ رکھتا تھا۔

اسے اکثر دوزانو بیٹھے ہوئے دیکھا گیا جیسے اندر ہی اندر اسم ذات کا ورد کرتا ہو، اس کے چہرے مہرے سے بالکل معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ حضرت صاحب قبلہ کی جدائی میں بے چین ہو کر سال میں پاکستان کے ایک دو پھیرے ضرور لگایا کرتا۔

اللہ والے لوگوں کے احساسات کا بھی خیال فرماتے ہیں چنانچہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضری دینے والے غیر مسلم افراد کے لیے کھانے پینے یعنی لنگر کا انتظام و انصرام مذکورہ بالا ''دھنامل'' کے ہی سپرد تھا کیونکہ غیر مسلم بالخصوص ہندو مسلمانوں کے پکائے ہوئے کھانے سے اجتناب کرتے ہیں چنانچہ اُن کے اطمینان کے لیے ہندو مہمانوں کی خدمت کا کام دھنامل کے سپرد تھا۔

براہِ راست اثر کرنے والے پیار کے اس انداز نے کیسے نتائج برآمد کیے تھے، اِس بات کا اندازا لگانے کے لیے یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ نظر صرف اُسی مقصد پر رہے جو خدا تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہے۔ مدعا صرف وہی ہو جو قدرت کو بھی مطلوب ہے۔ اِسی لیے تائیدِ غیبی اور رضائے الٰہی شاملِ حال ہو جاتی ہے۔

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں ایک ہندو نے بذریعہ خط عرض گذاری کہ اُس کی بینائی جاتی رہی ہے اور اب نظر نہیں آتا۔ کوئی دوا کر دیں۔ آپ نے خط کا جواب لکھنے والے بیلی سے ارشاد فرمایا کہ اُس کو جواب میں لکھو کہ وہ یہ وظیفہ پڑھا کرے ''**الاسلام نور و کفر ظلمت**'' یعنی اسلام روشنی ہے اور کفر اندھیرا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد اُس کا پھر خط آیا کہ آپ نے جو پڑھنے کے لیے لکھا تھا، میں پڑھتا رہا ہوں، میری آنکھوں کی بینائی واپس آ رہی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ میرا قلب بھی روشن ہو گیا ہے، مزید بتایئے کہ میں کیا کروں۔ آپ نے رقعہ نویس کو منع کر دیا کہ اِسے جواب نہ دینا یہ پھر خط بھیجے گا۔ کچھ دن بعد پھر خط آیا کہ میری بینائی پوری طرح ٹھیک ہو گئی ہے اور ساتھ میں دل بھی روشن ہو گیا ہے۔ میں اسلام

قبول کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے رقعہ نویس کو پھر منع کر دیا کہ ابھی جواب نہ دینا یہ پھر خط لکھے گا چنانچہ جب تیسری مرتبہ خط آیا تو آپ نے رقعہ نویس سے ارشاد فرمایا کہ اب اِسے لکھو، کسی مقامی عالمِ دین کے پاس جا کر کلمہ پڑھ لے اور کسی سے اپنے اسلام کا اظہار نہ کرے۔ (تا کہ کوئی اُسے نقصان نہ پہنچا دے)

☆

اللہ والے جہاں عوام کی تربیت کر کے اُنہیں اسلام کی اصل برکات اور انوار و تجلیات سے مالا مال کرتے ہیں، وہاں خواص جن رکاوٹوں کی وجہ سے راہ گم کردہ ہو جاتے ہیں، اُن رکاوٹوں کو دور کر کے اُن کی مشکل آسان کر دیتے ہیں۔

حضرت سیّد محمد اسمٰعیل شاہ بخاری، حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مرتبہ بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے سجادہ نشین جناب دیوان غلام قطب الدین صاحب پاک پتن شریف سے تشریف لائے۔ دیوان صاحب تمباکو نوشی کیا کرتے تھے اور بیحد رسیا تھے۔ دوسری جانب حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ حقہ اور تمباکو نوشی سے خود بھی پرہیز کرتے تھے اور آپ کے ملنے جلنے والے بھی تمباکو سے سخت اجتناب کیا کرتے تھے۔ دیوان صاحب کو اِس بات کا بخوبی علم تھا اور یہ اندازا بھی تھا کہ یہاں تو دور دور تک تمباکو ملنا سخت محال ہے۔ لیکن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ تربیت ملاحظہ کریں کہ آپ نے بڑی محبت اور چاہت کے ساتھ اپنے بیٹے پیر سیّد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو تاکیداً ارشاد فرمایا کہ خود اپنے ہاتھ سے تازہ حقہ تیار کر کے لائیں۔ چنانچہ حسبِ ارشاد انہوں نے کسی سے حقہ منگوایا اور پھر خود تیار کر کے لے آئے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے پیار کے ساتھ مہمان کے سامنے حقہ رکھوایا اور کہا کہ جناب حقہ نوش فرمایئے! اب دیوان صاحب کی حالت یہ تھی کہ اُن کو شرمندگی ہو رہی تھی اور وہ انکار کرتے جاتے جبکہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اصرار کرتے، حتیٰ کہ حضرت صاحب قبلہ کے اس اندازِ محبت و تربیت نے اُن کے دل میں حقہ نوشی کی نفرت پیدا کر دی اور پھر اُنہوں نے زندگی بھر حقہ نہیں پیا۔

ٹائم مینجمنٹ

زندگی بار بار نہیں ملتی ــــ یہ بازار سے بھی نہیں ملتی ــــ جو سانسوں کے تسلسل کوغنیمت جان کر وقت کی قدر کرتے ہیں ــــ ہمیشہ کامیاب وکامران رہتے ہیں ــــ وہ خود بیکار نہیں رہتے ــــ لہذا اُن کے ہاتھ فارغ وقت لگ جائے یا کوئی بے کار چیز ــــ وہ اُس کو نفع بخش اور کارآمد بنا لیتے ہیں ــــ جبکہ وقت کی مہلت سے غفلت برتنے والے بند مٹھی سے سرکتی ریت کی مانند ہوا میں بکھر کر رہ جاتے ہیں ــــ سلطانِ عدل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِس سلسلہ میں کیا خوب فرمایا ہے: ــــ ”جس شخص کا گزرا ہوا اور موجودہ دن یکساں رہے، وہ خسارے میں ہے“ ــــ یہ اِس لیے ہے کہ وقت کی چکی کے پاٹ اگر چل رہے ہوں تو فائدے کا اناج ملنا ضروری ہے ــــ آپ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر اقوام کا مشاہدہ کرلیں ــــ ترقی یافتہ لوگ کام کے وقت سستی کی بجائے چستی کا مظاہرہ کریں گے ــــ ترقی پذیر لوگ چائے کی چُسکیوں اور سگریٹ کے دھوئیں میں مست و بے خود نظر آئیں گے ــــ مختلف نوع کی فضولیات کو ہمارے ہاں اتنی پذیرائی حاصل ہے کہ کئی ارب روپے سگریٹ، پان اور چائے وغیرہ میں اُڑ جاتے ہیں ــــ مجھے وہ شخص بہت عجیب لگتا ہے ــــ جو سگریٹ کا کش لیکر دھواں چھوڑتے ہوئے اپنی تنگدستی و مفلسی کا رونا روتا ہے ــــ دنیا کی اوّلین ماڈل ریاست ”مدینہ طیبہ“ کے باسیوں نے عجیب مثالیں قائم کیں ــــ وہاں حکیم تو ہے مگر بیمار کوئی نہیں ــــ کیوں کہ وہ بھوک لگنے پر کھاتے ــــ بھوک ختم ہونے سے پہلے کھانا چھوڑ دیتے ــــ میں نے غور کیا کہ کہیں چل کر جانا ایک عمومی بات ہے ــــ مگر صحابہ کہتے ہیں کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تو محسوس ہوتا جیسے آپ کسی نسبتاً اونچی جگہ سے تشریف لا رہے ہیں ــــ یعنی اِس میں بھی وقت اور توجہ کی حفاظت رہتی ــــ اُنہوں نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ایک ادا سنت بنالی ــــ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے زندگی کے پھل کا ہر ایک ذائقہ چکھا ہے ــــ ہم کڑوی گولی کی طرح نگل رہے ہیں ــــ اُنہوں نے زندگی گزاری ہے ــــ

ہم زندگی کو گھسیٹ رہے ہیں ـــــ اُن کا ہر ایک لمحہ آباد ہے ـــــ ہم دنوں پر دن برباد کر رہے ہیں ـــــ وہ بازار سے گذرتے تو اِدھر اُدھر نہ دیکھتے ـــــ ہمارے ہاں کسی جگہ بجلی کا کھمبا لگ رہا ہو تو سارا دن وہیں گزر جاتا ہے ـــــ حالانکہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے ـــــ یقیناً اِس زندگی کا کچھ نہ کچھ مقصد ہونا چاہیے ـــــ صرف کمانا، کھانا، پینا، سونا اور بچے پیدا کرنا کوئی کمال نہیں ـــــ جانور بھی یہ سب کچھ کرتے ہیں ـــــ جبکہ ہم اشرف المخلوقات ہیں ـــــ اللہ عزوجل کو راضی کرنے کے لیے کوئی تو مقصد اپنائیں ـــــ رسول اکرم ﷺ کی خوشنودی کے لیے کچھ وقت ہی صرف کر دیں ـــــ جو پیٹ بھرنے کے لیے چند ٹکے ہمارے ہاتھ پر رکھتا ہے، اُسے تو ہر روز آدھا وقت دیتے ہیں ـــــ جو عمر بھر کی خوراک کا ضامن ہے اُسے مہینے بھر میں ایک دن ہی دے دیں! ـــــ صرف ایک دن ہی اللہ عزوجل کے لیے وقف کر دیں ـــــ اُس کے رسول ﷺ کو راضی کر لیں ـــــ اُس کے بندوں کو گمراہی سے نکال کر ہدایت کے راستے پر گامزن کر دیں ـــــ شاید ہمیں اندازہ نہیں ـــــ حدیثِ پاک پڑھیے ـــــ مرے ہوئے شخص کی سب سے بڑی تمنا اور خواہش سُنیے ـــــ اے میرے پروردگار! ـــــ میری ساری دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب کچھ لے لیجئے ـــــ صرف ایک دن کی مہلت دے دیجئے ـــــ میں تجھے راضی کرنا چاہتا ہوں ـــــ تجھے منانا چاہتا ہوں ـــــ مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہو سکتا ـــــ پروردگار نے جو مہلت دی تھی وہ ختم ہو چکی ـــــ اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں ـــــ لیکن ہمارے لیے ابھی تمام راستے کھلے ہیں ـــــ یہی بات بظاہر مجذوب لیکن حقیقتاً عقلمند حضرت بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سمجھائی ـــــ خلیفہ ہارون الرشید کا بازار سے گذر ہوا ـــــ اُس نے دیکھا کہ بہلول دانا بازار میں بیٹھا ہے ـــــ خلیفہ ہارون الرشید نے پوچھا ـــــ بہلول! بازار میں کیوں بیٹھے ہو؟ ـــــ بہلول کہنے لگا، اِن بندوں کی خدا کے ساتھ صلح کروا رہا ہوں ـــــ خلیفہ مسکرایا اور پوچھا ـــــ پھر کیا صلح ہو گئی؟ ـــــ بہلول دانا نے جواب دیا ـــــ

نہیں! خدا تو صلح کے لیے مان رہا ہے مگر یہ لوگ نہیں مان رہے ــــ خلیفہ نے جواب سن کر سر ہلایا اور آگے بڑھ گیا ــــ چند دن گذرے ــــ خلیفہ نے بہلول دانا کو قبرستان میں بیٹھے ہوئے دیکھا ــــ خلیفہ نے پھر سوال کیا ــــ بہلول! یہاں قبرستان میں کیوں بیٹھے ہو؟ ــــ بہلول دانا نے جواب دیا، اِن بندوں کی خدا کے ساتھ صلح کروا رہا ہوں ــــ خلیفہ نے مسکرا کر پوچھا تو پھر کیا صلح ہوگئی؟ ــــ بہلول دانا نے جواب دیا ــــ نہیں! بندے تو مان رہے ہیں مگر اب خدا نہیں مان رہا ــــ ہمارے پاس تو ابھی وقت باقی ہے ــــ مان جایئے! ــــ لمحہ لمحہ شمار کیجئے ــــ وقت ضائع نہیں بلکہ استعمال کیجئے ــــ اپنے اللہ کو راضی کیجئے ــــ جانشینِ گنجِ کرم، شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہٗ العالی سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف نے فرمایا: ــــ ہمارا ہر عمل اِن چار میں سے کسی ایک قسم کا ضرور ہوتا ہے ــــ

1۔ضروری و جلدی والا Urgent & Important

2۔صرف ضروری Important (but not urgent)

3۔صرف جلدی والا Urgent (but not important)

4۔نہ ضروری نہ جلدی والا Neither Important nor Urgent

پہلی قسم کی مثال کسی حادثے کے شکار انسان کی مدد کرنا ہوسکتا ہے جو ضروری بھی ہے اور جلدی والا کام بھی ہے ــــ

دوسری قسم کی مثال نماز ہے جو ضروری تو ہے مگر ادا کرنے کے لیے کافی وقت دستیاب ہوتا ہے ــــ

تیسری قسم کی مثال فون کا جواب دینا ہوسکتا ہے جو ضروری نہیں لیکن اگر جلدی جواب نہ دیا تو گھنٹی بند ہو جائے گی ــــ

چوتھی قسم کی مثال گپ شپ یا ٹی۔وی ہے جس میں وقت یوں ضائع ہوتا ہے جیسے سوکھی

لکڑی کو آگ کھا جاتی ہے ــــ

چنانچہ جو لوگ زیادہ تر دوسری قسم میں رہتے ہیں وہ بہتر ہیں ــــ جو زیادہ تر چوتھی قسم میں رہتے ہیں، وہی زیادہ خسارے میں ہیں ــــ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جب سے میں نے اِن چاروں اقسام کو لاشعور میں بٹھا رکھا ہے ــــ میری زندگی با مقصد ہوگئی ہے ــــ اگر آپ بھی اپنی زندگی با مقصد بنانا چاہتے ہیں ــــ اپنے ہر کام کو اِن چار اقسام کے ذریعے پرکھتے رہیں ــــ زندگی با مقصد ہو جائے گی ــــ

آپ تبلیغ و تربیت یا نماز کے لیے یہ نہیں کہیں گے کہ مجھے کام ہے ــــ بلکہ کام سے کہیں گے کہ مجھے اپنے اللہ کو راضی کرنا ہے ــــ

تدریس

خانقاہی نظام کے پانچ ستونوں میں ''تدریس'' چوتھا ضروری ستون ہے۔ آغازِ تبلیغ کے لیے تعلیم ضروری نہیں کیونکہ نیکی کی طرف محض بلانے کے لیے ایمان و کردار لازم ہے لیکن عقیدہ و نسبت، عمل و کردار اور تبلیغ میں نکھار پیدا کرنے کے لیے تدریس بہت ضروری ہے۔

تدریس

”جب عقیدہ پختہ ہو گیا، نسبت قائم ہو گئی اور عمل و کردار بہتر ہو گیا تو اب تدریس ہے۔ تدریس خانقاہ میں دو طریقے سے ہونی چاہیے۔ ایک تو دینی علوم ہیں یعنی قرآن مجید، فقہ، علم حدیث اور دوسرا دنیاوی علوم بھی سیکھنے چاہییں تاکہ وہ قرآن کی روشنی اور حدیث پاک کی روشنی میں دنیا پڑھ سکے۔ اگر ہمیں پتہ ہی نہیں دنیاوی معاملات کیا ہیں تو دینی علوم کو اُس پہ استعمال کیسے کریں گے۔ اگر ہمیں پتہ ہی نہیں کہ آجکل کی بینکنگ کیا ہے تو اسلامی بینکاری کیا بتائیں گے؟ تو مدرسہ، یونیورسٹی یا کالج جو بھی آپ کہہ لیں، تدریس لازمی ہے۔

جو لوگ علمِ جدید سائنس، ٹیکنالوجی اور مختلف زبانوں کو سمجھتے ہیں، اُن کا خیال ہے کہ قرآن مجید اور حدیثِ پاک کے طلباء کو دنیا کا کچھ پتہ نہیں اور جو آج کل قرآن و حدیث کے علماء ہیں، عمومی طور پر وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے طلباء کو جاہل اور اَن پڑھ کہتے ہیں۔ یہ دونوں طبقات اپنی اپنی جگہ پر درست اور غلط ہیں۔ صحیح عالم اِن دونوں کے نظریات کا ملاپ ہے یعنی علمِ جدید بھی اُس کو آتا ہو اور قرآن و حدیث کو اپنا سلطان سمجھے۔“

شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری

سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف اوکاڑا

علم کو اسلام میں بنیادی اہمیت حاصل ہے، اِس کا اظہار پہلی وحی سے ہوتا ہے جو آخری پیغمبر ﷺ پر نازل ہوئی۔ تاریخ اِس بات پر گواہ ہے کہ جب تک مسلمان علم و تحقیق کے میدان میں مصروفِ عمل رہے، فاتح اور کامیاب حکمران رہے۔ اسلام فقط دین ہی نہیں بلکہ مکمل ضابطہء حیات بھی ہے، اِسی لیے نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید دنیاوی علوم سیکھنے کی طرف بھی راغب کیا، تاہم دین کو ہمیشہ دنیا پر فوقیت دی گئی۔ مدینہ طیبہ میں تشریف آوری کے فوراً بعد نبی اکرم ﷺ نے علم کی اہمیت کے پیشِ نظر دنیا کی سب سے پہلی ''اقامتی درسگاہ'' (Residential University) ''صفہ'' قائم فرمائی، جہاں دینی تعلیم کا اہتمام کیا گیا، جب کہ دوسری طرف غزوۂ بدر کے بعد جب کفار قیدی بنا کر لائے گئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جو قیدی مسلمانوں کے دس بچوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھا دے، وہ آزاد ہے''، اور کفار کا چونکہ دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا اُن سے مطلوب علم یقیناً دنیاوی تھا۔ بعد ازاں خلفائے راشدین کے دور میں اندرونی و بیرونی ریشہ دوانیوں کے باوجود ''صفہ'' کے معیار کے مطابق علم و تحقیق کا سلسلہ جاری رہا، اِسی طرح اُموی اور عباسی خلفاء نے علم و تحقیق کے میدان میں ترقی کرتے ہوئے کئی شہروں کو ''مدینۃ العلم'' بنا دیا۔ علم کی اُس عظیم الشان ترویج نے صدیوں مسلمانوں کا وقار بلند رکھا، تاہم آہستہ آہستہ نقوشِ عظمت مٹتے چلے گئے کیونکہ بعد میں

آنے والوں نے اِس کی حفاظت کے لیے کوئی انتظام نہیں کیا۔ اِس کی ایک بڑی مثال اندلس اور برصغیر جیسی بڑی ریاستیں ہیں جہاں مسلمانوں نے شان وشوکت کے ساتھ صدیوں حکمرانی کی۔ مؤرخین کے مطابق اُندلس میں لوگوں کا اسلام کے ساتھ تعلق فقط برائے نام یا موروثی رہ گیا تھا جبکہ ''خانقاہی نظام'' کی شکل میں کوئی ایسا ادارہ بھی موجود نہیں تھا جو اُن کی صحیح اسلامی خطوط پر تربیت کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ''خانقاہی نظام'' کی عدم موجودگی اُندلس میں مسلمانوں کے زوال کا سبب بن گئی۔ دوسری طرف برصغیر میں مغلیہ بادشاہوں کی بے راہ روی، بدعملی اور عظمتِ علم کی فراموشی مسلم اُمہ کے زوال کی ایک بڑی وجہ بنی۔ مغلیہ بادشاہوں کو مسلم اُمّہ کی بقا سے کتنی غرض تھی، یہ اندازہ اِس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ برصغیر کے اِس کونے سے لے کر اُس کونے تک مسلم حکمرانی کے قدیم آثار میں کسی ''یونیورسٹی'' کی عمارت کے آثار نہیں ملتے البتہ عشق ومحبت کے نام پر ''تاج محل'' ضرور نظر آتا ہے۔ یقیناً اِنہی وجوہات کی بناء پر قدرت نے ان سے اقتدار چھین لیا اور ان کی داستانِ عبرت آج بھی کتابوں میں محفوظ ہے۔

حالات خواہ کتنے ہی بدترین ہوئے لیکن کچھ بندگانِ خدا روئے زمین پر ایسے باقی رہے جنہوں نے تعلیم وتربیت کا سلسلہ جاری رکھا۔ بظاہر وہ بادشاہ نہیں تھے لیکن اِس کے باوجود اپنے عمل وکردار کے ساتھ ساتھ لوگوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کچھ ایسی محبت اور دردمندی کے ساتھ کیا کہ اُنہوں نے لوگوں کے دلوں پر حکومت کی اور بے تاج بادشاہ کی مانند زمانے پر راج کرتے رہے۔ دنیا کے بادشاہوں کے اقتدار کا سورج تو اُن کی زندگی کے چراغ گل ہو جانے کے بعد غروب ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین کو ایسا دوام بخش دیا کہ وہ زندہ تھے تو ہر شے اُن کی تابع فرماں تھی اور جب وہ عالمِ برزخ کی طرف چلے گئے تو پھر بھی مخلوقِ خدا اُن کی تابعداری اور پیروی کرنے کا دم بھرتی رہی۔

پاکستان کے معروف شہر لاہور کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جس میں دریائے راوی کے ایک کنارے پر خدا تعالیٰ کا ایک مقرب ومحبوب بندہ درس وتدریس کی ضیاء پاشیوں کے بعد

ابدی آرام فرما ہے، دنیا اُس ہستی کو ''داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ'' کے نام سے جانتی ہے۔ آپ اپنے مقاصدِ جلیلہ کی تکمیل کے لیے غزنی کے نواحی علاقہ ہجویر سے ہجرت کر کے لاہور میں قیام فرما ہوئے تھے جبکہ دریا کے دوسرے کنارے پر برصغیر کا بادشاہ، جہانگیر نامی کا مقبرہ بھی واقع ہے۔ اِن دونوں شخصیتوں کے مابین ایک بنیادی فرق دکھائی دیتا ہے کہ جہانگیر بادشاہ کا مقبرہ بہت عالیشان فن تعمیر کا نمونہ ہونے کے باوجود دیکھنے والوں کا منتظر رہتا ہے اور لوگ خال ہی اُس طرف کا رُخ کرتے ہیں جبکہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مزارِ اقدس سادگی اور فقیری کی ایک مثال ہے لیکن وہاں دن رات لوگوں کا ایک ہجوم موجود رہتا ہے۔

ہمارے ہاں آج بھی اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ اقتدار حاصل کیے بغیر معاشرے میں اسلامی قدروں کا فروغ ممکن نہیں، چنانچہ ان میں سے بعض کی کوششیں صرف اور صرف اقتدار کے حصول کے لیے ہی مختص ہو کر رہ گئی ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ معاشرتی، اخلاقی اور روحانی اقدار کے فروغ کے لیے بزرگانِ دین کے تشکیل کردہ ایک منظّم ''خانقاہی نظام'' کی ضرورت ہے جو بتدریج افرادِ معاشرہ کی طرزِ فکر میں تبدیلی کا سبب بن سکے اور ایسا روحانی نظام اقتدار کا محتاج ہرگز نہیں ہوتا بلکہ صاحبانِ اقتدار اُن کے در پر عاجزانہ حاضری دیتے ہیں۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ دنیا دار لوگ دنیا کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں اور دنیا ہاتھ نہیں آتی لیکن دنیا اللہ والوں کے پیچھے بھاگتی ہے اور وہ دنیا کے ہاتھ نہیں آتے۔ عقل آج بھی محوِ تماشا ہے کہ اِن اللہ والوں کے سینہ بے کینہ میں مخلوقِ خدا کا کتنا درد ہے؟ اِن کے دربار میں پہنچ کر غم کے مارے کس طرح اپنا غم بھول جاتے ہیں؟ بڑے بڑے ظالم اور گنہگار لوگ اُن کے حلقہ بگوش ہو کر، کس طرح سچے اور پکے مسلمان بن جاتے ہیں؟ لوگ کیوں ہمیشہ اُن کے گرویدہ اور عقیدت مند رہتے ہیں اور کیوں اُن کے نام پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں؟ درحقیقت اِس کی وجہ یہی ہے کہ وہ انسانیت کی بنیاد پر لوگوں کا درد اپنے سینوں میں پالتے ہیں، وہ دور رہ کر آوازے نہیں کستے بلکہ قریب جا جا کر دلداریاں کرتے ہیں، اُن کی تربیت کا اہتمام کر کے اُن کی اُخروی بقاء کے لیے

خلوص ومحبت کے ساتھ کوشش کرتے ہیں، اُن کی فلاح کے لیے بے حد کوشاں رہتے ہیں، بس دردمندی، محبت، پیار اور خلوص کی یہی وہ مقناطیسی کشش ہے جو لوگوں کو کشاں کشاں اُن کی بارگاہ میں لے آتی ہے۔ لہذا اُسی خانقاہی نظام کو دوبارہ رائج کرنے کی اشد ضرورت ہے اور اُس نظام کے ذریعے تدریس کو عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کا حصول ایک بار پھر ممکن بن جائے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حدیث میں علم سے مراد وہ علم ہے جس کا حصول مسلمان پر بروقت ضروری ہے۔ مثال کے طور پر جب کوئی شخص مسلمان ہوتا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو جاننا ضروری ہو گیا۔ اس کے لیے ان تمام اُمور کا علم ضروری ہو گیا جن کے بغیر ایمان درست نہیں ہوسکتا۔ نماز کا وقت آنے پر نماز کے احکام جاننا لازمی ہو گیا۔ ماہِ رمضان آنے پر روزے کے احکام کی معرفت ضروری ہو گئی۔ صاحب نصاب ہونے کی صورت میں احکامِ زکوٰۃ سیکھنا ضروری ہو گیا۔ اگر صاحب نصاب ہونے سے قبل احکام ومسائل زکوٰۃ سیکھے بغیر فوت ہو گیا تو گناہ گار نہ ہوگا۔ عورت (نکاح کی شکل میں) لایا تو حیض ونفاس اور شوہر وزن سے متعلقہ مسائل واحکام جاننا ضروری ہو گیا، وعلیٰ ھذا القیاس۔ (حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، اشعۃ اللمعات جلد اوّل 161)

حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخی اور عظیم کتاب ''**کشف المحجوب**'' کا آغاز ہی فضیلتِ علم سے کیا۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ باب اوّل اثباتِ علم کے بیان میں ہے اور طلبِ علم کے حوالے سے دو احادیث لائے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

١۔ طلب العلم فریضۃٌ علیٰ کلِ مسلم ومسلمۃ

یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

٢۔ اطلبوا العلم ولو کان بالصین

یعنی علم حاصل کرو خواہ چین جانا پڑے۔

اس کے بعد آپ علم کی فرضیت کے بارے میں لکھتے ہیں: ”اے عزیز! جان لے کہ علوم زیادہ ہیں اور عمر بہت کم ہے۔ تمام علوم کا حاصل کرنا لوگوں پر فرض نہیں جیسا کہ علم نجوم، علم طب، علم حساب، عمدہ قسم کی صنعت اور اسکی مثل اور علوم بلکہ اتنی مقدار حاصل کرنا ضروری ہے جو شریعت کے معاملات سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ علم نجوم کی اتنی مقدار جاننا ضروری ہے جس سے رات کا وقت معلوم ہو جائے، طب سے اتنی مقدار جس سے نظام ہضم کو درست رکھا جا سکے، علم حساب سے اتنی مقدار جس سے وراثت اور عدت کی مدت معلوم ہو سکے۔ پس اتنا علم فرض ہے جس سے بندہ اپنا عمل درست کر سکے۔ جو بے فائدہ علوم بندہ حاصل کرتا ہے یعنی اس کی ذات یا کسی دوسرے کو ان علوم سے کوئی فائدہ نہ پہنچتا ہو، تو ایسے علوم کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا: **ویتعلمون مالا یضرھم ولا ینفعھم** ترجمہ: اور وہ ایسا علم سیکھتے ہیں جو ان کو ضرر دیتا ہے اور نہ نفع دیتا ہے۔ (حضرت علی بن عثمان ہجویری: کشف المحجوب ص 20)

☆

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پیشواء حضرت سیّدنا امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ پر جب ضعف غالب ہوا تو آپ نے اپنے صاحبزادوں اور دوستوں کو جمع کیا اور یہ وصیتیں فرمائیں۔

”جب تک تم زندہ ہو، طلب علم سے ایک قدم دور نہ رہو کیونکہ طلب علم تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اول علم ایمان، دوم علم نماز، سوم علم روزہ۔ چہارم علم زکوٰۃ، پنجم علم حج۔ اگر استطاعت ہو ششم والدین کی خدمت کا علم۔ ہفتم صلہ رحمی اور رعایتِ ہمسایہ کا علم۔ ہشتم خرید و فروخت کا علم (اگر ضرورت ہو)، نہم حلال و حرام کا علم کیونکہ بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ بے علمی کے سبب سے تباہی کے بھنور میں گر پڑتے ہیں۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ”علم زندگی ہے اور جہالت سراسر موت ہے۔“

علم من اللہ، علم مع اللہ، علم باللہ (علم لدُنّی) کی فوقیت

علم لدُنّی سے مراد ایسا علم ہے جو محض فیضِ الٰہی اور القائے ربانی سے حاصل ہوا ہو اور اس میں اپنی محنت یا کسی استاد کی تعلیم کا دخل نہ ہو۔ فیضِ الٰہیہ کا وسیلہ کوئی صاحبِ نظر ولی اللہ یا بزرگ بھی بن سکتا ہے۔

علم لدُنّی کی اصطلاح قرآن مجید میں بھی مذکور ہے، جیسا کہ سورۃ کہف، آیت ۶۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْماً

ترجمہ: اور ہم نے اسے اپنا علم لدنی (الہام و معارف کا علم) سکھایا۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے علم الفقہ کے ساتھ ساتھ علم طریق الآخر کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ بلکہ علم طریق الآخر کو تمام علوم کی غرض و غایت قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے علم طریق الآخر کی دو اقسام بیان فرمائیں۔ ا۔ علم المکاشفہ، ۲۔ علم المعاملہ۔

ان میں سے قسم اوّل کے متعلق تحریر فرمایا:

و ھو عِلم الباطِنِ و ذالِك غایة العلومِ

یعنی علمِ مکاشفہ ہی علم باطن ہے اور یہی تمام علوم کی غرض و غایت ہے۔

پھر کچھ آگے آپ بیان فرماتے ہیں: ''جس کو علمِ باطن سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا، اس کے بُرے خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ اس علم کا کم سے کم حصہ یہ ہے کہ اس علم کی تصدیق کی جائے اور جو حضرات اس علم کے حامل ہیں ان کو سچا مانا جائے۔ فرماتے ہیں یہی علم صدیقین اور مقربین کا علم ہے۔''

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا:

ما فضل ابو بکر الناس بِکثرةِ صلوة و لا بِکثرةِ صِیامِ

یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دوسرے لوگوں پر جو فضیلت عنداللہ حاصل ہے وہ نمازوں کی کثرت اور روزوں کی کثرت کی وجہ سے حاصل نہیں۔

مزید ارشاد فرمایا: **وَلٰکِنْ بِشَیْءٍ وَقَرَ فِیْ صَدْرِہٖ** بلکہ اس عظیم چیز کی وجہ سے ہے جو آپ کے سینہ میں رکھی گئی ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وہی جوہر نفیس اور دُرِ مکنون (پوشیدہ موتی) ہے جس کو تلاش کر کے پانے کی تمنا تیرے وجود میں ہونی چاہیے۔ آگے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سانحہء وصال کے وقت ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم موجود تھے جن کی تعریف وقتاً فوقتاً خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے رہے۔ اگر ان تمام کے احوال پر غور کر کے دیکھیں تو وہ تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے (علماء باللہ) ملیں گے۔ زیادہ تر صحابہ ظاہری علم فن، علم الکلام یا علمِ دنیا سے غرض وغایت نہیں رکھتے تھے۔ چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے بھی تھے جو فتویٰ کا کام کیا کرتے تھے۔ لیکن اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے آزاد ہی رکھتے۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اگر کوئی سائل فتوی یا فیصلہ کے لئے حاضر ہوتا تو آپ اس کو فرماتے کہ فلاں امیر کے پاس چلے جاؤ، جس نے اپنی گردن میں ایسے اُمور کا بوجھ رکھا ہے۔ جس میں آپ کا اس طرف اشارہ ہوتا تھا کہ فیصلے اور فتاویٰ اور احکام کے اجراء جیسے کام سلطنت وحکومت کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا علمِ لدنی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات شریف سے پانچ روز قبل جمعرات کے دن نمازِ ظہر کے بعد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں خطبہ دیا اور فرمایا کہ اللہ نے ایک بندے کو دنیا اور ماعنداللہ (جو کچھ اللہ کے پاس ہے) میں اختیار عطا فرمایا تو اُس بندے نے ماعنداللہ کو اختیار کیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ ہمیں ان کے رونے پر حیرت ہوئی کہ اس بات میں افسوس کی کون سی بات ہے؟ مگر حقیقت بات یہ تھی کہ حضرت ابو

بکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ عالم تھے۔ وہ سمجھ گئے کہ بندے سے مراد خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں مجھ پر سب سے زیادہ جان و مال صَرف کرنے والوں میں ابو بکر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

امام فخر الدین رازی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" صحابہ کرام کو سنائی تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے اظہارِ مسرت کیا۔ مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ ان سے رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی پر دلالت کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرض منصبی برائے رسالت پورا ہو چکا تھا۔ اس سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کمال علمِ لدنی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں پائے جانے والے اس مخفی راز پر آپ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی صحابی واقف نہ ہوا۔ (تفسیر کبیر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا علمِ لدنی

عظیم راوی حدیث، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے واضح طور پر علم کی دو اقسام کے بارے میں بتایا۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے مذکورہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ وِعَائَ یْنِ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ وَ أَمَّا الآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُومُ قَالَ أَبُوعَبْدِاللّٰه الْبُلْعُومُ مَجْرِیْ الطَّعَامِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم کے دو برتن محفوظ کیے، ایک تو تم میں پھیلا دیا اور دوسرے کو اگر ظاہر کروں تو یہ بلعوم کاٹ ڈالی جائے۔ ابو عبداللہ کہتے ہیں کہ بلعوم کھانے کی رگ ہے۔

(صحیح بخاری، جلد اوّل، علم کا بیان، حدیث ۱۲۳)

اِس حدیث سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ واضح طور پر سمجھا رہے ہیں کہ

مجھے حضور نبی کریم ﷺ سے دو قسم کے علم ملے، ایک علمِ شریعت یا ظاہری علم جو میں نے تمہیں بتا دیا اور دوسرا علمِ اسرار و طریقت و حقیقت کہ اگر وہ ظاہر کروں تو عوام اُس علم کو نہ سمجھیں اور مجھے دین سے کچھ الگ سمجھ کر قتل کر دیں۔ اِسی طرح کہا جا سکتا ہے کہ ایک علم احکام دوسرے علم اخبار، جس میں ظاہر حاکموں اور بے دین سرداروں کے نام موجود ہیں اگر میں بتاؤں تو ان کی اولاد مجھے ہلاک کر دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کبھی کنایۃً یا اشارۃً کچھ کہہ دیتے تھے۔ چنانچہ دعا مانگا کرتے تھے کہ خدایا مجھے ۶۱ ھ کے فتنوں اور لونڈوں کی حکومت سے پناہ دے۔ چنانچہ ۶۰ ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور یزید پلید تخت نشین ہوا۔ اس دعا میں ان دو واقعات کی طرف اشارہ تھا، چنانچہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے ایک سال قبل ۵۹ ھ میں انتقال فرمایا۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ شرعی مسئلے بے دھڑک بیان کیے جائیں مگر تصوف کے اِسرار و رموز نا اہل لوگوں کو نہ بتائے جائیں۔ دوسرے یہ کہ غیر ضروری چیزیں جن کے اظہار سے فتنہ پھیلتا ہو ہرگز ظاہر نہ کی جائیں۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو علوم غیبیہ عطا فرمائے اور حضور ﷺ کے ذریعے صحابہ کرام کو بھی عطا فرمائے۔ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علم کا یہ کمال ہے تو پھر اندازا لگا لیجئے کہ حضرات خلفائے راشدین کے علوم تو ہماری سمجھ سے بالا ہیں۔

حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی علمی شان

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ علم کے دس حصوں میں سے نو حصے آج ختم ہو چکے۔ اس پر حاضرین نے عرض کیا، حضور! یہ آپ کیسے فرما رہے ہیں، جبکہ اب بھی حضور اکرم ﷺ کے جلیل القدر صحابہ کرام ہمارے درمیان موجود ہیں۔ جواباً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا، اس علم سے میرا مقصود علم الاحکام اور علم الفتاویٰ نہیں بلکہ ”علم باللہ“ کی طرف اشارہ تھا۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جس علم کا ذکر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا وہ فصاحتِ کلام اور مناظرہ کا علم ہے؟ آخر ایسی کیا وجہ ہے کہ تیرا شوق ان علوم کے حاصل کرنے کی خاطر زیادہ ہے؟ تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو ان علوم کے حاصل کرنے کا شوق نہیں رکھتا جس کے دس حصّوں میں سے نو حصے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال کے ساتھ ختم ہو گئے؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ کسی شخص نے قرآن مجید میں دو آیتوں کے درمیان تعارض کے بارے میں دریافت کیا تو آپ اس غیر ضروری بحث و مناظرہ سے اس قدر رنجیدہ ہوئے کہ سائل کو درّہ مارا اور دوسرے لوگوں کو اس قسم کے مناظروں سے منع فرمایا۔

حضرت آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی علم کی طاقت

قرآن مجید میں مافوق الفطرت اُمور کے حوالے سے علم کی ایک واضح مثال حضرت سلیمان علیہ السلام سے منسوب ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ظاہری علم کے علاوہ ایک دوسرا علم بھی حقیقتاً موجود ہے اور اس علم کے حامل بھی ہیں۔ واقعہ کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام ملکہ بلقیس کو اللہ کی قدرت اور اس کا عطا کردہ معجزہ دکھانا چاہتے تھے اور بلقیس کی عقل کی آزمائش بھی مقصود تھی۔ چنانچہ آپ نے خیال فرمایا کہ ملکہ بلقیس کا خاص تخت اُس کے آنے سے پہلے اپنے دربار میں منگوا لیں۔

ملکہ بلقیس کا تختِ شاہی ۸۰ گز لمبا اور ۴۰ گز چوڑا تھا، یہ سونے چاندی اور طرح طرح کے جواہرات اور موتیوں سے آراستہ تھا، جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے قاصد اور اس کے ہدایہ و تحائف کو ٹھکرا دیا اور اس کو یہ حکم نامہ بھیجا کہ وہ مسلمان ہو کر میرے دربار میں حاضر ہو جائے تو ساتھ ہی آپ نے اُس کا تخت منگوانے کے لیے اپنے دربار میں موجود درباریوں سے جیسے ارشاد فرمایا، قرآن مجید میں موجود ہے:

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَن يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ٥ قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن تَقُومَ مِن

مَّقَامِكَ وَإِنِّى عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ O (سورۃ النمل ۳۹،۳۸)

یعنی حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے فرمایا، اے درباریو! تم میں کون ہے کہ وہ اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے حضور مطیع ہو کر حاضر ہو، ایک بڑا خبیث جن بولا کہ میں وہ تخت آپ کے حضور میں حاضر کردوں گا، قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخاست کریں اور میں بیشک اس پر قوت والا، امانت دار ہوں۔

جن کا بیان سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس سے بھی جلد وہ تخت میرے دربار میں آجائے۔ یہ سن کر آپ کے وزیر حضرت آصف بن برخیا علیہ السلام جو اسم اعظم جانتے تھے اور ایک باکرامت ولی تھے۔ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

قَالَ الَّذِى عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرّاً عِندَهُ

یعنی اس نے عرض کی، جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپ کے حضور میں حاضر کردوں گا، ایک پل مارنے سے پہلے۔

چنانچہ حضرت آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ نے روحانی قوت سے بلقیس کے تخت کو ملک سباء سے بیت المقدس تک حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں کھینچ لیا اور وہ تخت زمین کے نیچے سے لمحہ بھر میں یکدم حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے قریب نمودار ہوگیا۔ تخت کو دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا:۔

قَالَ هَذَا مِن فَضْلِ رَبِّى لِيَبْلُوَنِى أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّى غَنِىٌّ كَرِيمٌ

یعنی یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ ہے سب

خوبیوں والا۔

حضرت آصف بن برخیاء کے بارے میں مختلف اقوال ہیں تاہم یہ بات تو قرآن مجید سے ثابت ہے کہ اُن کے پاس ''علم'' ہی تھا جس کے ذریعے وہ تخت چشمِ زدن میں وہاں لانے میں کامیاب ہوئے۔

ابن ابی حاتم نے ابن لبیعہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ حضرت خضر تھے۔ بعض نے کہا: جبرئیل علیہ السلام بصورت انسانی تھے۔ کسی نے کہا: کوئی اور فرشتہ تھا۔ اکثر مفسرین نے صراحت کی ہے کہ وہ آصف بن برخیاء ہی تھے جو صدیقیت کے مرتبہ پر فائز تھے۔ اللہ کا اسم اعظم ان کو معلوم تھا، جب اسم اعظم لے کر اللہ سے دعا کرتے تھے تو اللہ ان کی دعا قبول فرمالیتا تھا اور ان کا سوال پورا کر دیتا تھا۔ جریر اور مقاتل نے بوساطت ضحاک، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف اس بیان کی نسبت کی ہے کہ آصف بن برخیاء نے نماز کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا: جہاں تک آپ کی نظر پہنچے اپنی آنکھیں اٹھا کر دیکھئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے نظر اٹھا کر یمن کی طرف دیکھا اور آصف بن برخیاء نے دعا کی تو فوراً اللہ نے فرشتوں کو بھیج دیا۔ فرشتوں نے تخت اٹھا لیا اور زمین کو اندر ہی اندر چیرتے ہوئے تخت لا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا۔ کلبی نے کہا: آصف نے سجدہ میں گر کر اللہ کا اسم اعظم پڑھ کر دعا کی تو فوراً بلقیس کا تخت زمین کے اندر ہی اندر چل پڑا، یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے پاس برآمد ہو گیا۔ بعض اہل روایت کا کہنا ہے: یہ مسافت دو مہینے کی راہ کے برابر تھی۔ آصف نے کیا دعا مانگی تھی، علماء کا اس کے تعین میں اختلاف ہے۔ مجاہد نے کہا: **یا ذا الجلالِ والاِکرام** کہا تھا یعنی یہ اسم اعظم ہے۔ کلبی نے کہا: **یاحی یا قیوم** کہا تھا اور یہی اسم اعظم ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی قول ہے۔ سورۃ نمل کی آیت کے متعلق محمد بن مکندر نے کہا: **الذی عِندہ عِلم مِن الکتابِ** سے خود حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات مراد ہے۔ اللہ نے آپ کو علم وفہم عطا فرمایا تھا، اس جگہ **عِندہ عِلم مِن الکِتاب** کہنا علم کی عظمت اور اس امر پر دلالت کر رہا ہے

کہ سلیمان علیہ السلام کو جو عزت و کرامت حاصل ہوئی تھی وہ علم ہی کے سبب تھی۔ اور آئندہ آیت میں خطاب **انا اتیك به قبل ان یرتد الیك طرفك** یعنی میں تیرے پلک جھپکنے سے پہلے اسکو تیرے پاس لے آؤ گا تو یہ خطاب عفریت کو ہے اور اظہارِ معجزہ کی غرض سے ہے۔ عفریت نے تخت لانے کا جو وعدہ کیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مدت کو طویل سمجھا اور ایسے معجزہ کا اظہار کرنا چاہا جس سے بڑے بڑے دیو بھی عاجز تھے، دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

آصف بن برخیاء کے تخت لانے کی کرامت کے متعلق حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ایک واقعہ صوفی ابراہیم قصوری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''خزینۂ معرفت'' میں درج کیا ہے کہ ایک مرتبہ صوفی ابراہیم قصوری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ فقیر کا خیال ہے کہ آصف بن برخیاء نے علم نفی اثبات کے ذریعے تخت کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر کیا تھا اور طریقہ یہ تھا کہ ملکِ سباء میں جہاں تخت پڑا تھا، اُس مقام کو تصور میں لا کر وہاں اُس جگہ پر اُس کی نفی کر دی اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار کو تصور میں لا کر وہاں اُس کے لیے اثبات کر دیا تو علم نفی اثبات کے ماتحت تخت فی الفور وہاں سے غائب ہو گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ظاہر ہو گیا۔ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات سن کر خوشی کا اظہار فرمایا اور اِس بات کی تصدیق فرمائی۔ (کتاب خزینۂ معرفت)

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور علم لدنی

علم شریعت کے ساتھ ساتھ علمِ طریقت یا علمِ لدنی کی شان و عظمت بھی اتنی زیادہ ہے کہ اہل اللہ اور صاحبانِ فکر و نظر اِسے ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک تحقیق کے مطابق حضرت بہلول دانا رضی اللہ عنہ، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بھی شیخ تھے۔ امام اعظم جیسا جلیل القدر تابعی بھی ایک مجذوب کے فیض کا محتاج تھا جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر ایمان، ثریا ستارے کے قریب بھی ہوگا تو اہل فارس میں سے ایک شخص اس میں سے (بھی) اپنا

حصہ حاصل کرلے گا۔(صحیح بخاری، صحیح مسلم، طبرانی) مفسر قرآن، شیخ جلال الدین سیوطی شافعی مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب بابت مناقب الامام ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ میں فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام ابوحنیفہ شیخ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بارے میں اِس حدیث میں بشارت دی ہے۔

اِس طرح تاریخ کی تمام کتب میں درج ہے کہ جناب ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ دو سال تک حضرت امام جعفر صادق السلام علیہ سے علمِ باطنی حاصل کرنے کے لیے پڑھتے رہے۔ جناب ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ایک قول بہت مشہور ہے اور یہ قول بیشتر کتابوں میں موجود ہے کہ ملت حنفیہ کے سربراہ جناب ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں نے دو سال امام جعفر صادق السلام علیہ کی شاگردی میں نہ گزارے ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ اِسی کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کچھ یوں لکھا ہے کہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ حضرت امام صادق السلام علیہ کی صحبت و خدمت کا افتخار کرتے رہے۔(بحوالہ تحفہ اثناء عشریہ،ص 68،طبع ہند)

علمِ لدنی کی شان اور مقام منفرد ہے، بے شمار جگہوں پر علم ظاہری بے بس اور محتاجِ محض ہو جاتا ہے جبکہ علمِ لدنی ہی کام آتا ہے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ؎ خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ نہیں ......

ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق السلام علیہ نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ دانش مند کی تعریف کیا ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ جو بھلائی اور برائی میں امتیاز کر سکے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ امتیاز تو جانور بھی کر لیتے ہیں، کیونکہ جو اُنکی خدمت کرتا ہے اس کو ایذا نہیں پہنچاتے اور جو تکلیف دیتا ہے اس کو کاٹ کھاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ پھر آپ کے نزدیک دانشمندی کی کیا علامت ہے؟ جواب دیا کہ جو دو بھلائیوں میں سے بہتر بھلائی کو اختیار کرے اور دو برائیوں میں سے مصلحتاً کم برائی پر عمل کرے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت امام جعفر صادق السلام علیہ کی خدمتِ

اقدس میں کچھ وقت گذار لیا تو پھر آپ کی علمی شان کا مرتبہ و مقام بہت بلند و اعلیٰ ہو گیا۔ آپ نے بے شمار ایسے مسائل حل فرمائے کہ جن کے حل کے متعلق دیگر فقہاء و آئمہ بالکل عاجز آ گئے تھے۔ حسبِ ذیل چند درج کیے گئے ہیں۔

☆

ایک شخص کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوا اور قسم کھا کر کہا کہ جب تک تو مجھ سے نہیں بولے گی، میں تجھ سے کبھی نہ بولوں گا۔ عورت تند مزاج تھی اس نے بھی قسم کھا لی اور وہی الفاظ دہرائے جو شوہر نے کہے تھے۔ اس وقت غصہ میں کچھ نہ سوجھا مگر پھر خیال آیا تو دونوں کو نہایت افسوس ہوا۔ شوہر مایوس ہو کر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ خدا کے لیے آپ کوئی تدبیر بتائیے۔ امام صاحب نے فرمایا: ''جاؤ شوق سے باتیں کرو کسی پر کفارہ نہیں ہے۔'' حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا آپ لوگوں کو غلط مسئلے بتا دیا کرتے ہیں۔ امام صاحب رضی اللہ عنہ نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا: جب عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے قسم کے الفاظ کہے تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتدا ہو چکی، پھر قسم کہاں باقی رہی؟ سفیان ثوری نے کہا: ''حقیقت میں آپ کو جو بات وقت پر سوجھ جاتی ہے ہم لوگوں کا وہاں تک خیال بھی نہیں پہنچتا۔'' اس واقعہ کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے۔

☆

وکیع بن جراح فرماتے ہیں کہ حفاظ حدیث میں سے ایک آدمی میرا ہمسایہ تھا۔ وہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا کرتا تھا۔ ایک دن میاں بیوی میں تکرار ہو گئی۔ میاں نے کہا آج کی رات اگر مجھ سے طلاق مانگے اور میں طلاق نہ دوں تو تجھے طلاق۔ اور بیوی نے کہا اگر میں تجھ سے طلاق کا سوال نہ کروں تو میرے غلام آزاد۔ بات ختم ہو گئی۔ انجام سامنے آیا تو بہت پریشان ہوئے۔ پھر سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے، ابن ابی لیلیٰ کے پاس گئے، مسئلہ حل نہیں ہوا۔

چنانچہ مجبوراً امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام صاحب نے بیوی سے فرمایا، طلاق کا سوال کرو۔ چنانچہ اس نے سوال کرلیا، اب میاں سے فرمایا، تم کہو "تمہیں طلاق ہے، اگر تم چاہو" پھر بیوی سے فرمایا، اب تم کہو "میں نہیں چاہتی"۔ اس نے کہہ دیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لو تم دونوں کی قسم پوری ہوگئی، کوئی بھی حانث نہیں ہوا، کسی کی قسم نہیں ٹوٹی۔ پھر محدث بزرگوار سے فرمایا کہ جس نے تمہیں علم سکھایا اس کی برائی کرنے سے توبہ کرلو انہوں نے توبہ کی۔ اس کے بعد وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے ہر نماز کے بعد دعا کرتے رہے۔

☆

فقیہہ ابوجعفر ہندووانی سے نقل کیا گیا ہے کہ امام اعمش نہ امام ابوحنیفہ کی طرف جھکتے تھے نہ ان سے اچھا معاملہ کرتے تھے شاید ان کے اخلاق میں کچھ کمی تھی۔ اتفاق سے اپنی بیوی کو مشروط طلاق دے دی۔ وہ اس طرح کہ اگر بیوی آٹا ختم ہونے کی خبر اعمش کو دے، یا لکھ کر دے، یا کسی سے کہلوائے، یا اشارہ کرے تو اس کو طلاق۔ بیوی حیران ہوگئی۔ لوگوں نے مشورہ دیا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ آپ کے پاس چلی گئی اور واقعہ بیان کیا۔ امام صاحب نے فرمایا مسئلہ آسان ہے۔ آٹے کی تھیلی رات کو ان کے ازار میں یا جس کپڑے میں ممکن ہو باندھ دو، جب صبح یا رات کو اٹھیں گے تو ان کو آٹے کی تھیلی کا خالی ہونا خود معلوم ہوجائے گا اور سمجھ جائیں گے کہ آٹا ختم ہوگیا ہے، بیوی نے ایسا ہی کیا۔ جب اعمش اٹھے تو رات کی تاریکی تھی یا کچھ کچھ روشنی ہورہی تھی، جب اپنا ازار لیا تو آٹے کی تھیلی کی آواز محسوس ہوئی، اسے ہاتھ سے چھو کر دیکھا، جب ازار کھینچا تو وہ بھی ساتھ کھینچی آگئی اس طرح ان کو آٹے کا ختم ہونا معلوم ہوگیا۔ اُنہوں نے دیکھا تو کہنے لگے، واللہ! یہ ابوحنیفہ کی تدبیر ہے۔ ہم ان سے کیسے آگے بڑھ سکتے ہیں وہ تو ہماری عورتوں میں بھی ہم کو رسوا کرتے ہیں اور عورتوں کو ہماری عاجزی اور کم فہمی بتلا دیتے ہیں۔

☆

امام ابویوسف اور ان کی بیوی میں تُو تُو، میں میں ہوگئی۔ وہ ان سے روٹھ گئیں۔ امام

ابو یوسف نے کہا، اگر آج رات تم مجھ سے نہیں بولو گی تو تمہیں طلاق۔ مگر وہ اسی طرح روٹھی رہی۔ انہوں نے ہزار کوشش کی مگر وہ نہ بولی۔ امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ اٹھے اور رات ہی کو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سب حالات سنائے۔ امام صاحب نے نیا جوڑا پہنایا، خوشبو لگائی اور عمدہ چادر اوڑھائی اور فرمایا اب اپنے گھر جاؤ اور یہ ظاہر کرو کہ تمہیں اُس سے گفتگو کی ضرورت نہیں۔ وہ گئے اور اپنے آپ کو بے نیاز ظاہر کیا۔ جب عورت نے ان کی یہ حالت دیکھی تو غصہ سے بھر گئی۔ کہنے لگی، لگتا ہے تم کسی فاجرہ کے گھر میں تھے۔ یہ سنتے ہی حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ خوش ہو گئے۔

☆

ایک شخص امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ ''آپ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو جنت کی آرزو نہیں کرتا، جہنم سے نہیں ڈرتا، اللہ تعالیٰ سے خوف نہیں کرتا، مردہ کھاتا ہے، بلا رکوع سجدہ کی نماز پڑھتا ہے، اس چیز کی شہادت دیتا ہے جسے دیکھتا نہیں، فتنہ کو پسند کرتا ہے، رحمتِ خداوندی سے بھاگتا ہے اور یہود و نصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے؟''۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ جس نے سوال کیا ہے وہ اُن سے بہت بغض رکھتا ہے۔ فرمانے لگے جو تم نے سوال کیا ہے اس کو تم خود جانتے ہو؟ اس نے جواب دیا، نہیں، لیکن یہ باتیں بہت بُری ہیں، اس لئے آپ سے سوال کیا۔ امام صاحب مسکرائے اور فرمایا، اگر میں ثابت کردوں کہ وہ آدمی اولیا اللہ میں سے ہے تو کیا تم مجھے برا بھلا کہنا بند کردو گے؟ اور کراماً کاتبین کو وہ چیز لکھنے پر مجبور نہیں کرو گے جو تمہیں نقصان دیں؟ اس آدمی نے کہا، جی ہاں۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا: ''تمہارا یہ کہنا کہ جنت کی آرزو نہیں کرتا اور جہنم سے نہیں ڈرتا، تو یہ آدمی جنت کے مالک کی آرزو رکھتا ہے اور جہنم کے مالک سے ڈرتا ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ وہ شخص اللہ سے نہیں ڈرتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے اس بات میں نہیں ڈرتا کہ اللہ اپنے عدل اور فیصلہ میں کسی پر ذرا بھی ظلم کریں گے۔ تمہارا یہ کہنا کہ وہ مردار کھاتا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ آدمی مچھلی کھاتا ہے۔ تمہارا

یہ کہنا کہ بلا رکوع اور سجدے کی نماز پڑھتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ نمازِ جنازہ پڑھتا ہے۔ تمہارا کہنا کہ بے دیکھی چیز کی شہادت دیتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی گواہی دیتا ہے۔ تمہارا کہنا کہ فتنہ کو پسند کرتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ مال و اولاد کو پسند کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مال و اولاد کو فتنہ کہا ہے۔ **انما اموالکم واولادکم فتنہ** تمہارا یہ کہنا کہ رحمت سے بھاگتا ہے، مطلب یہ ہے کہ بارش سے بھاگتا ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ یہو ونصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ آدمی یہود و نصاری کے قول "**قالت الیھود لیست النصاری علی شیءٍ وقالت النصاری لیست الیھود علی شیءٍ**" میں انکی تصدیق کرتا ہے۔ امام صاحب کے برجستہ جوابات سن کر وہ آدمی کھڑا ہو گیا اور امام صاحب کی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا کہ آپ نے حق فرمایا، میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا علمِ لدنی

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ روایت معتبر کتب میں مذکور ہے کہ آپ حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایسے مؤدب انداز میں بیٹھتے تھے جیسے ایک کم سِن لڑکا مدرسہ میں اپنے استاد کے سامنے بیٹھتا ہے۔ حضرت شیبان رحمۃ اللہ علیہ جنگل میں جانور چراتے تھے۔ اس کے باوجود حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خدمت میں تمام علوم بھلا کر ہی حاضر ہوتے تھے اور آپ سے دینی مسائل دریافت کرتے تھے۔

☆

بعض لوگ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کہتے تھے کہ حضور آپ جیسا بے بدل عالم اور محدث ایک بدوی سے علم حاصل کرتا ہے؟ تو آپ جواباً ارشاد فرماتے تھے کہ حضرت شیبان رحمۃ اللہ علیہ نے وہ علم (علم طریق الآخر) حاصل کر رکھا ہے جس سے ہم بے علم و بے خبر ہیں۔

علم ظاہری سے استغنیٰ اور علم باطنی کا حصول

"فوائد الفواد" کتاب میں اکتیسویں مجلس کے تحت حضرت خواجہ حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ

نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ مشائخ طریقت میں سے ایک ولی کے بیٹے ''محمد'' نامی تحصیل علم کے لیے نکلے۔ حصول علم میں بڑی محنت کی اور بہت قابلیت بہم پہنچائی۔ بعدازاں حلقہءطریقت میں داخل ہونے کے لیے اپنے باپ سے رجوع کیا اور کہنے لگے کہ میں درویش بننا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے فرمایا: پہلے ایک چلہ کھینچو، اِنہوں نے چلہ پورا کیا اور پھر حاضرِ خدمت ہوگئے۔ باپ نے چند مسائل پوچھے جو صاحبزادے نے پڑھے تھے، اِنہوں نے سب کا جواب دیدیا، شیخِ طریقت فرمانے لگے: ''تمہیں اِس چلے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا، ایک اور چلہ کھینچو''۔ چنانچہ چلہ کھینچا اور واپس حاضر ہوئے، اُنہوں نے پھر وہی مسائل دریافت کیے۔ اب یہ جواب دینے میں کہیں کہیں اٹکے، باپ نے پھر چلہ کھینچنے کا حکم دیا اور اِس مرتبہ جب واپس لوٹے تو باپ نے پھر وہی مسائل پوچھے، لیکن بیٹا چونکہ مشغول بہ حق ہوچکا تھا اِس لیے کسی مسئلے کا جواب نہ دے سکا تو شیخ طریقت نے اُسی وقت حلقہء ارادت میں داخل کرلیا ـــــ

ایں آں علم است کہ تو نمی دانی

ایک دن حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ندی کے کنارے کتابوں کے ڈھیر میں بیٹھے مطالعہ فرمارہے تھے کہ اچانک حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اُدھر آ نکلے۔ آپ نے جب مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو یوں منہمک ہوکر (علمِ ظاہری کا) مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا تو نزدیک تشریف لے گئے اور پوچھا کہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے نظر اُٹھا کر سوال پوچھنے والے درویش کی طرف دیکھا تو زیادہ کچھ کہنے کی بجائے صرف اتنا جواب دے دیا کہ ''ایں آں علم است کہ تو نمی دانی''اور پھر مطالعہ میں غرق ہوگئے۔ حضرت شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ٹھوکر مار کر تمام کتابیں ندی میں پھینک دیں۔ یہ دیکھ کر حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ چلا اٹھے اور پکار کر کہنے لگے ''اے درویش! تو نے میری متاعِ حیات کو پانی میں پھینک دیا ہے'' اس پر حضرت شمس تبریز مسکرائے اور ندی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو مچھلیاں کتابیں اٹھا کر سطح پر آ گئیں، آپ نے ایک کتاب ہاتھ بڑھا

کر پکڑی اور مولانا روم کو تھما کر فرمایا، دیکھ لو! یہ گیلی نہیں ہوئی۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ششدر رہ گئے اور پوچھا کہ یہ جو آپ نے کمال کیا ہے، کس علم سے حاصل کیا ہے؟ حضرت شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا، ''ایں آں علم است کہ تو نمی دانی'' اور وہاں سے تشریف لے گئے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اپنی متاع حیات وہیں بھول کر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے چل دیے اور پھر مولوی سے مولانا روم بن گئے۔ اور پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم   تا غلامِ شمس تبریزے نہ شد

یعنی مولوی اُس وقت تک مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نہیں بن سکتا تھا جب تک کہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا غلام نہ بنا۔

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا علمِ لدنی

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے عراق جا کر درس حدیث میں شرکت کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے پوچھا کہ کیا یہاں کوئی درس حدیث دینے والا موجود نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہاں تو کوئی مشہور محدث نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ایک تو میں ہی موجود ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اُمی ہونے کے باوجود اپنے فضل و کرم سے مجھے تمام علوم پر آگاہی عطا فرمائی ہے اور حدیث تو میں نے خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑھی ہے لیکن آپ کے اس قول کا اس شخص کو یقین نہیں آیا۔ چنانچہ رات کو خواب میں اُس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جواں مرد سچی بات کرتے ہیں۔ اس خواب کے بعد اگلی صبح سے اس نے آپ کی خدمت میں پہنچ کر حدیث کا درس لینا شروع کر دیا اور آپ درس دیتے ہوئے بعض اوقات یہ بھی فرما دیا کرتے کہ یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہیں ہے۔ اس شخص نے جب پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوتا ہے تو فرمایا کہ جب تم حدیث پڑھتے ہو تو میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاہدے میں مشغول رہتا ہوں اور جو صحیح حدیث ہوتی ہے اس کو پڑھتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی پر مسرت کی جھلک ہوتی ہے لیکن جو حدیثِ پاک صحیح نہیں ہوتی اس

پر آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پر شکن آ جاتی ہے، جس سے مجھے اندازہ ہو جاتا ہے کہ صحیح حدیث کون سی ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی تربیت

ایک روز حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا شروع کی، اسی وقت حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی روح مبارک آپ کے سامنے ظاہر ہوئی اور فرمایا؛ یا شیخ، میرے پیروکاروں میں چھوٹے بڑے ہزاروں اولیاء کرام داخل ہیں اور تمام نے بالاتفاق امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا چھوڑا ہے۔ لہذا اس کا ترک کرنا ہی مناسب ہے۔ چنانچہ اس کے بعد سے آپ نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا ترک کر دی۔

☆

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں درج ہے کہ ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر امام صاحب کے پاس آئے کہ قراءت خلف الامام کے مسئلہ میں امام صاحب سے گفتگو کریں۔ امام صاحب نے کہا ''اتنے آدمیوں میں سے کسی کا انتخاب کر لیں جو سب کی جانب سے اس خدمت کا کفیل ہو اور اس کی تقریر پورے مجمع کی تقریر سمجھی جائے۔'' لوگوں نے منظور کیا۔ امام صاحب نے کہا: آپ لوگوں نے جب یہ تسلیم کر لیا تو بحث کا خاتمہ ہو گیا کیوں کہ جس طرح آپ لوگوں نے ایک شخص کو سب کی طرف سے بحث کا مختار کر دیا، اسی طرح امام بھی تمام مقتدیوں کی طرف سے قراءت کا کفیل ہے اور حدیثِ صحیح میں بھی آیا ہے ''جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت بھی اس کی قراءت ہے۔'' لوگ بالکل خاموش ہو گئے۔

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا علم لدنی

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہری طور پر سرہند شریف کے بعض نامور علماء سے بھی علوم حاصل کیے۔ حضرت کی خداداد ذہانت اور محققانہ قابلیت کا یہ عالم تھا کہ لڑکپن میں ضخیم علمی کتب پر حواشی تحریر فرماتے، اس استعداد کے باوجود حضرت کا علمی ذوق ابھی تشنہ تھا۔ چنانچہ

''بحر العلوم'' کی تلاش میں سرہند شریف سے باہر نکلے۔ لاہور، سیالکوٹ، دہلی وغیرہ مقامات کی سیر کی اور مشہور علماء سے بھی استفادہ کیا، ایک مرتبہ آگرہ تشریف لے گئے وہاں عہدِ اکبری کے مشہور علماء ابوالفضل اور فیضی سے ملاقات کی اور بعض مسائل پر تبادلۂ خیال کیا۔ ان لوگوں نے بھی حضرت کے تبحر علمی کا اعتراف کیا اور عزت سے پیش آئے، ایک روز فیضی سے ملے تو وہ تفسیر فیضی (بے نقطہ) لکھ رہے تھے۔ حضرت یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اسی اثناء میں ایک مقام آیا جس کی تفسیر بے نقطہ دشوار تھی۔ فیضی نے حضرت سے رجوع کیا۔ گو حضرت کو بے نقطہ عبارت لکھنے کی مشق نہ تھی تاہم گھنٹہ بھر میں ایک صفحہ اس خوبی سے قلمبند فرمایا کہ فیضی بھی حیران رہ گئے۔ چونکہ آپ نے بظاہر بے نقطہ عبارت لکھنے میں کوئی مہارت حاصل نہ کر رکھی تھی مگر یہ معاملہ آپکے علمِ لدنی کی ایک واضح مثال تھا کہ جس کے ماتحت آپ نے بے نقطہ تفسیر فوری طور پر لکھ ڈالی۔

حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کا علم لدنی

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کو دینی علوم کے حصول کا بے حد زیادہ شوق تھا۔ چنانچہ دہلی اور سہارنپور کے دینی مدارس سے اس شوق کی تکمیل فرمائی۔ شرقپور شریف میں قیام فرما حضرت قبلہ عالم میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی زمانے میں دھوم مچی ہوئی تھی۔ حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ اُن کی خدمتِ بابرکت میں پہنچ گئے۔ اُنہوں نے دیکھ کر فوراً ارشاد فرمایا ''شاہ جی آ گئے ہو؟'' عرض کیا ''جی۔'' فرمایا ''کچھ پڑھے لکھے بھی ہو۔'' بولے ہاں کچھ ہوں تو سہی مگر سُر (سمجھ) نہیں ہے۔'' حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''اللہ سمجھ بھی دے دیں گے۔'' پھر کمالِ مہربانی سے آپ کے سامنے چاول (پلاؤ) کی طشتری رکھوائی۔ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں وہ چاول کھا رہا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ طریقت کے تمام رموز و نکات مجھ پر کھلتے جا رہے ہیں۔

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے علم کی دو اقسام کے بارے میں فرمایا:

(۱) جس کا تعلق دل سے ہو اور (۲) جس کا تعلق زبان سے ہو۔ علم قلب ہی مفید علم ہے۔ یہی انبیاء

کرام اور رُسل عظام علیہم السلام کا علم ہے اور علم زبان، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولادِ آدم پر حجت و برہان ہے۔

☆

آپ کی علمی شان ہمہ جہت بلند مرتبہ و مقام پر فائز تھی۔ آپ کی خدمتِ اقدس میں اگر کوئی طب کا ماہر آتا تو اس سے طبی نکات پر ایسی بات چیت فرماتے کہ وہ آپکی طبی معلومات پر حیران رہ جاتا اور اگر کوئی دیگر علوم کا ماہر حاضر ہوتا تو وہ بھی حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی تبحر علمی کے سامنے بے بس نظر آتا۔ تعویذ، گنڈا وغیرہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول نہیں تھا، لیکن اس فن کا کوئی ماہر حاضر ہوتا تو اس علم پر بھی ایسی جچی تلی بات چیت فرماتے کہ وہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ہیچ نظر آتا۔ تعمیرات کے ماہر بھی آپ کی معلومات پر تعجب کرتے۔ زرعی کاموں کے سمجھنے والے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی باتوں پر عش عش کئے بغیر نہ رہتے۔ مذہب کے کسی نکتے پر بات چیت تو جیسے بے حد آسان سی بات تھی۔ بڑے سے بڑے اُلجھے ہوئے دقیق مذہبی مسائل پر اس عمدگی سے روشنی ڈالتے کہ سننے والے دنگ رہ جاتے۔

اِس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بحث و مباحثہ کے عادی تھے یا ان کی صحبت میں مناظرے ہوتے تھے بلکہ اکثر اختلافی مسائل پر آپ خاموش رہنا ہی پسند فرماتے۔ ارشاد ہوتا کہ تمام مخالفین اور موافقین کے پاس مختلف مسائل پر کتابیں موجود ہیں، اس لئے بحث سے کچھ حاصل نہیں البتہ اختلاف پسند لوگوں کے سامنے اگر کچھ کر کے دکھایا جائے تب یہ قائل ہوسکتے ہیں۔ ناچیز (یعنی صاحبِ مضمون ''میری سرکار'' مولوی محمد امین شرقپوری) کی موجودگی میں ایک مرتبہ ایک صاحب علم غیب پر بات کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ اس موضوع پر وہ بہت دیر تک اپنی کہتے رہے اور حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ چپ چاپ سنتے رہے اور بہت سے لوگ بھی موجود تھے۔ اسی اثناء میں ایک ادھیڑ عمر کا آدمی آیا اور حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھ گیا۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا ''بھئی تمہارے کتنے بیٹے ہیں؟'' اس

نے عرض کیا ''تین'' فرمایا ''بھئی! سچ سچ بتاؤ۔ وہ پھر بولا ''تین''۔ ارشاد ہوا'' کچھ حرج نہیں سچ سچ بتلا دو۔'' اس نے کہا ''ہیں تو چار لیکن میرا ایک بیٹا نافرمان ہے، اِس لیے اُسکا نام نہیں لیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''میرا سوال یہ نہیں ہے کہ فرماں بردار کون ہے اور نافرمان کون! میں نے تو تمہارے بیٹوں کی تعداد پوچھی ہے۔ جاؤ، اللہ تعالیٰ تیرے اس بیٹے کو بھی نیک بنا دے گا۔'' اس گفتگو کو سن کر علم غیب پر بات چیت کرنے والے صاحب کچھ ایسے خاموش ہوئے کہ پھر کچھ نہیں بول پائے۔

☆

ایک مرتبہ گنج کرم، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کسی اجتماع میں تشریف فرما تھے کہ ایک صاحب نے کہا کہ ''آپ لوگ (یعنی نقشبندی حضرات) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقام اللہ تعالیٰ سے بھی بڑھا دیتے ہیں۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنا اور خاموش رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد مذکورہ آدمی نے جانے کی اجازت چاہی اور دریافت کیا کہ ''میں رات کو سوتے وقت کیا پڑھا کروں؟ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''عشاء کی نماز کے بعد درود شریف پڑھا کیجئے۔'' کچھ دنوں کے بعد وہ صاحب پھر تشریف لائے اور بولے کہ واقعی آپ حضرات نقشبندی بزرگ یہ ٹھیک کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقام اللہ تعالیٰ سے بلند ہے۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہلکا سا تبسم فرمایا اور بولے کہ مولوی صاحب! یہ بات نہیں، درود شریف پڑھنے والے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت جلد مہربان ہوتے ہیں اور پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بے حد ارفع و اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کیونکہ جو کچھ درود شریف پڑھنے والا دیکھتا ہے، بات تو اس سے بھی بہت آگے ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سال ہا سال صرف ہو جاتے ہیں اور لاکھوں میں شاید ہی کسی کو رب تعالیٰ کا دیدار میسر ہوتا ہو۔ بہر حال بات صرف اتنی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا اپنا مرتبہ و مقام ہے کہ وہ معبود ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنا مرتبہ و مقام ہے کہ آپ محبوبِ رب العالمین ہیں۔ یعنی اللہ، اللہ ہے

اور حضور، حضور ہیں۔ صلی اللہ علیٰ حبیبہٖ محمدٍ وآلہٖ وسلم۔

☆

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیمار اور مصیبت زدہ لوگ بڑی تعداد میں حاضر ہوتے تھے کہ بعض دفعہ کوئی آنے والا یہ بھی سمجھتا کہ ''حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ محض طبیب ہیں۔ ایک مرتبہ ایک پڑھے لکھے صاحب نے اپنی بیوی کی بیماری کا ذکر کیا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے مناسب دوا تجویز فرمائی اور وہ صاحب اٹھ کر چلے گئے۔ میرے (یعنی صاحبِ مضمون ''میری سرکار'' مولوی محمد امین شرقپوری) برابر میں ایک اور صاحب بیٹھے تھے جن کو میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ ان کا نام نہیں جانتا۔ انہوں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ تو صرف طبیب ہیں جو بیماروں کو دوا وغیرہ بتلاتے ہیں۔ ادھر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ جو کشف میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، اُسی وقت خیال کرنے والے کی سوچ سے اپنے نورِ باطن کے ذریعے آگاہ ہوئے تو ایک خادم سے کہا کہ ''وہ جو بابو جی ابھی گئے ہیں انہیں واپس بلا لو۔'' چنانچہ خادم انہیں واپس بلا لایا تو حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔'' تم کچھ علاج نہ کرنا، اللہ تعالیٰ فضل کر دے گا۔'' وہ صاحب دوبارہ سلام کر کے چلے گئے تو میرے برابر میں بیٹھے صاحب نہایت آہستہ آواز میں کہنے لگے: ''یہ فتور میرے ہی دل میں اٹھا تھا۔'' حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بیماروں اور حاجت مندوں سے عموماً یہی ارشاد فرماتے تھے۔ اللہ فضل کرے گا (یا خیر کرے گا) اس ارشاد میں نہ جانے کیا مقناطیسی طاقت مضمر تھی کہ اسی وقت ایسا محسوس ہوتا گویا کام بن گیا ہے۔

☆

شیخ القرآن، مولانا غلام علی اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ بانی و مہتمم دارالعلوم اشرف المدارس اوکاڑا نے بیان فرمایا کہ ایک دن بعض علماء کی ایک جماعت کے ہمراہ وہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حصول برکات کے لیے حاضر ہوئے۔ دوران گفتگو حضرت قبلہ

رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: مولوی صاحب! بعض کم فہم لوگ جن کو اپنے علم پر فخر ہوتا ہے، حضور مخبر صادق، محبوبِ رب العالمین، سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کو تولنے اور ماپنے لگ جاتے ہیں۔ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادنیٰ خادم ہوں۔ قیامت کا علم ہونے کا میں دعویٰ نہیں کرتا، اس کے علاوہ مولا کریم نے مجھ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھی۔

☆

واعظ شیریں بیان مولانا محمد سعید احمد نقشبندی خطیب مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ 1960ء میں ایک شرعی مسئلہ سمجھنے اور شرفِ زیارت حاصل کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوا۔ سردی کا موسم تھا آپ اس وقت اپنی حویلی کی چار دیواری کے اندر شمال مغربی کونے میں بستر پر تشریف فرما تھے۔ ناچیز قریب پہنچا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ازراہِ عنایت ومہربانی اپنے قدم مبارک کے پاس زمین پر بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔ بندہ جب اس قدر قریب ہو کر بیٹھ گیا تو آپ نے اپنے پاس رکھی ہوئی ایک کتاب ہاتھ میں لے کر فرمایا، مولوی صاحب اس کتاب کے فلاں صفحہ کی عبارت پڑھیں۔ میں نے کتاب کھولی، فارسی زبان کی کتاب تھی، جب میں نے اس صفحہ پر تحریر شدہ عبارت پڑھی تو میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کیونکہ اس مقام پر اسی مسئلہ کی وضاحت درج تھی جو میں سمجھنے کے لیے حاضر ہوا تھا۔ جب میں مکمل عبارت پڑھ چکا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''مولوی صاحب! کیا مسئلہ سمجھ میں آ گیا ہے؟'' میں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد مختلف علمی مسائل پر آپ کافی دیر تک روشنی ڈالتے رہے اور میں آپ کے تبحر علمی سے مستفید ہوتا رہا۔ سادہ الفاظ میں بہت سے دقیق مسائل کی وضاحت فرمادی۔

☆

حضور گنج کرم، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف کہ بہت بڑے عالم تھے بلکہ ایسے بلند پایہ معلم اور مدرس تھے جنھیں نظر سے علم وحکمت کے جام پلانا بخوبی معلوم تھا۔ بڑے بڑے علماء آپ کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ طے کرتے۔ پیر بابا سارنگ علی طیبیؒ (جو تادمِ تحریر بقید

حیات آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف میں موجود ہیں) نے بتایا کہ ایک مرتبہ چک پیلے فیصل آباد کے علاقہ میں چند لوگوں کی تعمیر کردہ ایک مسجد کو مخالف گروہ نے ''مسجد ضرار'' سے تشبیہ دے دی۔ جن کی تائید جناب ''حاجی یوسف علی نگینہ صاحب *'' نے بھی کر دی۔ اب مسجد بنانے والے پریشان ہو کر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور درپیش معاملہ عرض کر دیا۔ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''مسجد ضرار ایک ہی تھی اُس کے علاوہ کوئی دوسری مسجد ضرار نہیں''۔ وہ مطمئن ہو کر گئے اور سب لوگوں کو حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلے سے آگاہ کیا۔ جب اِس بات کی خبر حاجی یوسف علی نگینہ صاحب تک پہنچی تو وہ کہنے لگے، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی و باطنی علم تو بہت زیادہ ہے لیکن لگتا ہے کہ ظاہری علم کچھ کم ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد حاجی یوسف علی نگینہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے معمول کے مطابق حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: حاجی صاحب! ہمیں نعت شریف سنائیں۔ حاجی یوسف علی نگینہ صاحب نے پنجابی کی نعت شریف پڑھی: ''جتھے سوہنا پَب دَھردا ...... اُتھے اُگدا سَروُ دا بُوٹا''۔ حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: حاجی صاحب! اِس کا مطلب کیا ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات جوہر کائنات ہے، جہاں حضور کا قدم مبارک لگتا ہے وہاں ہریالی ہو جاتی ہے۔ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: حاجی صاحب! جوہر کائنات تو ممکنات میں سے ہے اور ممکنات فناء فی اللہ میں سے ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات تو بقاء باللہ کے مقام پر فائز ہے۔ حاجی صاحب! یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان کے مطابق نہیں ہے۔ حاجی یوسف علی نگینہ صاحب آپ کی بات سُن کر حیران رہ گئے۔

---

* حاجی یوسف علی نگینہ درویش صفت بزرگ تھے اور حضرت صاحب کرماں والے علیہ الرحمۃ سے بہت پیار کیا کرتے، کئی کئی دن قیام پذیر رہتے، کپڑے میلے ہو جاتے اور کوئی نہانے دھونے کا مشورہ دیتے تو فرماتے: ''یہ حضرت کرماں والا شریف کی خاک ہے، اِسے اپنے ساتھ لے کر گھر جاؤں گا''

علم الیقین سے عین الیقین تا حق الیقین

علم الیقین سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو اِس بات کی خبر دے کہ آگ جلا دیتی ہے اور عین الیقین سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص اپنی آنکھوں سے کسی لکڑی کو آگ سے جلتا ہوا دیکھ لے اور حق الیقین سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص اپنے ہاتھ کو آگ کے قریب کرے اور آگ کا جلنا محسوس کرلے اور اُسے پتہ چل جائے کہ واقعی آگ جلاتی ہے تو یہ حق الیقین ہے۔

صوفی بتدریج علم الیقین سے عین الیقین اور پھر حق الیقین اور حقیقت و معرفت سے آگاہی کی طرف بڑھتا ہے۔ اس پر انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے اور علم لدنی اور کشفی علوم عموماً اسی مرحلے میں حاصل کرتا ہے اور ایسے علوم کا ملنا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو اس کی صفات سے پہچان لیتا ہے اور اسکا عکس صوفی کی زندگی پر واضح طور پر نظر آنے لگتا ہے۔ تمام صوفیاء عارف باللہ اور صاحبِ بصیرت ہوتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ صاحبِ کرامت بھی ہوں کیونکہ اولیا اپنی ولایت کی حفاظت مخلوق سے پوشیدہ رکھ کر کرتے ہیں اور ان کی شہرت سچائی اور ان کے باطن مشاہدہ حق سے ہمیشہ آباد ہیں، کیونکہ ان کے محافظ حق تعالیٰ ہیں۔ باطنی مشاہدات کے ذریعے سے صوفیاء کو علم الیقین سے عین الیقین اور پھر حق الیقین کی نعمت میسر ہوتی ہے اور مخلوق میں سے بھی کچھ خوش نصیبوں کو علم الیقین کا جام پلاتے ہیں اور یقین کی دولت دنیا و مافیہا کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا فرمان ہے کہ (صاحب) یقین کی نیند شک (والے) کی نماز سے بہتر ہے۔ حضرت سیدنا غوث الاعظم جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کسی کی عبادت آسمانوں تک بھی پہنچ جائے تو قبول نہ ہوگی جب تک کہ اسے خدا کی ذات پر کامل یقین نہ ہو اور صوفی کا یقین آسمان سے بلند اور پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔

☆

حضرت علی علیہ السلام کا قول ہے کہ میں اُس وقت تک دوسرا سجدہ نہیں کرتا جب تک کہ پہلے سجدے میں خدا کو دیکھ نہ لوں۔

☆

علم الیقین تا حق الیقین کے مابین کیا فرق ہے، اِس کی وضاحت کے لیے حسبِ ذیل واقعہ بہتر انداز میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔

حضرت بہلول دانا، خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں بغداد کے ایک درویش تھے۔ ان کا اصل نام وہب بن عمرو تھا۔ بہلول تارک الدنیا تھے لیکن انتہائی دانائی کی باتیں بھی کرتے تھے۔ اسی لئے دانا کے لقب سے زبان زد عام ہوئے۔ ان کا کوئی گھر یا ٹھکانا نہیں تھا، عموماً بازار میں ننگے پاؤں پھرتے اور جہاں تھک جاتے وہیں ڈیرہ ڈال لیتے۔ بعض لوگوں نے انہیں مجذوب لکھا۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک دن بہلول دریا کے کنارے بیٹھے ساحل کی گیلی ریت کو اپنے سامنے جمع کر کے ڈھیریاں بنا کر پھر مسمار کر دیتے۔ خلیفہ ہارون الرشید کی زوجہ ملکہ زبیدہ نے اپنے محل کے جھروکے سے دیکھا تو اپنی کنیزوں کے ہمراہ دریا کے کنارے پر آ کر پوچھنے لگی یہ کیا کر رہے ہو؟ بہلول نے ادائے بے نیازی سے کہا، جنت کے محل بنا رہا ہوں۔ ملکہ نے پوچھا، کیا یہ محل فروخت کرو گے؟ کہنے لگے ہاں ہاں کیوں نہیں! میں بناتا بھی ہوں اور پھر فروخت بھی کر دیتا ہوں۔ ملکہ نے پوچھا، بتاؤ ایک محل کی قیمت کیا ہے؟ بولے، تین درہم۔ ملکہ نے فوراً تین درہم ادا کر دیئے اور بہلول نے ایک گھر گرا کر کہا کہ یہ ہم نے تمہیں دے دیا۔ ملکہ زبیدہ نے گھر آ کر خلیفہ ہارون الرشید کو یہ واقعہ سنایا تو اس نے مذاق میں ٹال دیا۔ رات کو جب ہارون الرشید سویا تو جنت کے مناظر دیکھے، آبشاریں، مرغزاریں اور پھل پھول دیکھنے کے علاوہ بڑے بڑے محلات دیکھے۔ ایک سرخ یاقوت سے بنے ہوئے محل پر اس نے زبیدہ کا نام لکھا دیکھا۔ جیسے ہی وہ محل میں داخل ہونے کیلئے دروازے پر پہنچا تو دروازے پر کھڑے دربان نے اُسے روک دیا۔ ہارون الرشید کہنے لگا، اس پر میری بیوی کا نام لکھا ہے، اس لئے مجھے اندر جانا ہے۔ دربان نے کہا اس جہان کا دستور مختلف ہے جس کا نام لکھا ہوتا ہے صرف وہی اندر جا سکتا ہے۔ لہذا واپس چلے جاؤ، جب دربان نے خلیفہ کو پیچھے دھکیلا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ بیدار ہونے پر اس کو خیال آیا کہ مجھے تو

لگتا ہے کہ بہلول کی دعا زبیدہ کے حق میں قبول ہوگئی۔ اگلے دن خلیفہ بہلول کو تلاش کرنے لگا۔ اچانک شام کے وقت اُس نے دیکھا کہ بہلول ایک جگہ بیٹھے اسی طرح ریت کی ڈھیریاں بنا رہے ہیں۔ خلیفہ نے پاس جا کر پوچھا، بہلول کیا کر رہے ہو؟ فرمایا جنت کے محل بنا رہا ہوں۔ پوچھا، کیا بیچو گے؟ بہلول نے کہا ہاں ہاں! کیوں نہیں میں بناتا بھی ہوں اور فروخت بھی کرتا ہوں۔ ہارون الرشید نے پوچھا، اچھا بتاؤ، ایک محل کی قیمت کیا ہے؟ بہلول نے بے ساختہ جواب دیا، تیری پوری سلطنت۔ بادشاہ نے کہا، اتنی قیمت تو میں ادا نہیں کر سکتا کل تو آپ تین درہم میں فروخت کر رہے تھے اور آج پوری سلطنت مانگ رہے ہو؟ بہلول دانا نے کہا کہ کل جو سودا طے ہوا تھا وہ بغیر دیکھے طے ہوا تھا جبکہ تم آج محل دیکھ کر آئے ہو۔ خلیفہ یہ سن کر گھٹنوں کے بل بہلول دانا کے سامنے مایوس ہو کر بیٹھ گیا اور کہا پھر تو پوری سلطنت بھی لے لیں مگر مجھے ایک محل دے دیں۔ جب بہلول دانا نے خلیفہ کی عاجزی دیکھی تو کہا کہ میں تمہاری سلطنت کا کیا کروں گا؟ جاؤ اپنی سلطنت بھی پاس رکھو اور میں تمہیں بھی ایک محل تین درہم میں فروخت کرتا ہوں۔

تزکیہ و معرفتِ نفس

صوفیاء کے نزدیک تمام نفلی اعمال میں سے تزکیۂ نفس سب سے افضل عمل ہے جیسا کہ روزہ کے باب میں احادیث سے پتہ چلتا ہے۔ مثلاً حضور سرورِ کائنات ﷺ کا فرمان ہے۔ اللہ کے نزدیک بھوکے کا شکم، ستر عاقل عابدوں سے زیادہ محبوب ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: تم اپنے شکموں کو بھوکا، اپنے جگروں کو پیاسا اور اپنے جسموں کو غیر آراستہ رکھو تا کہ تمہارے دل اللہ تعالیٰ کو دنیا میں ظاہری طور پر دیکھ سکیں۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اِسی لیے ارشاد فرمایا: روزہ آدھی طریقت ہے۔ حضرت شیخ سعدی نے فرمایا کہ تزکیۂ نفس مومن کیلئے انتہائی اہم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص کچھ بھوکا رہتا ہے اور رات بھر سوتا ہے، اس شخص سے بہتر ہے جو پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور رات بھر تلاوت کرتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ جنت کتنی دور ہے؟ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صرف ۲ قدم۔ پوچھا گیا کہ ۲ قدم کیسے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، ایک قدم اپنے نفس پر رکھو، تمہارا دوسرا قدم جنت میں ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ جہاد سے واپس آتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ رہے ہیں اور یوں وضاحت فرمائی کہ نفس کے ساتھ جہاد دراصل ''جہادِ اکبر'' ہے۔

حدیثِ قدسی میں وارد ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا گیا: ''خواہشاتِ نفس کی پیروی کبھی نہ کر، کیونکہ میری زمین میں اتباعِ نفس سے زیادہ فساد انگیز چیز کوئی نہیں۔''

چنانچہ طریقت کی بنیاد ہی تزکیہء نفس پر رکھی گئی ہے اور تزکیہء نفس طریقت میں فرض عین ہے اور اسی مرحلے میں صوفی کا باطن روشن ہو جاتا ہے۔ وہ چیزوں کو ایک عام انسان سے مختلف انداز میں دیکھنا شروع کر دیتا ہے اور تزکیہ نفس کا یہ عمل صوفی کی باقی ماندہ زندگی میں بھی کسی نہ کسی صورت میں جاری رہتا ہے۔

علم لدنّی کے حصول کے لیے تزکیہ و معرفتِ نفس انتہائی ضروری ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **من عرف نفسه، فقد عرف ربه،**

یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

مطلب یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کی بابت یہ جان لیا کہ وہ فناء ہونے والی چیز ہے تو اس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اور جان لیا کہ وہی باقی رہنے والی ذات ہے۔ اِسی طرح ایک قول یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو جان لیا کہ وہ ذلیل وخوار ہونے والی چیز ہے تو اس نے اپنے رب کو پہچان لیا کہ وہ عزت و کرامت بخشنے والی ذات ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو بندگی سے پہچان لیا اس نے اپنے رب کو ربوبیت سے پہچان لیا۔ چنانچہ جس نے اپنے آپ کو ہی نہیں پہچانا وہ کسی دوسرے کو کیا پہچانے گا؟ معرفتِ نفس سے مراد معرفت انسانیت بھی ہے۔

اور خیال ہے کہ نفس کو سیاہ وسفید سے پہچانا جائے مطلب یہ ہے کہ نفس کو سیاہی سے

پہچانیں تو اپنے اندر جو سفیدی پائیں وہ رب کی پہچان ہے۔
(حضرت داتا گنج بخش، کشف المحجوب، ترجمہ غلام معین الدین نعیمی)

نفس کی سات اقسام

1۔ نفس امارہ 2۔ نفس لوامہ 3۔ نفس ملھمہ
4۔ نفس مطمئنہ 5۔ نفس راضیہ 6۔ نفس مرضیہ
7۔ نفس کاملہ

نفس امّارہ پہلا نفس ہے۔ یہ سب سے زیادہ گناہوں کی طرف مائل کرنے والا اور دنیاوی رغبتوں کی جانب کھینچ لے جانے والا ہے۔ ریاضت اور مجاہدہ سے اس کی برائی کے غلبہ کو کم کر کے جب انسان نفس امارہ کے دائرہ سے نکل آتا ہے تو لوامہ کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر دل میں نور پیدا ہو جاتا ہے۔ جو باطنی طور پر ہدایت کا باعث بنتا ہے۔ جب نفس لوامہ کا حامل انسان کسی گناہ یا زیادتی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو اس کا نفس اسے فوری طور پر سخت ملامت کرنے لگتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے لوامہ یعنی سخت ملامت کرنے والا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۃ القیامۃ میں اس نفس کی قسم بھی کھائی ہے۔

وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ اور میں نفس لوامہ کی قسم کھاتا ہوں۔

تیسرا نفس ملہمہ ہے۔ جب بندہ ملہمہ کے مقام پر فائز ہوتا ہے تو اس کے داخلی نور کے فیض سے دل اور طبیعت میں نیکی اور تقویٰ کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ چوتھا نفس مطمئنہ ہے جو بُری خصلتوں سے بالکل پاک اور صاف ہو جاتا ہے اور حالت سکون واطمینان میں آ جاتا ہے۔ یہ نفس بارگاہِ الوہیت میں اسقدر محبوب ہے کہ سورۃ الفجر میں حکم ہوتا ہے:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً

یہ نفس مطمئنہ اولیاء اللہ کا نفس ہے۔ یہی ولایتِ صغریٰ کا مقام ہے۔ اس کے بعد نفس

راضیہ، مرضیہ اور کاملہ یہ سب ہی نفس مطمئنہ کی اعلیٰ حالتیں اور صفتیں ہیں اس مقام پر بندہ ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہتا ہے۔

تزکیہ و معرفتِ نفس اور حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جب زیارتِ مدینہ سے فارغ ہوئے اور والدہ کی خدمت کا تصور آیا تو بسطام کے لیے روانہ ہو گئے اور جب اہل شہر کو آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو کافی فاصلہ پر آپ کے استقبال کے لیے پہنچ گئے۔ اس وقت آپ کو پریشانی لاحق ہوئی کہ لوگوں کا اُنکے ساتھ ایسا معاملہ یادِ الٰہی میں رُکاوٹ پیدا کرے گا اور آپ نے اپنے نفس کو دیکھا کہ اُس کو خماری چڑھی ہوئی ہے۔ آپ نے استفسار کیا تو نفس نے کہا کہ چونکہ اتنے زیادہ لوگ استقبال کے لیے آئے ہیں لہٰذا میں بہت خوش اور قوی ہو گیا ہوں، مجھ پر نشہ طاری ہو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا، ٹھہر! میں ابھی تیرا علاج کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے یہ ترکیب استعمال کی کہ رمضان شریف کے باوجود لوگوں کے سامنے روٹی کھانا شروع کر دی۔ یہ دیکھتے ہی لوگ مخالف ہو گئے اور عقیدت مند واپس ہو گئے، دوسری جانب آپ نے اپنے نفس کی طرف توجہ فرمائی تو اُس کا سر کچلا گیا تھا۔ بعد میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو (دورانِ سفر روزہ چھوڑنے کی) اجازتِ شرعی پر عمل کیا لیکن لوگ مجھے برا سمجھ کر منحرف ہو گئے۔

☆

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بارہ سال تک نفس کو ریاضت کی بھٹی میں ڈال کر مجاہدے کی آگ سے تپایا اور ملامت کے ہتھوڑے سے کوٹتا رہا، جس کے بعد میرا نفس آئینہ بن گیا۔ پھر پانچ سال مختلف قسم کی عبادات سے اس پر قلعی چڑھاتا رہا۔ پھر ایک سال تک جب میں نے خود اعتمادی کی نظر سے اس کا مشاہدہ کیا تو اس میں تکبر و خود پسندی کا مادہ موجود پایا۔ چنانچہ پھر پانچ سال تک سعی بسیار کے بعد اس کو مسلمان بنایا اور جب اس میں خلائق کا نظارا کیا تو سب کو مردہ دیکھا اور نمازِ جنازہ پڑھ کر ان سے اس طرح کنارہ کش ہو گیا جس طرح لوگ نمازِ جنازہ پڑھ کر

قیامت تک کے لیے مردے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد مجھے خداوند تعالیٰ تک پہنچے کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔

☆

ایک مرتبہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے یہ معرفت کس طرح حاصل کی؟ جواب دیا کہ بھوکے پیٹ اور ننگے بدن سے۔ فرمایا کہ میں نے تیس سال مجاہدے میں گذارے۔ اس عرصہ میں کسی چیز کو اپنے اوپر ایسا سخت نہیں پایا، جیسا کہ اپنے علم پر عمل۔ اگر علماء کا اختلاف نہ ہوتا تو میں ایک اجتہاد پر رہتا۔ علماء کا اختلاف سوائے تجرید توحید کے رحمت ہے۔

☆

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں رب العزت کو دیکھا تو عرض کی یا اللہ! تیرے پاس پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اپنے نفس کی اطاعت چھوڑ دے اور میرے پاس آ جا''۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے سانپ کی کینچلی کی طرح اپنے نفس کو چھوڑ دیا۔

تزکیہ و معرفتِ نفس اور حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ

ایک روز ایک درویش حضرت خواجہ کی خدمت میں کہہ رہا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے دوزخ و بہشت کے درمیان اختیار دے تو میں دوزخ کو اختیار کروں گا کیونکہ میں تمام عمر اپنے نفس کی مراد پر نہیں چلا اور اُس صورت میں بہشت میرے نفس کی مراد ہو گی۔ حضرت خواجہ نے اس درویش کے کلام کی تردید کی اور فرمایا کہ بندے کو اختیار سے کیا کام۔ جہاں مالک بھیجے، چلا جائے اور جہاں ٹھہرائے، ٹھہر جائے۔ بندگی اسی کا نام ہے، نہ کہ جو تم کہہ رہے ہو۔ اُس درویش نے پوچھا کہ سالکان طریقت پر شیطان کا غلبہ ہوتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جو سالک مقام فنائے نفس کو نہ پہنچا ہو، شیطان اُس پر غصہ کے وقت قابو پاتا ہے لیکن جو اس مقام پر پہنچ گیا ہو اس کو غصہ نہیں آتا بلکہ غیرت آتی ہے اور جہاں غیرت ہوتی ہے، شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے اور یہ

صفت اُس شخص میں ہوتی ہے جو کتاب اللہ کو دائیں ہاتھ میں اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بائیں ہاتھ میں لیے ہوئے ہو اور ان دونوں کی روشنی میں راستہ چلتا ہو۔

تزکیہ و معرفتِ نفس اور حضرت شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کا کوئی دشمن نفسِ امارہ سے زیادہ سخت نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہر دشمن متابعت اور تواضع کے ذریعے مطیع ہو جاتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ یہ متابعت اور پیروی کرنے میں دشمنی میں زیادہ قوی ہو جاتا ہے اور انسان کو گناہوں کے سمندر میں اوندھا ڈال دیتا ہے اور آدمی کو اپنی زندگی سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں ہے جب اپنے نفس کو بڑھاتا ہے تو اس کی پیروی میں اپنی زندگی تک برباد کر دیتا ہے۔ نفس کے سخت دشمن ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دوسرا دشمن تو کبھی کبھار سامنے آتا ہے۔ اس لیے اس کا خطرہ بھی کبھی کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں لیکن نفس سے مرتے دم تک ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے کیونکہ یہ ہر لحہ آدمی کے پہلو میں موجود ہے۔

تزکیہ و معرفتِ نفس اور حضرت مجددالفِ ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ نفس پر شریعت کی پابندی سے زیادہ کوئی چیز دشوار نہیں ہے چنانچہ نفس کی کمالِ مخالفت درحقیقت اتباعِ شریعت میں ہے۔

تزکیہ و معرفتِ نفس اور حضرت خواجہ محمد زمان رحمۃ اللہ علیہ

ایک مرتبہ ایک شیخِ وقت حضرت خواجہ محمد زمان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر معروض ہوا کہ مجھے فناء و محویت حاصل ہوئی ہے کہ مجھے کسی چیز کا وجود نظر نہیں آتا اور بقاء ایسی حاصل ہے کہ سوائے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے کسی چیز کی طرف توجہ التفات نہیں کرتی۔ مجھے ارشاد و تلقین کی اجازت دی جائے۔ حضرت نے فرمایا: ''کس درجہ پر پہنچ چکے ہو؟'' اُس نے عرض کیا ''حضرت کی عنایت سے جس شخص کے قلب پر توجہ کرتا ہوں، اس قلب سے ذکر جاری ہو جاتا ہے۔ خشک پیڑ پر نظر کرتا ہوں تو سرسبز ہو جاتا ہے۔ اگر پتھر پر نظر کرتا ہوں تو وہ موم ہو جاتا ہے''

حضرت نے فرمایا ''بس اسی بات پر تمہیں شیخیت کا دعویٰ ہے؟'' جاؤ اور خشک پیڑوں کو سر سبز کرو۔ یہ جدا چیز ہے اور مشائخیت دیگر چیز ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں ''اپنی نیابت عطا کرتے ہیں'' شیخ وہ ہے جو فناء میں غرق رہتا ہے، اس کا کلام دواء ہے۔ نظر شفاء ہے اور ایک نگاہ سے سو مردہ دلوں میں بیک وقت زندگی بھرتا ہے۔ بندوں کو اللہ سے قریب کرتا ہے۔ اگر اسے یہ مرتبہ حاصل نہیں تو وہ نفس کا شکار ہے اور خلقت کو گمراہ کرتا ہے۔

تزکیہ و معرفتِ نفس اور حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیلیوں سے ارشاد فرمایا کرتے کہ نفس کو قابو کرو چنانچہ اِس مقصد کے لیے اچھی طرح کھانا کھایا کرو تا کہ اعضاء میں قوت رہے اور پھر طاقت کو استعمال میں لاکر رب کریم کی عبادت کیا کرو یعنی اللہ، اللہ کیا کرو۔ آپ پنجابی زبان میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ''رَج کے کھاؤ تے رَج کے واؤ''۔

☆

آپ ہمیشہ تلقین فرماتے تھے کہ اللہ، اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھو ورنہ نفس کو تقویت ملے گی جو راہِ خدا سے دور کرنے کا باعث بن جائے گی۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے سابقہ گاؤں کرموں والہ شریف کا ذکر ہے کہ حاجی محمد رحمت علی صاحب (آڑھتی غلہ منڈی بوریوالہ) کو وہاں گئے ہوئے دس پندرہ دن ہو گئے تھے اور یہ مسجد میں بیٹھے تھے کہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ فرمایا ''تم کو کس نے کہا ہے کہ مسجدوں میں جا کر بیٹھ جاؤ اور اللہ اللہ کرو اور تسبیح پھیرو۔ جاؤ بال بچوں کیلئے روزی کما کر ان کو کھلاؤ، کیونکہ ان کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت بھی عبادت ہے۔''

☆

حضرت مولانا محمد اللہ دتہ صاحب خطیب اعظم جامع مسجد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ پاکپتن شریف کا بیان ہے کہ میں اپنے طالب علمی کے زمانہ میں حضرت صاحب قبلہ

رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بغرضِ زیارت ودعا حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا: مولوی صاحب کیا پڑھتے ہو؟ عرض کیا حضور! شرح جامی پڑھتا ہوں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ہم بھی کبھی پڑھتے تھے مگر اب زمانہ گزر گیا۔ اور یہ کتاب یوں شروع ہوتی ہے: "اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ ۝" اچھا یہ بتاؤ کہ یہ (ہٖ) ضمیر کس طرف لوٹتی ہے؟ تو میں نے عرض کیا: اللہ کی طرف۔ آپ نے فرمایا: "سب کا ضمیر اللہ کی طرف ہی لوٹتا رہے تو ٹھیک ہے ورنہ کام بگڑ جاتا ہے۔"

تعلیم اور تربیت کا موازنہ

وہ تعلیم سراسر ادھوری ہے، جس کے ساتھ تربیت نہیں کیونکہ تعلیم ایک نقشہ ہے مگر تربیت راہنما، تعلیم راستہ ہے مگر تربیت منزل، تعلیم خبر ہے مگر تربیت عمل، تعلیم اُمید ہے مگر تربیت یقین، تعلیم عقل ہے مگر تربیت عشق، اِسی لیے جب تربیت کی رسائی باپ کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام تک ہوئی تو ؎

"بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق"

اور جب بیٹے کی صورت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام تک پہنچی تو ؎

وہ فیضانِ نظر تھا یا مکتب کی کرامت
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

ایک مسلمان کے لیے سب سے بہترین مثال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتی زندگی ہے اور پھر آپ کی زیرِ تربیت رہنے والے صحابہ کرام کی زندگی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام کو مسجدِ نبوی میں اُمورِ شرعی کی تعلیم، حلال وحرام کی تمیز اور گناہ وثواب کا فرق سمجھانے کے ساتھ ساتھ نفوس کا تزکیہ کرنا اور سیکھے ہوئے علم پر عمل کرنے کا طریقہ بھی بتایا۔ آپ

ﷺ نے جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، انفاق فی سبیل اللہ اور نوافل وغیرہ کا حکم دیا تو اِسی طرح خشوع وخضوع، صبر وشکر، ذکر، شب بیداری، اخلاص، اہلِ ذکر کی صحبت، تقویٰ اور توکل کی بھی تاکید فرمائی۔ اس طرح یہ دونوں ظاہری و باطنی فرائض ایک ہی وقت میں ادا ہوتے رہے۔ آپ کے وصال کے بعد صحابہ کرام ان دونوں فرائض کو ادا کرتے رہے۔ صحابہ کرام دن کو ایک معلم اور استاد کی حیثیت سے کتاب وحکمت کی تعلیم دینے کی ذمہ داری ادا کرتے اور رات کو بیدار ہو کر، آرام چھوڑ کر نفوس کا تزکیہ اور قلوب کی صفائی کا اہتمام کرتے تھے۔ صحابہ کرام نے اپنے ہم نشین افراد کی تعلیم وتربیت کا اہتمام بھی کیا اور اُن کے تزکیۂ نفس کی ذمہ داری بھی بآحسن وخوبی ادا کی۔

جب تک تزکیہ اور تعلیم سے مزین اور ایک ہی وقت میں اِن خصوصیات کے حامل افراد بکثرت موجود تھے، تبلیغ اسلام کا سلسلہ بآحسن وخوبی ادا ہوتا رہا۔ یقیناً فلاح وکامیابی تعلیم اور تزکیہ کے یک جا ہونے میں ہی ہے مگر رفتہ رفتہ ان دونوں شعبوں کے حامل افراد میں دوری پیدا ہوئی۔ چنانچہ تعلیم اور قلم سے تعلق رکھنے والے افراد تزکیۂ نفس کو غیر اہم اور کسی قدر خلافِ شریعت سمجھ کر مدارس تک محدود ہو گئے جبکہ دوسری طرف بعض افراد نے صرف تزکیۂ نفس ہی کی طرف توجہ دینا زیادہ ضروری سمجھا اور تعلیم اور تعلم کو معرفت کے لئے حجاب سمجھنے لگے۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدارس سے فارغ ہونے والے افراد عالم دین اور خادم دین ہونے کی بجائے دنیا اور رتبے کے طالب بن کر نکلے جبکہ تزکیۂ نفس کے دعوے دار احکامِ دین وشریعت سے غیر واقف بن گئے۔

حالانکہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے بعد بھی ایسے بے شمار افراد پیدا ہوئے جو صحابہ کرام کی طرح ایک ہی وقت میں عالمِ دین بھی تھے اور صاحبِ تزکیہ بھی تھے۔ ان عظیم افراد کی نظر میں وہی نبوی تاثیر تھی، ان کی صحبت میں ہم نشین افراد کے نفوس کا تزکیہ ہوتا تھا، بیشک ایسے افراد ہی نبی کریم ﷺ کے حقیقی نائب اور وارث ہیں۔ ان کی محنت، کوشش اور جدوجہد سے اسلام کو نئی زندگی ملی۔ زمین کے چاروں طرف اسلام کا چرچا عام ہونے لگا اور ہزارہا گمراہ اور

بے دین تبدیل ہو کر نیکوکار، متقی اور پرہیزگار بنے اور لاکھوں غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ مثال کے طور پر حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف علومِ شریعہ کے ماہر تھے بلکہ علوم عقلیہ اور علوم باطنیہ میں بھی آپ کا مقام بہت ہی بلند تھا۔ ان دونوں خصوصیات کے ساتھ ساتھ آپ اہل معرفت اور صاحبِ تزکیہ بھی تھے۔ مزید برآں حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی شان سے کون انکار کرسکتا ہے۔ آپ کے فیض اور فضیلت سے بھی سارا جہاں اچھی طرح واقف ہے۔ برصغیر میں حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں لاکھوں افراد عارف و عالم اور صاحبِ اخلاص بنے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے ایک رہبر و پیشواء حضرت بابا امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنے مریدِ خاص حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت فرمائی تو پھر اُس پر ایسا فخر کیا کہ خود ارشاد فرماتے: ''اگر قیامت والے دن اللہ رب العالمین نے مجھ سے پوچھا کہ دنیا سے کیا لے کر آئے ہو؟ تو میں میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کر کے عرض کروں گا کہ مولا، میں تیری بارگاہ میں اپنا یہ مرید لے کر حاضر ہوا ہوں''۔

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری اپنے خلیفہءِ اعظم پیر سیّد محمد اسمٰعیل شاہ بخاری حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اکثر کرموں والہ کے گردونواح سے حاضر خدمت ہونے والے لوگوں سے ارشاد فرمایا کرتے ''اتنی دور آنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہاں شاہ صاحب کرماں والے موجود ہیں، اُن سے ہی مل لیا کرو، ایک ہی بات ہے''

تعلیم اور تربیت میں فرق

ہر انسان اپنے بچپن سے ہی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اُسے بتایا اور پڑھایا جاتا ہے کہ اُس نے صرف اچھے کام کرنے ہیں اور بُرے کاموں سے بچنا ہے مگر ایک بہت بڑا خلاء جو تعلیم حاصل کرنے والے کی زندگی میں پیدا ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اُسے یہ سکھایا نہیں جاتا کہ اُس نے کیسے اچھے کام کرنے ہیں اور اُس نے کیسے بُرے کاموں سے بچنا ہے۔ مثال کے طور پر بچے کو بتایا جاتا ہے کہ اُس نے سچ بولنا ہے اور جھوٹ سے بچنا ہے مگر جہاں ایک طرف اُسے اپنے اِرد گرد

جھوٹ کی بھرمار نظر آتی ہے اور سچ کا وجود نظر نہیں آتا تو دوسری طرف اُسے وہ قابلیت یا طاقت بہم نہیں پہنچائی جاتی کہ جسے وہ اُس وقت استعمال میں لائے جب اُسے جھوٹ سے بچنے کی ضرورت پیش آئے یا جب اُسے سچ بولنے کی ضرورت ہو تو وہ کیسے سچ بول کر حاصل کردہ تعلیم پر عمل کرے۔ چنانچہ تربیت اُس طاقت اور قوت کا نام ہے جو تعلیم پر عمل کرنے کے لیے درکار ہوتی ہے اور یہ طاقت صرف وہی مہیا کر سکتا ہے جس کے پاس خود یہ طاقت موجود ہو اور جو خود تربیت یافتہ ہو۔ اِسی لیے ابتداء سے ہی لوگوں کی تربیت کا بیڑا خدا کے خاص بندوں نے اُٹھا رکھا ہے۔

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک علماء میں تربیت کی کمی کے باعث علماء حبِ دنیا کا شکار ہو گئے اور اِسی لیے آپ نے ارشاد فرمایا کہ حبِ دنیا سے خالی علماء بے حد قلیل ہیں۔ مزید برآں آپ نے اپنے متعلق خود ارشاد فرمایا کہ ''اس فقیر کو یہ (سلسلہ نقشبندیہ کی روحانی) نسبت ابتدائے تعلیمِ ذکر کے بعد دو ماہ اور چند روز میں حاصل ہو گئی۔ اس نسبت کے بعد ایک اور فنا حاصل ہوئی جسے فنائے حقیقی کہتے ہیں۔ دل میں اس قدر وسعت پیدا ہو گئی کہ تمام عالم، عرش سے لے کر مرکز زمین تک اس وسعت کے مقابلہ میں رائی کے دانہ کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔''

تیرا علاج نظر کے سوا کچھ نہیں

علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے محض ظاہری تعلیم کو ناکافی سمجھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

خِرد کے پاس خبر کے سوا کچھ نہیں
تیرا علاج نظر کے سوا کچھ نہیں

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ جس نظر کو علاج قرار دے رہے ہیں وہ کسی مربی، مرشد، رہبر یا رہنما کی باطنی نگاہ کا خاص اثر ہے۔ مرشد کی نگاہِ باطن سے ہی مرید کی تربیت بھی ہوتی ہے۔

حضرت بابا امیر الدین رحمتہ اللہ علیہ نے مرشد کی نگاہِ باطن کا کمال اِس مثال سے بھی سمجھایا ہے۔

''حضرت بابا صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح کونجیں پہاڑوں میں انڈے

دے کر دور نکل جاتی ہیں اور انڈوں کا خیال دل میں رکھتی ہیں اور اس تصور ہی سے ان کے بچے نکل آتے ہیں، تو یہی صورت مرشد کی نگاہِ باطن کی ہے کہ وہ جو بیج مرید صادق کے دل میں بوتا ہے، خواہ وہ دور ہی کیوں نہ ہو ضرور پودا بن کر بار آور ہوتا ہے، البتہ مرید کے اعتقاد میں استقامت ضروری ہے‘‘۔

☆

مولانا عبدالحق جو درگاہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ (پاک پتن شریف) کی مسجد کے خطیب تھے اور فاضل دیوبند بھی تھے۔ ان کے خیالات اولیائے کرام کے بارے میں کچھ اچھے نہ تھے۔ ایک مرتبہ یوں ہی وہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موضع کرموں والا شریف (فیروز پور) پہنچ گئے اور مختصر ملاقات کے بعد اجازت لے کر واپس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اُنہیں ایک خط لکھا۔ اُس خط کو مولانا صاحب نے جیسے ہی دیکھا، اُن کی حالت غیر ہوگئی۔ خط لیے ہوئے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے۔ ادھر خادمین کو ہدایت تھی کہ انہیں حضرت صاحب قبلہ کے پاس جانے نہ دیا جائے۔ چنانچہ یہ تین روز وہاں پڑے رہے۔ روتے تھے اور آہیں بھرتے تھے۔ آخر خدمت اقدس میں اجازت باریابی ہوئی۔ تین یوم کی گریہ وزاری سے انکے پہلے تمام خیالات دھل چکے تھے۔ وہ پہلے کیا تھے اور اب کیا ہیں؟ یہ مولانا موصوف ہی بہتر جانتے تھے۔

☆

ایک مرتبہ بھری محفل میں ایک شخص نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھا اور چیخ مار کر بھاگتا ہوا کنوئیں میں جا گرا۔ لوگوں نے جب اسے کنوئیں سے باہر نکالا تو دیکھا کہ اسے خراش تک نہیں آئی تھی۔ وہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا، آپ نے دیکھ کر ارشاد فرمایا۔ ’’ابھی صرف اِس نے مجھے دیکھا ہے، میں نے اِسے نہیں دیکھا۔‘‘ پھر اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ’’اِس طرح کنوئیں میں نہیں گرا کرتے۔‘‘

☆

مولوی محمد امین شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مضمون ''میری سرکار'' لکھا ہے: ''ایک صاحب جو ایک بڑی گدی کے وارثوں میں سے ہیں (جن کا نام میں یہاں ظاہر کرنا نہیں چاہتا) داڑھی مونچھ صفا' کوٹ پتلون پہنے حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا، ''بابو جی! کہاں سے آئے ہو؟'' انہوں نے اس معزز جگہ کا نام لیا، جہاں سے وہ آئے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے زور دے کر اُس جگہ مبارک کا نام لیا کہ جہاں سے وہ آئے تھے۔ پھر آپ نے جگہ مبارک کا نام دہراتے ہوئے فرمایا۔ ''آپ وہاں سے آئے ہیں؟'' وہ صاحب چیخ مار کر الٹے پاؤں چلے گئے۔ چند یوم کے بعد دوبارہ آئے تو داڑھی رکھ لی تھی۔ پھر تیسری مرتبہ آئے تو داڑھی شریعت کے مطابق تھی اور تہبند و کرتا پہنے ہوئے تھے اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی اقامت گاہ کے سامنے جو وضو کے لئے رہٹ لگا تھا، اسے اپنی دھن میں مست ہو کر چلا رہے تھے۔

زیادہ تعلیم سے تھوڑی تربیت بہتر ہے (حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ تدریس کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی زور دیتے تھے بلکہ آپ تدریس کو تربیت سے جدا ہی نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کا فرمانِ ذی شان مشہور ہے کہ ''زیادہ تعلیم سے تھوڑی تربیت بہتر ہے''۔

قرآن کی آیت کا نزول ہوا، **فسئلوا اهل الذكر اِن كنتم لا تعلمون** ، یعنی اہل ذکر سے پوچھو، اگر تم نہیں جانتے، اب سوال پیدا ہو گیا کہ اے باری تعالیٰ! پوچھنا تو اہلِ علم سے چاہیے، اہل ذکر سے کیوں پوچھا جائے؟ تب حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا، کیونکہ زیادہ تعلیم سے تھوڑی تربیت بہتر ہے۔

ایک تحصیلدار نے آپ کے بیٹے، صاحبزادہ پیر سیّد محمد علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی گاڑی میں بٹھا لیا، حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے خواستگار ہوا کہ صاحبزادہ صاحب کو فیصل آباد میں

مولانا محمد یونس کے مدرسے میں داخل کروا دیا جائے؟ آپ نے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اُس تعلیم سے میری تربیت بہتر ہے''، آپ تربیت والی تدریس کو بغیر تربیت والی تعلیم سے بہتر قرار دیتے۔

فیصل آباد کے ایک نواحی گاؤں کے ہائی سکول میں راقم الحروف (مولوی محمد اکرام، ایم۔اے مصنف کتاب معدنِ کرم) بطور مدرس کام کرتا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہء ارادت میں شامل ہوئے چند سال ہو چکے تھے۔ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ عمر یونہی بیکار ضائع جا رہی ہے۔ سب کچھ چھوڑ کر جامعہ ازہر چلنا چاہیے اور دینی علوم کی تحصیل و تکمیل کے بعد دین کی خدمت کرنی چاہیے تا کہ عاقبت درست ہو۔ یہ خیال دل کو ہر وقت بے قرار رکھتا، چنانچہ فیصلہ کیا کہ ملازمت ترک کرنے سے پہلے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اجازت حاصل کر لوں تو بہتر ہو گا اور اسی نیت سے کرموں والا شریف ضلع فیروز پور (آپ کی جائے سکونت) پہنچا۔ فجر کی نماز کے بعد حاضری ہوئی، پندرہ بیس حضرات اور بھی موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ بعض لوگوں کے دل میں دین کی خدمت کا شوق موجزن ہوتا ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جامعہ ازہر چلے جائیں اور دینی تعلیم حاصل کر کے دین کی خدمت کریں۔ جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ جب مولا کریم جل شانہٗ کا کرم ہو جائے تو سارے علم خود ہی حاصل ہو جاتے ہیں۔ وہ علم اور ہے، اصلی علم اور ہے۔ جو علم سیکھنے کا وہ سوچتے ہیں، وہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص لوہار یا ترکھان کا کام سیکھ کر روزی کمانے لگ جائے، لیکن اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ میں نے ارد گرد نظر دوڑائی تو حاضرین میں جامعہ ازہر جانے والے کوئی اور صاحب نظر نہ آئے۔ سمجھ لیا کہ موضوع سخن اسی فقیر کا وسوسہ ہے۔

☆

کتاب ''میری سرکار'' میں لکھا ہے کہ مستری غلام نبی صاحب حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اکثر اوقات حاضر ہوتے رہے۔ ہر حاضری میں ان کی نیت یہی ہوتی تھی

کہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ انہیں اپنی غلامی میں لیکر داخل سلسلہ کر لیں مگر یہ نا کام واپس چلے جاتے رہے۔ ایک دفعہ یہ گھر سے مکمل ارادہ کر کے حضرت کرماں والا شریف حاضر ہوئے کہ جب تک حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ انہیں بیعت نہ فرمالیں یہ کرماں والا شریف میں ہی رہیں گے خواہ ایک سال رہنا پڑے یا دو سال، پروانہیں، مگر بیعت ہوئے بغیر گھر نہیں آئیں گے۔ اسی نیت سے یہ وضو کر کے کرماں والے محبوب کے دروازے کے سامنے بیٹھ گئے۔ دوسرے بہت سے لوگ بھی جمع ہوئے۔ اجازت ملی تو سب اندر جا کر بیٹھ گئے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے ایک ایسے شخص کی طرف مخاطب ہوئے جو پیروں فقیروں کا قائل نہیں تھا۔ فرمایا ''تم ادھر آؤ بولو کیا کام ہے؟''۔ وہ آہستہ سے بولا ''میری لڑکی بیمار ہے، عرصہ چھ ماہ سے دعا کرانے آرہا ہوں'' فرمایا ''کوئی دوا کی ہے''۔ اس نے کہا، بہت علاج کرایا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے خود بھی بہت علاج کیا، کیونکہ میں مولوی فاضل بھی ہوں اور حکیم حاذق کی سند بھی رکھتا ہوں۔ فرمایا ''پھر کوئی دعا کرنی تھی'' اس نے کہا ''وہ بھی کی ہے''۔ فرمایا ''کس طرح؟'' اس نے کہا ''آیت الکرسی چالیس دن پڑھی ہے، پانی پلاتا رہا ہوں''۔ آپ نے فرمایا، اچھا پھر شفاء تو نہیں ہوئی اور نہ وہ فوت ہی ہوئی، لگتا ہے کہ تم آیت الکرسی کا مقام نہیں جانتے، خود تمہارے کہنے کے مطابق کہ تم مولوی بھی ہو اور حکیم بھی ہو۔ اچھا، بتاؤ آیت الکرسی کو آیت الکرسی کیوں کہتے ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ یہ آیت عرش یعنی کرسی سے آئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ''تو وہ کرسی کس لئے بنائی گئی ہے؟''۔ اب وہ شخص نیچی گردن کر کے سوچنے لگا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذرا سخت لہجہ میں فرمایا۔ ''جلدی بولو، میں نے سب لوگوں سے باتیں کرنی ہیں'' مگر وہ شخص گردن اوپر ہی نہیں اٹھاتا تھا۔ اب بولے تو کیا بولے! اگر کہتا کہ خدا نے اپنے بیٹھنے کیلئے بنائی تو (نعوذ باللہ) خدا کی محتاجگی ثابت ہوتی ہے، اگر کہتا ہے کہ اپنے محبوب بندوں کیلئے بنائی تو اس کے اعتقاد پر زدّ پڑتی۔ اب وہ سخت مشکل میں گرفتار ہوا۔ آخر کچھ نہ بن پڑا تو رونے لگا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے قدرے جلال کے ساتھ ارشاد فرمایا ''بھئی میں تمہارا نوکر ہوں، اتنے لوگ بیٹھے ہیں، میں نے ان سے بھی

باتیں کرنی ہیں، اب کچھ تو بولو"۔ آخر اس نے گردن اوپر اٹھائی اور روتے ہوئے عرض کیا کہ "حضور، اپنے محبوب بندوں کی خاطر بنائی ہے" یہ سن کر حضرت قبلہ کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "جاؤ اب وہی آیت الکرسی چالیس دن پڑھو۔ اللہ تعالیٰ جلشانہٗ شفا دیں گے"۔ اس کے بعد غالباً اس نے بیعت ہونے کیلئے درخواست کی جو اس وقت قبول نہ ہوئی۔ بعد میں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے سب کی طرف توجہ فرمائی اور باری باری سب کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ جب مستری غلام نبی کی باری آئی تو ان سے بیٹھنے کو فرمایا۔ یہ کچھ دیر بیٹھے رہے۔ جب چند آدمی رہ گئے تو فرمایا "ادھر آ کر بیٹھو"۔ یہ وہاں بیٹھ گئے۔ فرمایا "تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو؟"۔ انہوں نے عرض کیا کہ لوہار ہوں۔ فرمایا: "ترکھان کا کام بھی جانتے ہو۔" عرض کیا: "جی ہاں ترکھان کا کام تو ہمارا اجدّی پیشہ ہے"۔ فرمایا مستری یار! ہمارا کام تو کرو، اب تمہارا یہیں رہنے کا بھی خیال ہے"۔ پھر خادم سے ارشاد فرمایا۔ اچھا بھئی مستری کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور اس کو اپنے زیر تعمیر درس گاہ کی الماریاں اور دروازوں کی چوگاٹھیں دکھاؤ۔ اگر یہ مستری ان کو ٹھیک کر دے تو اچھا ہے کیونکہ اب اس نے یہیں تو رہنا ہے۔ چنانچہ خادم انہیں درس میں لے گیا۔ اور دروازوں اور کھڑکیوں کی چوگاٹھیں دکھائیں دیکھا وہ سب چوگاٹھیں ٹیڑھی ہوئی پڑی تھیں اور گیلی لکڑی سے بنائی گئی تھیں۔ خادم ان کو سب کچھ دکھا کر واپس حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں لے آیا، فرمایا: کیوں بھئی مستری کام دیکھا۔ انہوں نے عرض کیا: حضور دیکھا تو ہے، مگر وہ چوگاٹھیں تو ٹیڑھی ہو چکی ہیں اور درست نہیں ہوسکتیں۔ فرمایا: بھئی پھر تو لکڑی برباد گئی اور محنت بھی۔ پھر دریافت فرمایا: مستری یہ چوگاٹھیں کیوں ٹیڑھی ہوئی ہیں۔ انہوں نے عرض کیا۔ حضور! لکڑی گیلی لگائی گئی ہے جو سوکھ کر ٹیڑھی ہوگئی۔ فرمایا: "یعنی جب تک لکڑی سوکھ نہ جائے کچھ بنانا نہیں چاہئے کیونکہ نہ تو صفائی آتی ہے اور نہ سیدھی رہ سکتی ہے، مستری جی! ٹھیک ہے نا؟" انہوں نے عرض کیا "حضور بالکل ٹھیک ہے"۔ یہ کہہ کر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لی اور واپس اپنے گھر آ گئے۔ دل میں یہ بات ٹھان لی کہ ابھی لکڑی گیلی ہے یعنی ابھی یہ بیعت ہونے کے قابل نہیں۔ سبحان اللہ!

بات کرنے کا کیا خوبصورت انداز ہے۔اس کے بعد یہ اپنے آپ کو ملامت کرتے رہتے تھے کہ ''تو کب سوکھے گا اور کب کاریگر ہاتھ میں لے گا'' اسی طرح ماہ دو ماہ گزر گئے اور یہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ سلام عرض کر کے مجلس شریف میں بیٹھ جاتے۔ جب لوگ اجازت لیتے یہ بھی دعا کیلئے عرض کر کے اجازت لیکر چلے آتے۔ آخر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی مہربانی کا دن آ گیا۔ جب ایک دفعہ یہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے بات چیت شروع کر دی۔ بات کر کے لوگ نکلتے گئے۔ جب ان کی باری آئی تو حضور انور نے ارشاد فرمایا: ''ادھر قریب آ جاؤ''۔ یہ چارپائی کے قریب بیٹھ گئے۔ دریائے رحمت جوش میں آیا اور انہیں داخل سلسلہ فرما لیا۔ ان کو اتنی خوشی ہوئی کہ احاطۂ بیان سے باہر ہے۔

☆

رائے محمد نیاز صاحب کا بیان ہے کہ ایک روز صبح کے وظائف سے فارغ ہو کر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ چبوترے پر تشریف فرما تھے۔ یہ بھی وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک مولوی صاحب آئے۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''مولوی صاحب! آپ صبح ہی صبح لڑ کر آ رہے ہیں؟'' مولوی صاحب بولے۔ ''حضرت! میں تو کسی سے نہیں لڑا۔'' فرمایا: ''آپ نے فلاں شخص سے لوٹا جو چھینا تھا۔'' یہ سنتے ہی مولوی صاحب پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور دیر تک بے خود رہے۔ جب ہوش میں آئے تو ارشاد ہوا کہ مولوی صاحب! چھوٹی چھوٹی باتوں میں جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔

☆

شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف اوکاڑا نے ایک نشست میں ارشاد فرمایا: ''میرا دل چاہتا ہے کہ حضرت کرماں والا یونیورسٹی کے نصابِ تعلیم میں معیشت پر کردار کو جبکہ تعلیم پر تربیت کو ترجیح دی جائے''۔ آپ نے

مستقبل کو مرتب کرنے کے لیے ماضی یاد دِلاتے ہوئے فرمایا، ''علم و دولت کے خزانے شیخ مبارک ناگوری، ابوالفضل اور فیضی کے پاس بھی تھے، فیضی نے قرآن پاک کی بے نقطہ تفسیر ''سواطع الالہام'' لکھی اور اپنی علمی لیاقتوں کی بدولت ''برہان فضیلت'' اور ''ملک الشعراء'' کے خطابات سے بھی نوازا گیا۔ ابوالفضل، اکبر بادشاہ کا معتمدِ خاص تھا لیکن جب ''دین اکبری'' کا طوفان بدتمیزی اُٹھا تو فیضی باوجود تبحر علمی کے اتنا گمراہ ہو گیا کہ ''چند کتوں اور شعراء کو سفر میں بھی ساتھ رکھتا، اُن کے ساتھ کھانا کھاتا اور بعض شعراء تو کتوں کی زبانیں منہ میں لیا کرتے'' فیضی نے شراب کا جام یہ کہتے ہوئے چڑھایا کہ ''ایں پیالہ را بہ کوری فقہامی خورم'' یعنی یہ پیالہ فقہاء کے اندھے پن کے نام پر چڑھاتا ہوں۔ مفتی صدر جہاں بھی پیچھے نہ رہا اور اُس نے شراب نوشی کے علاوہ اکبر کے حکم سے اپنی داڑھی بھی صاف کروادی۔ ابوالفضل کا قلم بھی اکبر کے دین الٰہی کی اشاعت میں مصروف ہو گیا۔ خود جہانگیر نے ابوالفضل کے متعلق لکھا: ''جس نے اپنے ظاہر کو زیورِ اخلاص سے آراستہ کر کے بہت گراں قیمت پر میرے باپ کے ہاتھ بیچا تھا''۔ بلکہ آخر کار جہانگیر تو ابوالفضل سے اِس قدر متنفر ہو گیا کہ اُس نے بیر سنگھ دیو کے ہاتھوں اُس کا سر قلم کروا کر الٰہ آباد منگوایا۔

تربیت سے خالی علم و امارت کے احوال و انجام سے واقفیت کے بعد اگر دوسری طرف نظر دوڑائیں تو نقشبندیت کے امام، حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ صدق و صفا نظر آتی ہے، پچھلی رات چٹائی پر بیٹھ کر، اسباب کی عدم موجودگی میں، فتنہ و باطل کا مقابلہ اور حق کی اشاعت کرنے والی ہستی کو جب زنداں میں ڈال دیا گیا تو فرصت میسر آئی اور چودہ سپارے حفظ کر لیے، مصائب کو برداشت کرتے رہے لیکن حق پر ڈٹے رہے اور اِسی لیے بے نقطہ تفسیر لکھنے والا فیضی اور ابوالفضل اپنے علم و امارت سمیت ختم ہو گئے لیکن ''شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ'' آج بھی ''مجدد'' ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، جانشینِ حضرت کرماں والا نے محبت بھرے انداز میں ارشاد فرمایا: ''اگر ایک نوجوان ایم۔ بی۔ اے کر جائے اور دوسرا تکنیکی یا سائنسی علوم کی بجائے عمومی علوم حاصل کرے لیکن شب بیدار و تہجد گزار، اعلیٰ اور پاکیزہ کردار کا حامل، ذکر و فکر

کرنے والا اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل سے معمور ہو تو اِس صورتِ حال میں دراصل ہم مقصدِ تعلیم میں کامیاب ہیں''۔

فضائل علم و علماء

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

اَلْعِلْمُ حَیَاۃُ الْاِسْلَامِ وَعِمَادُ الدِّیْنِ

ترجمہ: علم اسلام کی زندگی اور دین کا ستون ہے۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اَلْعِلْمُ خَیْرٌ مِّنَ الْعِبَادَۃِ

ترجمہ: علم عبادت سے بہتر ہے۔(کنز العمال)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انھوں نے فرمایا:

تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَۃً مِّنَ اللَّیْلِ خَیْرٌ مِّنْ اِحْیَائِھَا

ترجمہ: رات میں ایک گھڑی علم کا پڑھنا پوری رات جاگنے سے بہتر ہے (مشکوٰۃ المصابیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصروفِ گفتگو تھے کہ وحی آئی، یہ شخص جو آپ کے ساتھ گفتگو کر رہا ہے، اِس کی عمر صرف ایک ساعت باقی رہ گئی ہے، عصر کا وقت تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس صحابی رضی اللہ عنہ کو اِس بات سے آگاہ کیا تو وہ بے قرار ہو گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے لیے اِس وقت کون سا عمل کرنا بہتر ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِشْتَغِلْ بِالتَّعَلُّمِ یعنی علم حاصل کرنے میں مشغول ہو جاؤ تو وہ علم حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے اور مغرب سے پہلے اُن کا انتقال ہو گیا۔(تفسیر کبیر)

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ نبوی شریف میں تشریف لائے تو دیکھا کہ روشن چہرے

والے ستاروں جیسے کچھ لوگ تعلیم و تربیت میں مشغول ہیں جبکہ کچھ لوگ نماز و نوافل میں مصروف ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نگاہِ نبوت اُٹھائی، نظر رحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا: دونوں بھلائی پر ہیں مگر ایک افضل ہے، کیونکہ اللہ کی بارگاہ میں دعا اور عبادت کرنے والے گروہ کو اگر وہ چاہے تو عطا کرے اور چاہے تو کچھ نہ دے اور یہ لوگ جو کچھ سیکھ رہے ہیں اور کچھ سکھلا رہے ہیں، یہی افضل ہیں اور میری بعثت کا مقصد بھی یہی (تعلیم دینا) ہے۔ یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم والی مجلس میں تشریف فرما ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب لڑکوں کو علم پڑھتے ہوئے دیکھتے تو ارشاد فرماتے، شاباش! تم حکمت کے سرچشمے ہو، تاریکی میں روشنی کے مینار ہو، کپڑے پھٹے پرانے ہیں لیکن دل تر و تازہ ہیں، تم علم کے لیے مدارس میں قید ہوئے مگر تم ہی قوم کے مہکنے والے پھول ہو"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "عالم زمین پر خدا کا امین ہے"۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: رضائے الٰہی کے لیے علم حدیث کی تحصیل دنیا بھر کی نعمتوں سے افضل ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "فی الدنیا حسنۃ" سے مراد رزق حلال اور علم ہے، فی الآخرۃ حسنۃ سے مراد جنت ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "علم کا ایک باب سیکھنا اور اس پر عمل کرنا، دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے افضل و اعلیٰ ہے"۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عرب سے مخاطب ہو کر کہا: اے قوم عرب! علم حاصل کرو ورنہ مجھے خوف ہے کہ علم تم سے نکل کر دوسرے لوگوں میں چلا جائے گا اور تم ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ تم علم حاصل کرو کیونکہ علم دنیا میں عزت کا سبب ہے اور آخرت میں بھی"۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: سینے میں علم، اندھیرے گھر میں چراغ کی مثل ہے۔

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علم مال سے بہتر ہے کیونکہ مال کی حفاظت کرنا پڑتی ہے لیکن علم تمہاری حفاظت کرتا ہے، مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے لیکن علم خرچ کرنے سے

بڑھتا ہے، علم حاکم ہے اور مال محکوم، مالدار چل بسے لیکن علم والے زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے، بے شک ان کے اجسام مٹ گئے ہیں لیکن ان کے علمی کارنامے مٹنے والے نہیں"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّامِنْ ثَلٰثَةٍ مِّنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ ترجمہ: جب انسان مرجاتا ہے تو اس سے اس کا عمل کٹ جاتا ہے مگر تین عمل کا ثواب برابر جاری رہتا ہے: صدقہ جاریہ، علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

صدقہ جاریہ سے مراد ہے مسجد و مدرسہ بنوانا یا زمین اور کتاب وغیرہ وقف کرنا۔ علم سے مراد دینی کتابیں تصنیف کرنا اور اچھے شاگردوں کو چھوڑ جانا۔ جس سے دینی فیضان جاری رہے۔ باپ نے اگر اپنی اولاد کو نیک بنایا تو وہ اس کے لیے دعائے خیر کریں یا نہ کریں باپ کو بہر حال ثواب ملے گا۔

عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کمال تقویٰ یہ ہے کہ نیا علم حاصل کرتے رہو، یہ علم پر ظلم ہے کہ اس میں اضافہ کا خیال نہ ہو، علم میں اضافہ سے غفلت اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی اپنے موجودہ علم سے فائدہ نہیں اٹھا رہا ہے"۔

ایک حکیم کا مقولہ ہے کہ: علماء بارانِ رحمت ہیں، وہ جہاں بھی ہوں گے، فائدہ اور نفع ہی پہنچائیں گے"۔

ابن المقفع نے کہا: "علم حاصل کرو، بادشاہ ہوئے تو اونچے ہو جاؤ گے، اگر عام آدمی ہوئے تو زندہ رہ سکو گے"۔

لقمان حکیم نے کہا: سب سے افضل مومن عالم ہے کیونکہ اس سے ہمیشہ بھلائی ملتی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بطور وصیت فرمایا: ظاہر و باطن میں خدا سے ڈرو، ہر مسلمان سے بھلائی کرو اور اہل علم سے علم حاصل کرو"۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام کو اختیار دیا گیا

کہ علم کا انتخاب کرلو یا سلطنت کا، انہوں نے علم کو پسند کیا جس کی بدولت اللہ تعالیٰ جلشانہ نے انہیں سلطنت بھی عطاء فرمادی"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "وہ مجلس کتنی خوبصورت ہے جس میں علم کی اشاعت ہوتی ہو اور رحمت کی امید کی جاتی ہے"۔

حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: علم سے بہتر کوئی طریقہ نہیں جس سے عبادت الٰہی ممکن ہو"۔

عبیداللہ بن ابی جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: علماء، اہل دنیا کے لیے روشنی کا مینار ہیں، انہی کے سبب گمراہ لوگ ہدایت حاصل کرتے ہیں"۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علم کا ایک باب جسے آدمی اپنی اصلاح اور بعد والوں کی اصلاح کے خیال سے پڑھتا ہے، سال بھر کی عبادت سے افضل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں ایک گھڑی بیٹھ کر اپنے دین میں تفقہ حاصل کروں تو یہ میرے لیے اس سے کہیں بہتر ہے کہ شام سے صبح تک پوری رات عبادت الٰہی میں گزار دوں"۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہر چیز کا راستہ ہے اور جنت کا راستہ علم ہے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: طلبِ علم، نفلی نماز سے افضل ہے"۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر نیت نیک ہو تو طلب علم سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں"۔ حدیث پاک میں ہے کہ ہر چیز کا ستون ہوتا ہے اور اس دین کا ستون علم ہے"۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے لڑکوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا: علم حاصل کرو کیونکہ مال دار ہوئے تو علم تمہارا جمال ہوگا اور غریب ہو گے تو علم تمہارے لیے لازوال دولت ثابت ہوگا"۔

مقبولیت کا معیار

دوسری صدی ہجری کے مشہور و معروف، حدیث و فقہ کے نہایت بلند پایہ عالم حضرت امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ جن کے استاد گرامی حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ اُن کو عالم المشرق و المغرب کہنے کا حکم فرماتے تھے اور جن کے شاگردوں میں سے حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ موجود ہوتے، وہ ایک مرتبہ شہر رقہ میں تشریف لائے، اتفاق سے ان دنوں خلیفہ ہارون الرشید بھی وہیں مقیم تھے۔ امام صاحب شہر میں داخل ہوئے تو لوگ دیوانہ وار ان کی طرف دوڑے ایک شور و غوغا بلند ہوا، فضا پر غبار چھا گیا، خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی نے محل کی چھت پر چڑھ کر دیکھا تو پوچھا کیا بات ہے؟ بتایا گیا کہ خراسان کے ایک عالم تشریف لا رہے ہیں، وہ حیران ہو کر بولی کہ حقیقت میں بادشاہ تو یہی شخص ہے، ہارون کا تو یہ حال ہے کہ ڈنڈے کے بغیر لوگوں کو جمع ہی نہیں کر سکتا۔

خلیفہ ہارون الرشید بنفیس نفس علماء کرام کی خدمت کے فرائض انجام دیتا، کھانے کے وقت علماء کے ہاتھ خود دُھلاتا، ایک مرتبہ اس نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ وہ فنون عربیت کے امام اصمعی کے پیروں پر پانی ڈال رہا ہے اور اصمعی وضو کر رہے ہیں ہارون نے دیکھ کر کہا: اصمعی! آپ نے میرے بیٹے کی تربیت کا حق ادا نہیں کیا، آپ اسے یہ حکم کیوں نہیں دیتے کہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے آپ کے پاؤں دھوئے۔

اسی طرح سے سلطان شمس الدین التمش جو دہلی کا پہلا خود مختار تخت نشین تھا، اس کے دربار میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی اور وہ دربار میں وعظ اور علمی مباحثوں اور مذاکروں کی مجلس قائم کرواتا، اولیاء اللہ اور علماء شریعت سے اُسے قلبی لگاؤ تھا۔ اسی طرح سلطان محمد تغلق ایک بادشاہ ہونے کے باوجود نہ صرف حافظ قرآن تھا بلکہ عربی و فارسی میں مکمل مہارت رکھتا تھا، فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ شریف اس کے نوک بزبان تھی۔

جب ہم اپنے ماضی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اپنی صفوں میں طبری اور ابن خلدون، امام

غزالی اور رازی، ابن رشد اور بو علی سینا، البیرونی اور الفارابی اور شاہ ولی اللہ جیسے رجال فکر اور صاحبان علم نظر آتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا تھا کہ علم تو بندۂ مومن کی میراث ہے جس میں غیروں نے نقب لگا رکھی ہے۔

آج بھی امریکہ میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتابوں میں مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ شامل ہے۔ وہاں یونیورسٹیوں میں صوفی ازم اور روحانیت کے بے شمار ڈگری کورسز کروائے جا رہے ہیں بلکہ پی ایچ ڈی تک ہو رہی ہے۔ ابن عربی، رومی، عطار، قونوی، ابن خلدون اور ابن سینا کے فلسفے پر مقالات اور کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔

حضرت امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

تمہیں چاہیے کہ علماء کی خدمت میں رہو اور ان کے پاس بیٹھا کرو کیونکہ وہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چراغ ہیں جبکہ جاہلوں اور ان کی صحبت سے دور رہو اور دنیا داروں سے صحبت نہ رکھو کیونکہ ان کی صحبت تم کو خدا سے دور کر دیتی ہے۔

امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ فرمودہ حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب معراج شریف کے لیے تشریف لے گئے تو چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ **عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل** یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو طلب کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کروائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: آپ کا نام کیا ہے؟ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: محمد ابن محمد ابن محمد...... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے صرف آپ کا نام پوچھا تھا اور آپ نے سلسلہ نسب سنا دیا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: آپ سے بھی رب نے صرف اتنا پوچھا تھا کہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے؟ آپ عرض کر

دیتے: عصاء۔آپ نے بھی کئی باتیں بتائیں کہ میں اس سے بکریاں چراتا ہوں اور اس پر ٹیک لگاتا ہوں۔آپ فرمانے لگے: مجھے تو اللہ سے ہم کلامی کا شوق تھا۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: آپ کو تو صرف ہمکلامی کا شوق تھا، ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اللہ کے ہاں جا رہے ہیں۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو ڈانٹا اور پسلی کے اوپر ضرب لگا کر کہا کہ ادب کرو کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ بھی وقت کے پیغمبر ہیں۔ چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جب پیدا ہوئے تو ان کی ایک پسلی ٹیڑھی تھی۔ یہ نہ سمجھنا کہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی شان کم ہے۔

صوفیاء اور تدریس

خانقاہی نظام میں تدریس کو جسم میں ریڑھ کی ہڈی جیسی اہمیت حاصل ہے۔اسی لیے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پیشواء، شیخ احمد سرہندی مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ دسویں صدی ہجری کے نہایت ہی مشہور صوفی اور مجدد ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم عالم دین بھی تھے۔صغرسنی میں ہی قرآن حفظ کر کے اپنے والد سے علوم حاصل کیے پھر سیالکوٹ جا کر مولانا کمال الدین کشمیری سے معقولات کی تکمیل کی اور اکابر محدثین سے فنِ حدیث حاصل کیا۔آپ سترہ سال کی عمر میں تمام مراحل تعلیم سے فارغ ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔تصوف میں سلسلہ چشتیہ کی تعلیم اپنے والد سے پائی، قادریہ سلسلہ کی تعلیم شیخ سکندر کیتھلی اور سلسلہ نقشبندیہ کی تعلیم دہلی جا کر حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔آپ کے علم و بزرگی کی شہرت اس قدر پھیلی کہ روم، شام، ماوراء النہر اور افغانستان وغیرہ تمام عالم اسلام کے مشائخ وعلماء اور ارادت مند آ کر آپ سے مستفید ہوتے۔

حضرت خواجہ عبدالاحد (گلِ وحدت) رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ (گل وحدت) کمسنی ہی میں تمام دینی علوم میں طاق ہو گئے تھے۔نماز روزہ کی ادائیگی میں بہت مستعد اور پابند تھے۔اس بلا کے ذہین تھے کہ پندرہ سولہ

سال کی عمر میں حضرت خازنِ رحمت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے اور واپسی پر حالت سفر اور فیوض حرمین شریفین سے متعلق ایک کتاب عربی میں اس خوبی سے تحریر فرمائی کہ اچھے اچھے عالم حیران رہ گئے۔ جو دیکھتا اور پڑھتا، عش عش کر اٹھتا۔ شریعت کا بے حد لحاظ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت خازنِ رحمت رحمۃ اللہ علیہ نے پاسِ شریعت اور فراوانی شوق کا جب یہ عالم دیکھا تو انہیں اجازت تلقین طریقہ عنایت فرمادی۔

حضرت خواجہ مخدوم قاضی احمد دمائی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مخدوم کے والد بزرگوار خواجہ محمد صدیق بھی خدا دوست، متقی اور پرہیز گار بزرگ تھے، بچپن ہی سے حضرت کا میلان فقر کی طرف تھا۔ ابتدائی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی اور تکمیل علوم موضع لکی تحصیل سوہن کی مشہور درس گاہ میں ایک فاضل اجل استاد کے ہاتھوں فرمائی، جہاں کچھ مدت حضرت نے بھی معلّمی کی مسند کو زینت بخشی، حکومت وقت کی نگاہوں میں حضرت کے خاندان کی بہت وقعت تھی، جب فارغ التحصیل ہوئے تو انہیں ''قضاۃ'' کا عہدہ سپرد ہوا، حضرت لکی سے دَم میں آ کر بس گئے۔ ملک بھر میں حضرت کے فتاویٰ چلتے تھے اور عوام وخواص میں ''قاضی احمد'' کے نام سے مشہور تھے۔

حضرت پیر سیّد امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (مکان شریف)

بچپن ہی سے حضرت کی طبع مبارک میں عشق وگداز اور سوز وساز بھرا ہوا تھا اور شاعری کی طرف مائل تھا، زمانہ تعلیم میں بھی فی البدیہ اشعار کہا کرتے تھے، اس عمر میں ایک مرتبہ شیخ الشیوخ عالم حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے، وہاں ایک منجم بیٹھے ہوئے تھے، فرماتے ہیں، وہ میری طرف غور سے دیکھ کر بولے ''اس صاحبزادے کا رتبہ بہت بلند ہوگا، اور خاندان کے ایک سن رسیدہ بزرگ سے فیض حاصل کرے گا'' یہ اُن کی بات پر بہت متعجب ہوئے، خاندان کے تمام لوگ آنکھوں کے آگے گھوم گئے، آخر کار انہی ایام میں فخر خاندان حضرت شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگئی، حضرت کے چہرے پر فیوض رحمانی وتجلیات نورانی کی مچلتی ہوئی

کرنوں کو دیکھ کر فرمانے لگے ''صاحبزادے، کون سی کتاب پڑھتے ہو؟'' یہ ابھی جواب نہ دینے پائے تھے کہ ارشاد فرمایا ''مثنوی شریف پڑھا کرو، اس کے مطالعہ سے عمل میں اصلاح، اعتقاد میں سچائی، قلب میں روشنی اور روح میں قوت پیدا ہوتی ہے'' گویا اعلیٰ حضرت یہ سبق اُس بچے کو دے رہے تھے جس نے ایک دن سرتاج ولایت اور امام الاولیاء بننا تھا اور جس کی آمد کی بشارت حضور سرورِ دوعالم ﷺ نے ان کے جد اعلیٰ کو دی تھی اور جن کی تربیت کے لیے حضرت شاہ حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو سید الاولین و الآخرین حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے خصوصی احکامات ملے تھے۔ اگلے روز اعلیٰ حضرت نے انہیں طلب کیا اور مثنوی کے چند اشعار کی تشریح فرمائی، حضرت دل تھام کر رہ گئے، اس روز کے بعد انہیں بھی کچھ ایسا عشق سا ہو گیا کہ روزانہ کتاب لے کر اعلیٰ حضرت کے پاس جاتے اور باقاعدہ سبق لینے لگے۔ کہتے ہیں مثنوی کی تشریح اور فصاحت اعلیٰ حضرت پر ختم تھی، اس دل نشیں انداز میں بیان فرماتے کہ حاضرین بے خود ہو کر جھوم جھوم جاتے۔

جامعہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ (شرقپور شریف)

حضرت میاں غلام اللہ ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیر ربانی شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک احیائے سنت مصطفےٰ ﷺ کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے ''جامعہ حضرت میاں صاحب'' کے نام سے اہل سنت و جماعت کو ایک مرکز فراہم کیا۔ یہ مرکز **1944**ء میں ''جامع مسجد حضرت میاں صاحب'' شرقپور شریف میں قائم ہوا۔ طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد اور انتظامی اُمور کے پیش نظر حافظ نور علی شرقپوری کا مکان کرایہ پر حاصل کیا گیا۔ جامعہ کو اس میں منتقل کر دیا گیا۔ بعد ازاں جامعہ کے نام سے اراضی حاصل کی گئی۔ جس میں باقاعدہ نقشہ کے تحت طلباء، مدرسین، لائبریری اور دفاتر کے لیے کمرے بنائے گئے۔ تجربہ کار اور محنتی اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ مختصر عرصہ میں اساتذہ کی محنت اور حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں سے یہ ادارہ پورے ملک میں متعارف ہو گیا۔ حتیٰ کہ یہ جامعہ قرآن، حدیث، تفسیر، اصول تفسیر، اصول

حدیث، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، فارسی، ادب، عربی اور دیگر فنون کا عظیم الشان مرکز بن گیا۔ طلباء کی کثیر تعداد ''جامعہ حضرت میاں صاحب'' شرقپور شریف میں زیر تعلیم تھی، کچھ طلباء بھگوڑے بھی ہوتے تھے جو بعض اوقات وقت ضائع کرنے کے لیے کبھی بیٹھک میں جا گھستے اور کبھی مزار شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ میں پہنچ جاتے۔ علامہ مفتی محمد عبدالغفور شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دربار شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ پر تشریف لے گئے تو وہاں دو تین طلباء کو دیکھا کہ وہ پڑھائی کے وقت بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان سے مزار پُر انوار پر آنے کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے عرض کیا: حضور! ہم صرف حاضری کی غرض سے آئے ہیں۔ آپ ان کو ساتھ لے کر جامعہ میں تشریف لائے اور پڑھائی سے غیر حاضری پر خوب ڈانٹ ڈپٹ کی۔ ساتھ ہی اعلان فرمایا کہ اوقات تعلیم میں جو طالب علم بیٹھک میں جائے گا یا دربار شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ میں جائے گا اسے سخت سزا دی جائے گی۔ فرمایا کہ بیٹھک میں طلباء اور اساتذہ مجھے صرف چھٹی کے دن مل سکتے ہیں۔ چھٹی کے دن کے علاوہ کوئی میرے پاس آنے کی ہرگز کوشش نہ کرے۔ آپ کے اس اعلان پر سختی سے عمل ہوا۔ کسی طالب علم میں جرأت نہ ہوتی کہ وہ اوقاتِ تعلیم میں دربار شریف پر جائے یا بیٹھک میں جا کر حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دے۔ حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اصلاحی پیغام وقتی نہیں تھا بلکہ دائمی تھا۔ تمام آستانوں اور مدارس کے مہتمم حضرات کی ذمہ داری ہے کہ اوقات تعلیم میں طلباء کو کسی کام میں ہرگز نہ لگائیں اور نہ ادھر اُدھر جانے دیں تا کہ ان کی تعلیم کا حرج نہ ہو۔

☆

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ ابتدائی کتابیں پڑھ لینے کے بعد تقریباً بیس سال کی عمر میں اعلیٰ دینی علوم کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے۔ سہارنپور میں مدرسہ مظاہر العلوم ان دونوں تشنگان علم دین کے لئے ایک چشمہ فیض تھا۔ آپ نے وہیں کا قصد کیا۔ بوقت رخصت آپ

کے شفیق چچانے فرمایا ''برخوردار! وہ علم حاصل کر کے آنا جس سے مخلوق خدا کو نفع پہنچے نہ کہ وہ علم جو خشک ہو اور صرف قیل وقال تک محدود ہو۔'' چنانچہ ابتداء سے ہی آپ کے دل میں علم اور عمل کی لگن پیدا ہو گئی۔ یہ بات آپ کے دلنشیں ہو چکی تھی کہ علم وہی فائدہ مند ہے جس سے عمل صالح کی راہیں ہموار ہوں۔ مدرسہ مظاہر العلوم سے تکمیل علم کی سند حاصل کر کے آپ نے دہلی میں مدرسہ مولوی عبدالرب میں داخل ہو کر وہاں دورہ حدیث ختم کیا۔

قیام دہلی کے دوران ایک موقع پر مدرسہ میں مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی۔ ایسی مجالس اس مدرسہ میں وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی تھیں۔ نوآموز طلبہ کثیر تعداد میں شریک محفل تھے۔ علمی تقریریں ہو رہی تھیں۔ طلبہ اپنی قابلیت کے جوہر دکھا رہے تھے۔ صدر مجلس نے آپ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ''آپ بھی کچھ کہیں گے؟''۔ مشفق استاد کا اشارہ پا کر آپ رحمۃ اللہ علیہ تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

آپ نے آیہ مبارک اَیۡنَمَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ۔

تلاوت فرمائی اور اس کی تفسیر میں اردو زبان میں ایسی تقریر دل پذیر کی کہ سب اساتذہ عش عش کر اٹھے اور آپ کے ہم عصر ہندوستانی طلبہ انگشت بدنداں رہ گئے۔ دنیا کی بے ثباتی اور یاد الٰہی کی اہمیت کو نہایت وضاحت سے بیان کیا۔ اس دن سے اساتذہ آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔

علوم دین کی تحصیل کے لئے آپ مدرسہ نعمانیہ لاہور میں بھی کچھ عرصہ زیر تعلیم رہے۔ شمالی ہندوستان میں یہ مدرسہ علوم دین کا سرچشمہ تھا اور ان دنوں جامع عالمگیری (بادشاہی مسجد) سے ملحق تھا۔ بڑے بڑے فاضل علماء یہاں درس وتدریس کا کام سرانجام دیتے تھے۔ تحصیل علوم ظاہری کے بعد آپ وطن مالوف موضع کرموں والا (ہندوستان کے ضلع فیروز پور میں واقع آبائی گاؤں) میں واپس آ گئے اور ایک چھوٹی سی مسجد میں چند طالب علم جمع کر کے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

حضرت کرماں والا اسلامک یونیورسٹی

پاکستان (پنجاب) میں لاہور سے ایک سو چھبیس کلومیٹر کے فاصلے پر اوکاڑہ شہر سے تقریباً پانچ کلومیٹر دور جی۔ٹی روڈ کے بالکل قریب ''حضرت کرماں والا اسلامک یونیورسٹی'' کے قیام کا منصوبہ وسیع جگہ پر محیط ہے جس میں طلباء اور طالبات کو ہاسٹل کی سہولت بھی میسر ہے۔اسلامی علوم سے بے بہرہ، حکمت اور روحانیت سے دور مذہبی افراد اور نام نہاد روشن خیال لوگوں نے اقوامِ عالم کے سامنے اسلام کی جو تصویر پیش کی ہے اس میں اسلام ایک تشدد پسند، جبری، خونی، دہشت گرد، قدامت پسند اور فطرت انسانی کے خلاف نظر آتا ہے جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے چنانچہ آج ضرورت ہے کہ اسلام کے حقیقی علوم سے لوگوں کو بہرہ مند کر کے حکمت، برداشت، حقیقتِ جہاد اور روحانیت کے زیور سے آراستہ کیا جائے تا کہ عالمی تناظر میں اسلام کو ایک پرامن، جدید اور قابلِ عمل دین کے طور پر دیکھا جا سکے۔''حضرت کرماں والا اسلامک یونیورسٹی'' میں جدید طریقوں سے اعلیٰ اسلامی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔چونکہ موجودہ دور میں کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی سے استفادہ وقت کی ایک اہم ضرورت بن گیا ہے چنانچہ حضرت کرماں والا اسلامک یونیورسٹی میں کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔زبانیں مختلف قوموں سے رابطے کا ذریعہ ہیں۔لوگوں کی زبان میں گفتگو کر کے ان کے قریب ہوا جا سکتا ہے۔اس وقت دنیا کو تہذیبوں کے تصادم کا جو خطرہ درپیش ہے اسے ایک حد تک یوں بھی کم کیا جا سکتا ہے کہ اقوام عالم ایک دوسرے کی زبان سے واقف ہوں تا کہ آپس کے مکالمے اور مباحثے سے موانست پیدا ہو، تعصب اور نفرت کے مہیب بادل چھٹ جائیں اور دنیا محبت واخوت کا گہوارا بن جائے۔اسی لئے حضرت کرماں والا اسلامک یونیورسٹی کے پروگرامز میں انگلش زبان کا کورس کروانا شامل ہے۔

''تربیت'' صوفیاء کی تعلیمات میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے اور صحیح علم پر صحیح طریقے سے بروقت عمل تربیت کا خاصہ ہے۔تعلیم کو تربیت کے سانچے میں نہ ڈھالا جائے تو شخصیت

نکھرنے کی بجائے مزید بدنما ہو جاتی ہے۔ تعلیم اور تربیت اگر ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم شخصیت بن جاتی ہے۔ اگر تعلیم کے ساتھ تربیت نہ ہو تو ابوالفضل اور فیضی جیسے اہل علم ایک نئے دین کے موجد بن کر سامنے آتے ہیں۔

آج مسلمانوں کی عظمت اور امن پسندی پر قدامت اور دہشت گردی کا لیبل لگانے میں کفار سے زیادہ ان غیر تربیت یافتہ نام نہاد دینی طلباء کا ہاتھ ہے جن کے سینے خواہشاتِ نفسانی سے لبریز ہیں۔ ان کے دلوں میں جب اقتدار کی خواہش کروٹ لیتی ہے تو جہاد جیسی مقدس عبادت کی آڑ میں فساد پھیلاتے ہیں اور اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خون سے ہاتھ رنگ لیتے ہیں۔ اگر انہیں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی دی جاتی تو آج ان کے پاس کلاشنکوف کی بجائے خلق محمدی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور نگاہِ باطنی کا ہتھیار ہوتا۔ وہ پاکیزہ خلق کہ جس کی بدولت سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کی وادی میں زخمی ہو کر اور خون بہا کر بھی مارنے والوں کو دعا دی تھی۔ اگر ان دینی طلباء کو صحیح اسلامی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کے زیور سے بھی آراستہ کیا ہوتا تو انہیں اس بات کا شعور ہوتا کہ بدر تک پہنچنے کے لئے طائف سے گزرنا پڑتا ہے اور شخصیت کی تکمیل کے لئے اپنی ہستی کو مٹانا پڑتا ہے۔ کبھی تبلیغ یوں بھی ہوتی ہے کہ اگر کوئی یہودی عین حالت جنگ میں منہ پر تھوک دے تو اس کو کچھ نہیں کہا جاتا۔ چنانچہ ''حضرت کرماں والا اسلامک یونیورسٹی'' میں طلباء اور طالبات کو تربیت کے لئے خانقاہی اور روحانی ماحول فراہم کیا جاتا ہے۔

''حضرت کرماں والا اسلامک یونیورسٹی'' میں تادمِ تحریر تقریباً 60 کے قریب نوجوان باقاعدہ طور پر عالمِ دین کورس (درس نظامی) کر رہے ہیں۔ تعلیم کے علاوہ طلباء کے قیام و طعام کا بالکل مفت انتظام کیا گیا ہے جبکہ شعبہ طالبات اور شعبہ حفظِ قرآن میں بھی دو سو کے لگ بھگ طلباء و طالبات زیرِ تعلیم ہیں۔

تدریس اور حضرت بابا جی سیّد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت میاں تاج دین رحمۃ اللہ علیہ (دو گیچ ٹاؤن، لاہور) کا بیان ہے کہ ان کے

صاحبزادے حضرت علامہ مفتی عبدالغفور نقشبندی شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے گوجر پورہ، باغبانپورہ لاہور میں ''جامعہ فاروقیہ رضویہ'' کے نام سے ایک دینی ادارے کی داغ بیل ڈالی اور علوم وفنون کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ تیز رفتاری سے شروع کر دیا۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ میں سالانہ جلسہ منعقد کرنے کا پروگرام بنایا اور اس سلسلے میں صدارت کے لیے حضرت بابا جی سیّد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دی اور مقررہ تاریخ کو مقررہ وقت پر تشریف لانے کے لیے عرض کیا تو آپ نے دعوت قبول فرمالی اور ارشاد فرمایا: (انکساری کی بناء پر) میں جلسہ کی صدارت کرنے کو پسند نہیں کرتا۔ بہرحال آپ حسب وعدہ جلسہ میں تشریف لے آئے۔ جلسہ کے اختتام پر آپ نے حضرت مفتی صاحب سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: مولوی جی! مدرسہ کے لیے جگہ کم ہے، جگہ زیادہ ہونی چاہیے۔ حضرت مفتی صاحب نے کہا: حضور! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مدرسہ کے لیے مزید جگہ عطا فرما دے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے بعد مفتی صاحب نے جامعہ سے متصل مغرب کی جانب دو کنال کا خالی پلاٹ خریدنے کا پروگرام بنالیا۔ پلاٹ کے مالک سے رابطہ کیا گیا تو وہ بھی فروخت کرنے کے لیے تیار ہوگیا حالانکہ اس سے قبل جامعہ کی دیوار سیدھی کرنے کے لیے وہ سوا مرلہ زمین دینے کے لیے بھی تیار نہ تھا۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب نے گہری دلچسپی لیتے ہوئے انتظامیہ کا اجلاس طلب کیا تاکہ حصول اراضی کے بارے میں مشاورت کی جاسکے۔ اجلاس میں انتظامیہ نے خطیر رقم کی ادائیگی کو سنگین مسئلہ قرار دیا۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، چونکہ بابا جی سیّد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا ہے، لہذا ان شاء اللہ رقم کا بھی خود انتظام کر دیں گے۔ اس تجویز پر انتظامیہ مطمئن ہوگئی اور سودا کرنے کی منظوری دے دی۔ مالک پلاٹ سے رابطہ کر کے سودا کرلیا گیا اور مقررہ تاریخ پر رقم کی ادائیگی کا بھی انتظام ہوگیا۔ چنانچہ تعلیم وتربیت کے حوالے سے قائم کردہ مدرسے کی ترقی صرف اِس وجہ سے ممکن ہوئی کہ حضرت بابا جی سیّد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ہمت بندھائی۔

علم اور عاجزی

مولائے کائنات، شیرِ خدا، حیدرِ کرار، مولیٰ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے ایک فرمان کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ جب کوئی علم کے عروج تک پہنچ جائے تو ''لا ادری'' کی وادیوں میں گم ہو جاتا ہے۔

اِسی لیے اربابِ علم و دانش کا قول ہے کہ اس نادان سے بچو جو اپنے آپ کو دانا سمجھتا ہے۔ تحصیلِ علم کا عمل کبھی مکمل نہیں ہوتا، انسان ساری عمر طالبِ علم ہی رہتا ہے، علم پر مکمل دسترس کا تصور محال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم میں اضافے کے ساتھ انسان کے دل میں بے خبری کا احساس بھی جاگزین ہو جاتا ہے۔ علم کی دولت انسان کے پاس جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی اسے اپنی کم آگہی کا ادراک ہوتا چلا جاتا ہے کہ علم تو ایک وسیع سمندر ہے، میں نے تو ابھی اس سمندر سے ایک قطرہ بھی نہیں لیا۔ جب انسان کا علم اپنے نقطہ کمال کو پہنچتا ہے تو اس پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اس کا دامنِ طلب تو ابھی خالی کا خالی ہی ہے سارا علم تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے پاس ہے کہ وہی ہر علم کا سرچشمہ ہے۔

☆

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تلاش و جستجو کے زمانے کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دفعہ مجھے سخت مشکل پیش آئی۔ اس کے حل کے لیے میں نے بہت مجاہدے کیے مگر یہ مشکل حل نہ ہوئی۔ اس سے پہلے بھی مجھے ایک مشکل پیش آئی تھی اور اس کے حل کے لیے میں نے حضرت شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی مجاوری اختیار کر کے اس پر غور و فکر کیا تھا اور میری وہ مشکل وہاں حل ہو گئی تھی۔ اب میں نے پھر ایسا کیا۔ برابر تین ماہ تک ان کا مجاور بنا رہا۔ ہر روز تین مرتبہ غسل کرتا رہا اور تیس دفعہ وضو کرتا رہا۔ لیکن میری یہ مشکل حل نہ ہوئی۔ بالآخر میں نے خراسان جانے کا ارادہ کیا اور راستے میں رات کے وقت ایک خانقاہ میں رات بسر کرنے کے لیے

ٹھہرا۔ وہاں صوفیوں کی ایک جماعت بھی تھی۔ میرے پاس اس وقت موٹے کھردرے ٹاٹ کی ایک گودڑی تھی اور وہی میں نے پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں ایک عصا اور کوزہ (لوٹا) تھا۔ اس کے سوا اور کوئی سامان میرے پاس نہیں تھا۔ ان صوفیوں نے مجھے بہت حقارت کی نظر سے دیکھا اور اپنے خاص انداز میں ایک دوسرے سے کہا کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے اور وہ اپنی اس بات میں سچے تھے، کیونکہ میں فی الواقع ان میں سے نہ تھا۔ میں تو محض ایک مسافر کی حیثیت سے رات بسر کرنے کے لیے ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ ورنہ ان کے طور طریقوں سے میرا کوئی سروکار نہ تھا۔ انھوں نے خانقاہ کے نیچے کے ایک کمرہ میں مجھے بٹھا دیا اور ایک سوکھی روٹی اور وہ بھی روکھی میرے آگے رکھ کر خود کھانے کے لیے اوپر چوبارہ میں جا بیٹھے۔ جو کھانے وہ خود کھا رہے تھے، ان کی خوشبو مجھے آ رہی تھی اور اس کے ساتھ چوبارہ پر سے وہ طنزیہ انداز میں مجھ سے باتیں کرتے تھے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو خربوزے لے کر بیٹھ گئے اور چھلکے مجھ پر پھینکتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی طبیعت کی خوشی اس وقت میری توہین پر موقوف تھی۔ میں اپنے دل میں خدا تعالیٰ سے کہہ رہا تھا، اے میرے خدا، اگر میں نے تیرے دوستوں کا لباس نہ پہنا ہوا ہوتا تو میں ضرور ان کی حرکات کا مزا انکو چکھا دیتا لیکن چونکہ میں اسے خداوند تعالیٰ کی طرف سے ابتلاء سمجھ کر برداشت کر رہا تھا، اس لیے جس قدر وہ طعن و ملامت مجھ پر زیادہ کرتے تھے، میں خوش ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اس طعن کا بوجھ اٹھانے سے میری وہ مشکل جس کے لیے میں مجاہدوں اور اس سفر کی مشقت اٹھا رہا تھا، وہیں حل ہو گئی اور اسی وقت مجھ کو معلوم ہو گیا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے درمیان کیوں رہنے دیتے ہیں اور ان کا بوجھ کس لیے اٹھاتے ہیں۔ نیز یہ کہ بعض بزرگوں نے ملامت کا طریقہ کیوں اختیار کیا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ اس سے بعض اوقات وہ عقدے حل ہو جاتے ہیں جو دوسرے طریقوں سے عموماً حل نہیں ہو سکتے۔

☆

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ جب پہلی مرتبہ اپنے پیرومرشد حضرت میاں شیر

محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بوقت ملاقات دریافت فرمایا: ''شاہ جی! کچھ علم بھی پڑھا ہے؟'' آپ نے عرض کیا ''حضور! پڑھا تو ہے لیکن کچھ سمجھ نہیں ہے''، آپ کی ایسی عاجزی وانکساری دیکھ کر حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دعا دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''شاہ جی! اللہ کریم سمجھ بھی عطا فرمادیں گے''۔

☆

کرموں والے گاؤں (انڈیا) میں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بے تکلف بیلی، سیدھا سادا کمہار رہتا تھا۔ ایک روز اس نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا ''پیر جی! لوگ کہتے ہیں کہ ''آپ کو دل کی بات کا پتہ لگ جاتا ہے'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا: ''تم کمہار کے کمہار رہے نا، او کملیا، دل کی بات تو پانڈے (برتن) بتاتے ہیں۔ اللہ والے تو عرش کی بات بتاتے ہیں۔''

☆

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی علمی شان معمولی نہیں تھی بلکہ آپ کے سینۂ مبارک میں علم کا ایک سمندر موجزن تھا۔ آپ انتہائی عامیانہ انداز میں، آسان فہم مگر دل نشین، سادہ سادہ باتیں کرتے ہوئے گفتگو فرماتے تھے لیکن اُس گفتگو کی علمی اہمیت اور شان وعظمت کا اندازہ صرف علماء کو ہوتا تھا، اِسی لیے آپ کی خدمتِ اقدس میں بڑے بڑے جید علماء بھی زانوئے تلمذ طے کیا کرتے تھے۔ اِس کے باوجود حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھار یوں بھی ارشاد فرمادیا کرتے تھے:

''بیلیو! میریاں گلاں سادیاں سادیاں ہوندیاں نیں،
پَر لگدا اے کہ کوئی عارف وی وِرلا ای سمجھے گا''
(یعنی میری باتیں بالکل سادہ ہوتی ہیں مگر یوں لگتا ہے کہ
کوئی معرفت رکھنے والا بھی شاید ہی سمجھ سکے)

☆

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ علم کا بحرِ بے کراں ہونے کے باوجود کبھی اِس بات پر اِتراتے نہیں تھے۔ حتیٰ کہ یہ بات بھی قابلِ غور وفکر ہے کہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستی نے اگرچہ مدرسہ سہارن پور اور حزب الاحناف جیسے عظیم مدارسِ علمی سے تعلیم حاصل فرمائی لیکن آپ منازلِ سلوک میں عروج طے کرنے کے لیے حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ بگوشِ ارادت ہوئے۔

کتاب ''میری سرکار'' میں تیسری مجلس کے تحت حاجی سیٹھ چراغ دین راوی ہیں کہ موضع کرموں والا ضلع فیروز پور (انڈیا) میں حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد سے متصل آپکا حجرہ تھا جس میں بہت سی کتابیں موجود تھیں لیکن دیوار کے ساتھ بے ترتیب تختوں پر پڑی رہتی تھیں، ایک دن اِنہوں نے خیال ظاہر کیا، کتابوں کے لیے کوئی مضبوط الماری ہونی چاہیے، آپ نے سُن کر ارشاد فرمایا: ''اچھا فیروز پور سے کوئی مضبوط، اچھی اور بڑی الماری بنوا کر بھیج دینا، سیٹھ صاحب نے الماری بھجوائی مگر اُس میں کتابیں نہ سمائیں، پھر ایک دن سیٹھ صاحب نے دل میں خیال کیا، حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کبھی یہاں کرموں والا تشریف نہیں لائے، حضرت صاحب کرماں والے فوراً فرمانے لگے، میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارا گاؤں دیکھا ہے، کبھی کبھی سفید گھوڑے پر تشریف لاتے ہیں لیکن ظاہراً نہیں۔ یہ پھر خیال کرنے لگے، اگر میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئیں تو یہ کتابیں دیکھ کر خیال کریں گے کہ شاہ صاحب اتنی کتابیں پڑھتے ہیں! حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً ارشاد فرمایا، اگر میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ یہاں آئیں تو ہم اِن کتابوں پر کپڑا ڈال دیں گے، جیسے زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے اپنے بتوں پر کپڑا ڈال دیا تھا۔ اللہ والے علم پر اِتراتے نہیں، اپنی علمیت دکھاتے نہیں بلکہ چھپاتے ہیں۔ کیونکہ فخر کرنے والا اُسی چیز پر اِتراتا ہے جو اُسکی نظر میں سب سے عمدہ ہوتی ہے اور اللہ والوں کی نظر میں معرفتِ الٰہی سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

خدمتِ خلق

خانقاہی نظام کے پانچ بنیادی ستونوں میں ’’خدمتِ خلق‘‘ پانچواں ضروری ستون ہے۔ کسی بھی خانقاہ کے وجود میں اِس کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی جیسی ہے۔ اگر خانقاہی نظام کو متحرک اور فعال کرنا ہے تو ’’خدمتِ خلق‘‘ کے بغیر اِس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

خدمتِ خلق

’’پانچویں نمبر پر خدمتِ خلق یعنی’’سوشل ورک‘‘ ہے۔ میرے نزدیک یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ آپ ایک آدمی کو زکوٰۃ دے دیں، جب ختم ہو جائے تو پھر دے دیں اور پھر ختم ہو جائے تو پھر دے دیں۔ اِس کی بجائے کچھ اِس انداز سے اُسکی مدد کی جائے کہ کچھ سالوں کے بعد جہاں آپکا بیٹا زکوٰۃ دے رہا ہو تو اُسکا بیٹا بھی زکوٰۃ دے رہا ہو، بلکہ بہتر یہ ہے کہ آپ سے بڑھ کر دے رہا ہو۔ مواقع یکساں ہونے چاہییں۔ مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے، جب میں دیکھتا ہوں کہ بادشاہِ وقت کے بچے تو ہاورڈ میں پڑھیں اور کوئی آکسفورڈ میں پڑھے لیکن جب وہ اپنی رعایا کے پڑھے لکھے نوجوانوں کے لیے کچھ کرنا چاہیں تو کہتے ہیں سی۔ این۔ جی رکشہ چلاؤ۔ حالانکہ مواقع تو یکساں ہونے چاہییں۔ خود اپنے تو بڑے بڑے کارخانے ہوں اور عوام کے لیے یلیو کیب (ٹیکسی) دے دیں۔ مواقع تو بہر حال یکساں ہوں۔ خواہ وہ بچہ کسی حکمران کا ہو یا کسی پیر صاحب کا ہو، مواقع یکساں ہونے چاہییں۔ اصل خدمتِ خلق تب ہوتی ہے۔ ویسے یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ اگر کوئی بیمار ہو، کسی کو چوٹ لگی ہو تو پٹی تو کرنی ہوتی ہے لیکن جڑ سے زخم کو ختم کرنا ہو یا کسی ناسور کو جڑ سے اُکھاڑنا ہو تو پھر اُس کا دیرینہ علاج ہی کرنا چاہیے‘‘

شیخ المشائخ، باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری

سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف اوکاڑا

اسلام میں عبادت کا مفہوم محدود نہیں ہے بلکہ بہت وسیع ہے۔ کیونکہ عبادت درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کا حصول یا اطاعت ہے کیونکہ بظاہر نماز عبادت ہے لیکن اگر کوئی کہے کہ میں آج کی نماز کل پڑھوں گا تو اُس کی یہ عبادت قبول نہیں کی جائے گی، اِسی طرح روزہ عبادت ہے لیکن اگر یہی روزہ عید کے دن رکھا جائے تو عبادت کی بجائے نافرمانی شمار ہوگا۔ لہذا نماز، روزہ وغیرہ فی نفسہٖ اظہار ہے لیکن دراصل عبادت اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت یا خوشنودی کا حصول ہے اور اللہ کریم کی خوشنودی، اُس کی مخلوق کے ساتھ بھلائی اور اچھائی کرنے میں پوشیدہ ہے۔

قرآن اور خدمتِ خلق

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

لَّيۡسَ الۡبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلَـكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الآخِرِ وَالۡمَلآئِكَةِ وَالۡكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الۡمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الۡقُرۡبَى وَالۡيَتَامَى وَالۡمَسَاكِينَ وَابۡنَ

السَّبِيلِ وَالسَّآئِلِينَ وَفِى الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ وَالصَّابِرِيْنَ فِى الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ○

ترجمہ: نیکی (صرف) یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب (کو قبلہ سمجھ کر اُن) کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال، باوجود عزیز رکھنے کے، رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اُس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔ (سورۃ البقرۃ:۱۷۷)

اِسی طرح ایک دوسرے مقام پر قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ○ وَلِسَاناً وَشَفَتَيْنِ ○ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ○ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ○ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ○ فَكُّ رَقَبَةٍ ○ أَوْ إِطْعَامٌ فِى يَوْمٍ ذِى مَسْغَبَةٍ ○ يَتِيماً ذَا مَقْرَبَةٍ ○ أَوْ مِسْكِيناً ذَا مَتْرَبَةٍ ○ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ○

ترجمہ: کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں، اور زبان اور ہونٹ (نہیں) بنائے، ہم نے دکھا دیئے اس کو دونوں راستے، سو اس سے نہ ہو سکا کہ گھاٹی میں داخل ہوتا، اور کیا

سمجھا کہ گھاٹی ہے کیا؟ کسی گردن (غلام لونڈی) کو آزاد کرنا، یا بھوکے کو کھانا کھلانا، کسی رشتہ دار یتیم کو، یا خاکسار مسکین کو، پھر ان لوگوں میں ہو جاتا ہے جو ایمان لاتے اور ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔

عبادتِ خداوندی

چنانچہ آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف سجدہ سجود، رکوع، روزہ، حج وغیرہ میں ہی نہیں بلکہ اِس کے کچھ اور طریقے یا انداز بھی موجود ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جا سکتا ہے۔ بنیادی طور پر عبادت کے حسبِ ذیل دو طریقے ہیں۔

بلا واسطہ عبادت

عبادت کے اِس طریقے میں بندے اور پروردگار کے مابین کوئی واسطہ یا وسیلہ نہیں بلکہ بندہ براہِ راست اپنے رب کو پکارتا ہے، اُس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے، اُس کے ذکر سے اپنی زبان کو تر رکھتا ہے اور اُس کی یاد میں مگن رہتا ہے چنانچہ عبادت کا یہ طریقہ بلا واسطہ ہے۔ بلا واسطہ عبادت کی مثال نماز، روزہ، تسبیحات، حج اور یادِ الٰہی میں مستغرق رہنا ہے۔ عبادت کے اِس طریقے میں زندگی گزارنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے اور اِس انداز میں عبادت کرنے والوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور خوشنودی نچھاور ہونے کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

بالواسطہ عبادت

عبادت کے اِس طریقے میں بندہ کسی وسیلے یا ذریعے سے اپنے پروردگار کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بظاہر بندہ کسی وسیلے کے لیے سعی کرتا ہے لیکن درحقیقت اُسے اپنے پروردگار کی رضا و خوشنودی درکار ہوتی ہے۔ اگرچہ بلا واسطہ عبادت کی اہمیت اپنی جگہ بیحد زیادہ ہے لیکن زیادہ تر واقعات اور مشاہدات اِس حقیقت کو اُجاگر کرتے ہیں کہ بلواسطہ عبادت کو بلا واسطہ عبادت پر فوقیت حاصل ہے۔

بلواسطہ عبادت کی فوقیت کے حوالے سے ایک واقعہ مشہور ہے کہ پہلی اُمتوں میں ایک شخص نے اِس بات کی نیت کرتے ہوئے زمین میں ایک سوکھی شاخ کو لگا دیا کہ جب تک پروردگار مجھ سے راضی نہ ہو جائے میں رب کی عبادت کو معطل نہیں کروں گا اور خدا کی رضامندی کی نشانی یہ ہوگی کہ میری نصب کردہ یہ سوکھی شاخ ہری ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ عبادت میں مشغول ہوگیا۔ کئی سال بیت گئے، وہ عبادت کرتا رہا لیکن سوکھی شاخ ہری نہ ہوئی۔ ایک دوسرے آدمی کا وہاں سے گذر ہوا، اُس نے جب پہلے آدمی کو مصروفِ عبادت دیکھا تو پوچھا کہ آپ کیوں ایسا کر رہے ہیں؟ پہلے آدمی نے جواب دیا کہ میں اپنے پروردگار کو راضی کرنے کی نیت سے عبادت کر رہا ہوں اور پروردگار کی رضامندی کی نشانی یہ ہوگی کہ میری یہ نصب کردہ سوکھی شاخ ہری ہو جائے گی۔ سوال کرنے والا شخص اِس بات سے متاثر ہوا اور اُس نے بھی ایک سوکھی شاخ نصب کر کے پہلے شخص کے قریب ہی عبادت شروع کر دی۔ ابھی تھوڑا وقت ہی گذرا تھا کہ اُن دنوں کے قریب سے کسی شخص نے مدد کے لیے آواز دی۔ دونوں نے جب پکارنے والے کی آواز سنی تو ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پہلا شخص کہنے لگا کہ دیکھو! مجھے تو کئی سال بیت چکے ہیں اور میں یہاں عبادت کر رہا ہوں، تم ابھی نئے آئے ہو۔ تم اُس کی مدد کر دو اور پھر دوبارہ سے آ کر عبادت شروع کر لینا۔ چنانچہ دوسرا شخص عبادت معطل کر کے مصیبت زدہ کی مدد کرنے کے لیے چلا گیا۔ جب اُس کی مدد کر کے واپس آیا اور مشغول عبادت ہونا چاہا تو اُس نے دیکھا کہ اُس کی شاخ ہری ہو چکی ہے جبکہ سالہا سال سے عبادت کرنے والے کی شاخ اب بھی سوکھی ہی تھی۔

اِسی طرح متعدد ایسے واقعات تاریخ میں پائے جاتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلواسطہ عبادت یعنی خدمتِ خلق کے باعث زیادہ جلدی راضی ہو جاتا ہے۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے مخلوق کی خدمت اور دیکھ بھال کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔

☆

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت

کے دن ایسا ہوگا کہ خدا تعالیٰ ایک انسان سے کہے گا، اے ابن آدم! میں بیمار ہوگیا تھا مگر تو نے میری بیمار پُرسی نہ کی۔ بندہ حیران ہوکر کہے گا، بھلا ایسے کیوں کر ہوسکتا ہے، تو ہمارا خالق، رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ تیرے قریب بیمار ہوگیا تھا اور تو نے اُس کی خبر نہیں لی تھی۔ حالانکہ اگر تو اس کی بیمار پُرسی کے لیے جاتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا۔ (یعنی اُس کی خدمت کرنے میں ہی میرے لیے خدمت گزاری تھی) اِسی طرح اللہ کریم عزوجل فرمائے گا، اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، مگر تو نے مجھے نہیں کھلایا، بندہ عرض کرے گا، بھلا ایسا کس طرح ہوسکتا ہے کہ تجھے کسی بات کی احتیاج ہو؟ خدا فرمائے گا، کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے انکار کر دیا تھا، اگر تو اُسے کھلاتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا۔ (مسلم، مشکوٰۃ المصابیح)

☆

حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کسی غزوہ سے مدینہ واپس آئے تو ایک ساتھی کی بہت تعریفیں کرنے لگے کہ وہ بہت اچھا آدمی ہے، راستے میں برابر قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہا، جہاں کہیں ہم لوگوں نے پڑاؤ کر کے قیام کیا، وہ وہیں پر کثرت سے نوافل ادا کرتا رہا، ایسا نیک آدمی ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اُس کے سامان کی دیکھ بھال کون کرتا تھا اور اس کی سواری کو چارہ کون کھلاتا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ ہم نے اس کے سامان کی نگرانی کی اور اس کی سواری کو چارہ فراہم کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تم اس سے بہت اچھے ہو کیونکہ تم لوگوں نے خدمت کی ہے"۔ (سنن ابوداؤد)

☆

حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکہ آراء تصنیف "احیاء العلوم" میں لکھتے ہیں:

"بعض لوگ بڑی بڑی مساجد بناتے ہیں، اُن کی زیب و زینت اور نقش و نگار پر بڑا پیسہ خرچ

کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے بہت بڑی نیکی کر لی ہے، ہم نے جنت میں گھر بنالیا ہے لیکن اُدھر یہ حال ہوتا ہے کہ اُن کے پڑوس میں اُن کے محلے اور شہر میں ہزاروں لوگ روٹی کو ترس رہے ہوتے ہیں، ہزاروں بیمار ہسپتالوں میں مناسب علاج نہ کراسکنے کی وجہ سے کراہ رہے ہوتے ہیں، بے شمار لوگ ننگے بھوکے رہنے پر مجبور ہوتے ہیں، متعدد لوگ افلاس اور تنگدستی کا شکار ہوتے ہیں، اَن گنت لوگ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کی خاطر مصائب و آلام اور طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہوتے ہیں، ان تمام ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کو چھوڑ کر مساجد کی تعمیر وتزئین پر پیسہ خرچ کرنا کوئی وقعت نہیں رکھتا، ہاں جب ان لوگوں کی ضروریات پوری ہو جائیں، سب خوشحال ہو جائیں، سب کے مسائل حال ہو جائیں، سب کی پریشانیاں دور ہو جائیں تو اس کے بعد مساجد اور مدارس وغیرہ کی تعمیر پر خرچ کرنا صدقہ جاریہ اور بہت بڑا کارِ خیر ہے۔''

☆

سب اعمال سے بہتر عمل یہ ہے کہ کسی مسلمان کو خوش کرو یعنی اگر وہ برہنہ یا ننگا ہے تو اُس کی ستر پوشی کر دو، اگر بھوکا ہے تو پیٹ بھر کر کھانا دو، اگر پیاسا ہے تو پانی پلا دو اور اگر کسی کا محتاج اور ضرورت مند ہے تو اُس کی حاجت پوری کر دو'' (طبرانی، ترغیب)

☆

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم کھانا کھلاؤ اور سلام کرو ہر اُس شخص کو جسے تم پہچانتے ہو یا نہیں پہچانتے'' (بخاری)

☆

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی راستے پر چل رہا تھا کہ اس نے کانٹے دار شاخ دیکھی، اس نے اسے ہٹایا تو اللہ اسے اس کی جزا دے گا اور اس کو بخش دے گا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی، جلد اول، نیکی وصلہ رحمی کا

بیان، حدیث 2043)

مخلوق کی خدمت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی ملنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے پیار کرتا ہے چنانچہ حدیثِ پاک میں ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللّٰہ من احسن الی عیالہٖ

ترجمہ: یعنی ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ آدمی وہ ہے جو اس کے کنبے (مخلوق) کے ساتھ اچھا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

☆

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیوہ عورتوں اور مسکینوں کی خبر گیری رکھنے والا اللہ کی راہ میں کوشش کرنے والے کی طرح ہے اور میرا خیال ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اس قیام کرنے والے کی مانند ہے جو رات کو سستی نہیں کرتا اور روزہ رکھنے والے کی مانند ہے جو افطار نہیں کرتا۔ (متفق علیہ)

☆

بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص مسلمان نہیں ہے جو خود سیر ہو کر کھاتا ہے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہتا ہے۔

☆

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تذکرہ کیا گیا کہ فلاں عورت کثرت کے ساتھ نماز پڑھنے، روزے رکھنے اور خیرات کرنے کی وجہ سے مشہور ہے لیکن اپنی زبان کے ساتھ وہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے، فرمایا: وہ دوزخ میں جائے گی۔

عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیک وسلم! فلاں عورت نسبتاً تھوڑا ذکر، تھوڑی نماز (یعنی صرف فرائض کی ادائیگی)، تھوڑے روزے اور تھوڑی خیرات کرتی ہے مگر اپنی زبان کے ساتھ اپنے ہمسایوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی، فرمایا: وہ جنت میں جائے گی۔ (روایت کیا اس کو احمد نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں)

☆

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اُس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا'' (متفق علیہ)

☆

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پہلا ارشاد جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے میں نے سنا وہ یہ تھا، ''لوگو! سلام کا رواج ڈالو، کھانا کھلایا کرو اور صلہ رحمی کیا کرو''۔

☆

کنز العمال میں ایک حدیث درج ہے: ''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ یہ عمل پسند ہے کہ کسی مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔'' اسی طرح انسانی تعلقات میں باہمی خیر خواہی کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرت کا یہ زریں اصول عطا فرمایا: ''ایسے شخص کی محبت میں کوئی خوبی نہیں جو تمہارے لیے بھی وہی کچھ نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے یا اس انداز میں نہ سوچے جس انداز میں وہ اپنی بہتری اور بھلائی سوچتا ہے۔''

☆

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''خدا کی قسم! تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ نہ چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو۔''

☆

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو اس نے اپنی خاص نعمتوں سے نوازا ہے تاکہ وہ اللہ کے بندوں کو اپنے مال سے نفع پہنچائیں اور جب تک وہ اللہ کے بندوں کو نفع پہنچاتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ بھی انہیں مزید نعمتوں سے نوازتا رہے گا اور جب وہ خدا کے بندوں کو محروم کردیں گے تو اللہ بھی ان سے اپنی نعمتیں ختم فرمالیتا ہے اور ان کی جگہ دوسرے بندوں کو عطا فرمادیتا ہے۔'' (مشکوٰۃ شریف)

☆

رحمتِ عالم ﷺ کے فرمودات ہمارے لیے فلاح ونجات کی راہیں متعین کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو اُسے وہ رُسوا کرے اور نہ ہی اس پر ظلم کرے اور جو اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہے گا، اللہ اس سے قیامت کے دن کی تکالیف دور کرے گا اور جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، قیامت کے دن اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔''

☆

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیوہ اور مسکین کی مدد کیلئے کوشش جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لینے کے برابر ہے۔ (راوی کے مطابق شاید آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ) وہ اُس شخص کی مانند ہے جو نماز میں کھڑا رہے اور آرام نہ کرے اور پے در پے روزے رکھے اور کبھی روزہ نہ چھوڑے۔ (بخاری ومسلم)

اُسوۂ حسنہ اور خدمتِ خلق

رسول اکرم ﷺ کے اُسوۂ حسنہ میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ شفقت و رحمت اور مخلوق کا خیال رکھنا ایک نمایاں پہلو کے طور پر شامل ہے۔ نبی کریم ﷺ پر جب

پہلی وحی کا نزول ہوا تو شدتِ جذبات کے ساتھ گھر تشریف لائے اور اُم المؤمنین حضرت سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا: ’’مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو‘‘۔ کچھ دیر گذرنے کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اکرم ﷺ سے معاملہ پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی جان کے بارے میں خدشہ ہے اور جو غیر معمولی واقعہ پیش آیا تھا، اُس کے بارے میں بتلایا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے سارا معاملہ سن کر جواباً رسول کریم ﷺ کو جو کلمات فرمائے، وہ تاریخ کا حصہ ہیں اور اُن کلمات سے نبی کریم ﷺ کی مخلوق کے ساتھ شفقت و رحمت اور دردمندی کا اظہار ہوتا ہے۔ اُنہوں نے فرمایا: ’’ہرگز نہیں، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ، رسول اللہ کو کبھی بھی رُسوا نہیں کرے گا، اے اللہ کے رسول، آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اُٹھاتے ہیں۔‘‘

مخلوق کی خدمت کے حوالے سے یہ کلمات نبی اکرم ﷺ کے لیے قلبی طور پر تسکین کا باعث بنے اور ساتھ ہی ساتھ اِن کلمات سے پتہ چلا کہ راہِ خدا کی ابتداء مخلوقِ خدا کی خدمت سے ہوتی ہے اور یہی راہِ حق بھی ہے۔

غلاموں کی خدمت اور خیال رکھنا

اعلانِ نبوت کے چند روز بعد ایک رات نبی کریم ﷺ مکہ کی گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک گھر میں سے کسی کے رونے کی آواز آئی۔ آواز میں اتنا درد تھا کہ آپ ﷺ بے اختیار اس طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک نوجوان جو کہ حبشہ کا معلوم ہوتا ہے، چکی پیس رہا ہے اور زارو قطار رو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ میں ایک غلام ہوں، سارا دن اپنے مالک کی بکریاں چراتا ہوں، شام کو تھک کر جب گھر آتا ہوں تو میرا مالک مجھے گندم کی ایک بوری پیسنے کے لیے دے دیتا ہے، جس کو پیسنے میں ساری رات لگ جاتی ہے۔ میں اپنی قسمت پر رو رہا ہوں کہ میری بھی کیا قسمت ہے، میں بھی تو ایک

گوشت پوست کا انسان ہوں، میرا جسم بھی آرام مانگتا ہے، مجھے بھی نیند ستاتی ہے لیکن میرے مالک کو مجھ پر ذرا بھی ترس نہیں آتا، کیا میرے مقدر میں ساری عمر اس طرح رورو کے زندگی گزارنا لکھا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے مالک سے کہہ کر تمہاری مشقت تو کم نہیں کرواسکتا کیوں کہ وہ میری بات نہیں مانے گا، ہاں میں تمہاری تھوڑی مدد کرسکتا ہوں کہ تم سو جاؤ اور میں تمہاری جگہ پر چکی پیستا ہوں۔ وہ غلام بہت خوش ہوا اور شکریہ ادا کر کے سو گیا۔ نبی اکرم ﷺ اسکی جگہ چکی پیستے رہے، جب گندم ختم ہوگئی تو آپ اسے جگائے بغیر واپس تشریف لے آئے۔ دوسرے دن پھر آپ وہاں تشریف لے گئے اور اس غلام کو سُلا کر اسکی جگہ چکی پیستے رہے۔ تیسرے دن بھی یہی ماجرا ہوا کہ آپ اس غلام کی جگہ ساری رات چکی پیستے رہے اور صبح کو خاموشی سے اپنے گھر تشریف لے آئے۔ چوتھی رات جب آپ وہاں گئے تو اس غلام نے کہا، اے اللہ کے بندے! آپ کون ہو اور میرا اتنا خیال کیوں کر رہے ہو؟ ہم غلاموں سے نہ تو کسی کو کوئی ڈر ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی فائدہ۔ تو پھر آپ یہ سب کچھ کس لیے کر رہے ہیں؟

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں یہ سب کچھ انسانی ہمدردی کے ماتحت کر رہا ہوں، اس کے علاوہ مجھے تم سے کوئی غرض نہیں، اس غلام نے حیران ہو کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ آپ کا تعارف کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں علم ہے کہ مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعوی کیا ہے؟ اُس غلام نے جواب میں کہا، جی ہاں! میں نے سنا ہے کہ ایک شخص جس کا نام ''محمد (ﷺ)'' ہے، اپنے آپ کو اللہ کا نبی بتاتا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہی ''محمد (ﷺ)'' ہوں۔

جب اُس غلام نے یہ بات سُنی تو کہنے لگا کہ اگر آپ ہی وہ نبی ہیں تو مجھے اپنا کلمہ پڑھا دیجئے کیوں کہ اتنا شفیق اور مہربان شخص کوئی نبی ہی ہوسکتا ہے جو غلاموں کا بھی اس قدر خیال رکھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کر دیا۔

پھر چشمِ عالم نے دیکھا کہ اس غلام نے تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کیں لیکن دامنِ

مصطفیٰ ﷺ نہیں چھوڑا۔ اُس غلام کو اپنی جان تک دے دینا تو گوارا تھا لیکن اتنے شفیق اور مہربان نبی کا ساتھ چھوڑنا ہرگز گوارا نہ تھا۔ وہ غلام کہ جس کا نام ''بلال حبشی'' تھا، دنیا آج اُس غلام کو ''سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ'' کہہ کر یاد کرتی ہے۔

حضور نبی کریم، رؤف الرحیم ﷺ کی ہمدردی اور محبت نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کا بے لوث غلام بنا کر رہتی دنیا تک مثال بنا دیا۔ حتیٰ کہ جب مکۃ المکرّمہ فتح ہوا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے بلال! آج آپ خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کریں۔ ایک غلام کو اتنا بڑا مقام عطا کرنے کی مثال دنیا نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ چنانچہ ایک غیر مسلم شاعر پنڈت ہری چند اختر لکھتا ہے:

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِ یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولیٰ کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

☆

ایک دفعہ ابوسفیان کا ایک غلام سخت بیمار ہو گیا۔ اس کی تیمارداری کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو حضور اس غلام کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ اُس کی تیمارداری کرتے رہے۔ بیماری اور تکلیف کے دوران جس وقت وہ درد کی شدت سے چیختا تو آپ ﷺ بیحد شفقت و محبت کے ساتھ ارشاد فرماتے: ''گھبراؤ نہیں، اللہ فضل کرے گا۔ میں تمہارے پاس ہوں۔''

☆

مدینہ منورہ میں جب نبی کریم ﷺ قیام فرماتے تھے تو مدینہ طیبہ کی غلام عورتیں اور لونڈیاں کئی مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضرِ ہوتیں اور عرض کرتیں، یا رسول اللہ! ﷺ میرا فلاں کام ہے، چنانچہ آپ ﷺ اُن کی امداد کرنے کے لیے اپنا کام کاج چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کے ساتھ جا کر اُنکی امداد فرما دیتے۔ الغرض ہمارے آقا ﷺ غریبوں، مسکینوں، یتیموں، بیواؤں اور ضرورت مندوں کے والی اور مولیٰ تھے۔ آپ ﷺ کو مجبورو بے کس افراد اور بے سہارا لوگوں کی خدمت کر کے نہایت خوشی ہوتی تھی۔

محنت کشوں اور مزدوروں کا خیال رکھنا

نبی اکرم ﷺ نے اس وقت مزدور کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا جب دنیا ابھی صنعتی ترقی سے آشنا نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے ایک دفعہ لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، تین قسم کے انسان ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑا کروں گا اور ان کو مغلوب ومقہور کر کے چھوڑوں گا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہوگا جو مزدور سے کام تو پوری طرح لیتا ہے مگر اس کے مطابق اس کو اجرت نہیں دیتا۔ آپ ﷺ نے دنیا کو مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دینے کا اصول متعارف کروایا۔

اِسی طرح نبی کریم ﷺ نے ایک محنت کش اور مزدور کو اتنی رفعت اور عزت عطا فرمائی کہ اُس کے متعلق ارشاد فرمایا: **الکاسب حبیب اللہ**، یعنی محنت کر کے اپنے ہاتھ سے روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہے۔

ضعیف اور بوڑھے لوگوں کی خدمت اور خیال رکھنا

مکۃ المکرّمہ میں ایک بوڑھے غلام کو اس کے آقا نے باغ میں پانی دینے کا کام سونپا ہوا تھا جبکہ باغ سے پانی کا فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ ایک دن حضور ﷺ نے دیکھا کہ وہ بوڑھا غلام بڑی مشکل سے پانی لا رہا ہے اور اُس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے جب اُس بوڑھے غلام کو اِس حالت میں دیکھا تو آپ ﷺ کا دل

ہمدردی اور دردمندی سے بھر آیا۔ آپ ﷺ نے بوڑھے کو آرام وسکون سے بٹھا دیا اور اس کا سارا کام خود کر دیا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’جب کبھی تمہیں میری مدد کی ضرورت پڑے تو مجھے بلا لیا کرو۔‘‘

☆

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کرنے لگے کہ میں نماز میں فلاں شخص کی طویل قراءت کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس موقع پر آپ ﷺ کو جس غضبناک کیفیت میں دیکھا، اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: ’’نمازیوں میں نماز سے نفرت مت پیدا کرو، لہذا تم میں سے جو بھی شخص امامت کرے وہ ہلکی نماز پڑھایا کرے، کیوں کہ اس میں کمزور بھی ہیں، بوڑھے بھی ہیں اور ضرورت مند بھی ہیں‘‘

(بخاری شریف)

اِسی طرح ایک اور موقع پر نبی اکرم ﷺ سے طویل قراءت کی شکایت کی گئی تو آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر ناراض ہوتے ہوئے کچھ یوں ارشاد فرمایا: اے معاذ (رضی اللہ عنہ)! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو۔ آپ ﷺ نے تین دفعہ ان کلمات کو دھرایا۔ (بحوالہ بخاری)

☆

مکہ میں ایک بوڑھی عورت اپنا سامان باندھے راستے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ نبی کریم ﷺ کا وہاں سے گذر ہوا تو آپ نے اُس خاتون کو متفکر اور پریشان دیکھ کر پوچھا کہ وہ کس لیے بیٹھی ہوئی ہے۔ بوڑھی عورت نے جواب دیا کہ بیٹا، مجھے پتہ چلا ہے کہ مکہ میں ایک ایسا جادوگر آیا ہے جس کے ساتھ کوئی تھوڑی دیر کے لیے بات چیت کر لے تو وہ اُسے اپنے جادو کی

لپیٹ میں لے لیتا ہے اور پھر وہ اپنے باپ دادا کا مذہب تک چھوڑ دیتا ہے اور اُس جادوگر کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ بس میں اُس کے خوف سے مکہ چھوڑ کر جا رہی ہوں کہ کہیں وہ مجھے بھی میرے باپ دادا کے دین سے متنفر نہ کر دے۔ لیکن میرا یہ سامان بھاری ہے، سفر زیادہ ہے اور مجھ میں طاقت نہیں۔ پتہ نہیں منزل تک کیسے پہنچوں گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مائی! پریشان نہ ہو، میں تیرا سامان اُٹھا لیتا ہوں اور جہاں تم جانا چاہتی ہو، وہاں تک چھوڑ آتا ہوں۔ بوڑھی عورت راضی ہو گئی اور بڑی خوشی سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چل پڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اُسکی منزل تک پہنچا دیا تو وہ عورت آپکو بہت زیادہ دعائیں دینے لگی۔ جب آپ نے اجازت مانگ کر واپسی اختیار کرنا چاہی تو اُس نے پوچھا، اے نیک بخت و سعادت مند! مجھے اپنا تعارف تو کروا دو کہ تم کون ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا، مائی! میں وہی ہوں جس کے ڈر سے تم مکہ چھوڑ کر آئی ہو۔ میرا نام ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ مائی دم بخود رہ گئی۔ وہ حیرت کی تصویر بن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اچانک کہنے لگی۔ اگر آپ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی ہیں تو پھر آپ سے بہتر کوئی نہیں، آپ مجھے بھی کلمہ پڑھا دیں۔ میں بھی مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس بوڑھی عورت کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کر دیا۔

معذوروں کی خدمت اور خیال رکھنا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معذوروں کے حقوق کے بارے میں پوری دنیا کو ایک نمونہ سمجھا دیا کہ کسی کی معذوری پر ہنسنا نہیں چاہیے بلکہ اس کی مدد کرنی چاہیے۔ اُسے بُرے ناموں سے ہرگز نہیں پکارنا۔ ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار سے گزر رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اندھی عورت کو دیکھا جو بازار میں ٹھوکر کھا کر گر پڑی تھی جبکہ بازار کے لوگ اس کو گرتے دیکھ کر ہنسنے لگے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ آپ نے فوراً آگے بڑھ کر اس عورت کو اٹھایا اور اسکا ہاتھ پکڑ کر اسکے گھر تک پہنچا دیا۔

اِسی طرح مدینہ منورہ میں ایک پاگل عورت رہتی تھی۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے پاس آئی اور آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: اے محمد (ﷺ)! مجھے آپ سے کام ہے۔ میرے ساتھ چلیں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا، ہاں! کیوں نہیں؟ جہاں کہو گی، چلوں گا۔ چنانچہ وہ پاگل عورت آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو لیے چلتی پھرتی رہی اور نبی اکرم ﷺ، پیکرِ رحمت وشفقت اُس کے ساتھ ساتھ چلتے پھرتے رہے۔ پھر وہ آپ ﷺ کو لے جا کر ایک گلی میں بیٹھ گئی تو نبی کریم ﷺ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔ (صحیح مسلم)

جانوروں کا خیال رکھنا

اس دور میں جب کہ مسلمانوں کا تشخص بگاڑ کر پیش کرنے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے اور مسلمانوں کو مسیحا کی بجائے قاتل، صلح پسند کی بجائے جنگجو اور امن پسند کی بجائے شدت پسند کے عنوان سے متعارف کرنے کی کوشش جاری ہے تو دشمنانِ اسلام کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ مسلمان کبھی شدت پسند و جنگجو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کا رشتہ اللہ کے آخری اور محبوب نبی ﷺ سے جڑا ہے جو صرف انسانیت ہی کے لیے نہیں بلکہ سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں۔ جن کی رحمت کا اثر صرف انسانوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ اس سے متجاوز ہو کر آپ کا سایہء عاطفت ورحمت چرند پرند حیوانات تک کے لیے بھی عام تھا۔ جہاں آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ جانوروں کے ساتھ نرمی کی ہدایات دیں، وہیں عمل کے ذریعہ بھی جانور کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کر دکھایا۔

رہی بات خودکش حملے کرنے والوں کی، تو اُن کے بارے میں مسلمانوں کا مؤقف یہ ہے کہ وہ اسلام کا نام تو لے سکتے ہیں مگر مسلمان نہیں ہو سکتے۔ وہ مسلمان جیسا حلیہ تو بنا سکتے ہیں مگر اسلام کی روح اور مسلمان ذہن وضمیر اور قلب سے بہت دور ہیں۔

آج جب کہ جانوروں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر کئی تنظیمیں بیدار ہو رہی ہیں، کئی حکومتیں جانوروں کے تحفظ کے لیے سرگرم مہمیں چلا رہی ہیں، جانوروں کے حقوق کی رعایت نہ

کرنے والوں کے لیے کڑی سزائیں تجویز کی جارہی ہیں، ان قوانین کے پامال کرنے والوں کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑ رہی ہیں، قربان جائیے پیغمبرِ اسلام ﷺ کی شان پر، جنہوں نے آج سے چودہ سو سال قبل حیوانات کے حقوق کے تحفظ اور ان کی حمایت کا اعلان فرمایا۔ نبی اکرم ﷺ نے جانوروں کو بھوکا رکھنے، تکلیف دینے، اُن پر سکت سے زائد بوجھ لادنے، ناحق طور پر جانور کو نشانہ بنانے، تکلیف دینے حتیٰ کہ جانور پر لعنت کرنے سے بھی منع فرمایا بلکہ نبی کریم ﷺ نے ایسے کسی بھی فعل کو دل کی سختی میں شمار فرمایا۔

آپ ﷺ نے نباتات و حیوانات کے ساتھ سلوک کے اصول واضع کیے اور ارشاد فرمایا کہ زندہ جانوروں کے اعضاء نہ کاٹو، جانوروں کو باندھ کر ان پر نشانہ نہ لگاؤ، جانوروں کو آپس میں لڑانے سے باز رہو، جانوروں کو بھوکا پیاسا کبھی نہ رکھو، جانوروں کے منہ پر نہ مارو اور ان کے جسم پر داغ نہ لگاؤ۔ علاوہ ازیں جس بیل کو کھیتی باڑی کے لیے استعمال کرو اس کو سواری کے لیے استعمال نہ کرو۔

☆

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ہم ایک سفر میں تھے۔ آپ ﷺ کسی ضرورت کے لیے تشریف لے گئے۔ اتنے میں ہم نے ایک سرخ پرندے کو اس کے چوزوں سمیت دیکھا، لہذا ہم نے بچوں کو اٹھالیا، ان چوزوں کی ماں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے بازو ہلا کر کچھ کہنے لگی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے پوچھا، کس نے اس پرندے کے بچوں کو اس سے جدا کر کے تکلیف دی ہے؟ اِس کے بچوں کو لوٹا دو۔ (سنن ابوداؤد)

نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سوال کیا؟ کیا ہمیں جانوروں پر بھی احسان کرنے سے اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر ذی روح پر احسان کرنے سے اَجر ملے گا۔ (بخاری، باب رحم الناس والبہائم)

اس سے تعجب خیز واقعہ وہ ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک دفعہ پیاس کی شدت سے ایک کتا کنویں کے ارد گرد گھوم رہا تھا، قریب تھا کہ پیاس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو جائے، اچانک ایک گنہ گار عورت جو بنی اسرائیل سے تھی، اس نے اپنے موزے کو نکالا اور اُس کے ذریعے پانی حاصل کر کے کتے کو پلایا چنانچہ اِس نیکی اور احسان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی مغفرت فرما دی۔ (بخاری)

☆

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا کیونکہ اس نے اس بلی کو (کسی جگہ) بند کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بھوکی مر گئی۔ وہ عورت اس کی وجہ سے دوزخ میں داخل کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس عورت سے فرمائے گا: جب تو نے اسے باندھا تو نہ اسے کھلایا نہ پلایا اور نہ ہی اسے کھلا چھوڑا کہ وہ (خود) زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیا کرتی''۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (بخاری)

☆

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری شخص کے باغ میں داخل ہوئے تو وہاں ایک اونٹ تھا۔ جب اس اونٹ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو وہ رو پڑا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی گردن پر دستِ شفقت پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: اِس اونٹ کا مالک کون ہے، یہ کس کا اونٹ ہے؟ انصار کا ایک نوجوان حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ میرا اونٹ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم اس بے زبان جانور کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے، جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالک بنایا ہے۔ اس نے مجھے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا

رکھتے ہو اور اس سے بہت زیادہ کام لیتے ہو۔ (سنن ابوداؤد)

اصحاب کی خدمت اور خیال رکھنا

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر اور تمام معرکوں میں حصہ لیا۔ غزوۂ احد میں ان کی آنکھوں کے سامنے سباع بن عبدالعزی جہنم واصل ہوا جوان کی مالکن اُم انمار کا بھائی تھا۔ اسے سید الشہداء، امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے انجام تک پہنچایا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی بیٹی روایت کرتی ہیں کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ ایک سریہ میں گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لاتے اور ہماری ضروریات کا خیال رکھتے حتیٰ کہ بکری کا دودھ بھی دوھ دیا کرتے تھے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکری کا دودھ دوھتے تو دودھ سے ہمارا برتن لبالب بھر جاتا اور دودھ بہنے کو ہوتا لیکن جب حضرت خباب رضی اللہ عنہ واپس لوٹے اور اُنہوں نے بکری کا دودھ دوھا تو وہ دوبارہ کم ہو کر پہلے جتنا ہو گیا۔

☆

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرورت کے کام خود اپنے دست مبارک سے کیا کرتے تھے۔ ایک سفر کے دوران صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کھانا تیار کرنا پڑا جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ سب صحابہ نے ایک ایک کام بانٹ لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی جنگل سے ایندھن بٹور کر لانے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ کام بھی ہم ہی کرلیں گے۔ آپ بس آرام فرما ہو جائیں۔ اِس بات پر دونوں عالم کے سردار، ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں خود کو تم لوگوں سے الگ رکھوں یا اپنے کو بڑا سمجھوں“۔ خدا تعالیٰ اس بندے کو پسند نہیں کرتا، جو اپنے ساتھیوں سے اپنے کو بڑا شمار کرتا ہو۔

☆

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اصحابِ صفہ غریب

لوگ تھے۔ایک بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے گھر دو آدمیوں کا کھانا ہو تو وہ یہاں (اصحابِ صفہ میں) سے تیسرے آدمی کو لے جائے۔(یعنی اُس کو کھانے میں شامل کر کے کھانا کھلائے) اور جس کے گھر میں چار آدمیوں کا کھانا ہو تو وہ پانچویں اور چھٹے آدمی کو ہمراہ لے جائے اور اُن کو کھانا کھانے میں شامل کرے۔ چنانچہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ تین آدمیوں کو گھر لائے اور خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھ دس آدمیوں کو لے کر گئے۔(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

یتیموں کا خیال رکھنا

کسی یتیم کی کفالت کرنا ایک عظیم نیکی اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیم کی پرورش کرنے والے کے لئے جس خاص اَجر کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں میرے اور یتیم کی پرورش کرنے والے کے درمیان انتہائی کم فاصلہ ہوگا'' اور اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے سمجھایا کہ اپنی شہادت والی انگلی اور اس کے برابر کی بیچ والی انگلی ایسے اُٹھائی کہ اُن کے بیچ بہت کم فاصلہ رکھا اور بتلایا کہ جتنا تھوڑا فاصلہ اور فرق تم میری ان انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہو بس اتنا ہی فاصلہ اور فرق جنت میں میرے اور اس مردِ مومن کے مقام میں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس دنیا میں کسی یتیم کی کفالت اور پرورش کا بوجھ اٹھائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یتیم بچہ خواہ اس کا رشتہ دار ہو یا کسی اور خاندان سے تعلق رکھتا ہو، بہرصورت یہ فضیلت کسی بھی یتیم کی کفالت و پرورش کرنے کی ہے وہ یتیم خواہ اس کا اپنا قرابت دار ہو جیسے پوتا یا بھتیجا وغیرہ

☆

آسمان کے کنارے سے عید کے چاند نے جوں ہی ذرا سا جھانکا، مدینہ طیبہ کی گلیوں

میں خوشیوں کی ہل چل سی مچ گئی۔ ہر ایک کی آنکھوں میں خوشی کے دیئے جھلملانے لگے۔ پورے سال کے انتظار کے بعد تو خوشی کا دن دیکھنے کو ملتا ہے۔ ہر من کلی کی طرح چیخ اٹھتا ہے۔ خوشیوں کی اس گہما گہمی میں دوسروں کی آنکھوں کے آنسو دیکھنے کی فرصت ہی کس کو ملتی ہے۔

خوشیوں کے اس ہجوم میں ایک طرف ایک ننھا منا سا بچہ اداس کھڑا تھا۔ اس کی بھیگی ہوئی آنکھیں محرومیوں کی ایک خاموش کہانی سنا رہی تھیں۔ اپنے اردگرد بکھری ہوئی ساری خوشیوں سے کچھ بے تعلق سا، کچھ الگ تھلگ سا تھا، جیسے وہ سب سے روٹھ گیا ہو۔ جیسے سب اس سے روٹھ گئے ہوں۔ ویسے بھی دنیا میں یہ روش تو پائی ہی جاتی ہے کہ جگمگاتے ہوئے شیش محلوں میں قہقہے بکھیرنے والوں کو اندھیرے راستوں پر ٹھوکریں کھاتے مسافروں کی مشکلوں کا کہاں احساس ہو سکتا ہے لیکن اگر کوئی تربیت کرنے والا میسر آ جائے تو پھر ہر من میں انسانیت کا چراغ جل اُٹھتا ہے اور درد میں ڈوبے چہرے صاف نظر آنے لگتے ہیں بلکہ دوسروں کی پلکوں پر اَٹکے آنسو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اپنی ہی آنکھ میں چھلکے ہیں۔

عید کی نماز کے لئے جاتے ہوئے پیارے نبی ﷺ ایک منٹ کو ذرا سے رُکے تو اُس بچے کی اداس صورت ایک دم ہی انہیں بے چین کر گئی۔ جیسے بے تابی شفقت کے زینے چڑھنے لگی۔ آخر ایسا کیوں نہ ہوتا؟ جبکہ سارے بچے خوشی سے کھیل رہے تھے، اچھے اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے، بے فکر و بے غم بھی تھے۔

رحمتِ عالم ﷺ نزدیک تشریف لے گئے۔

”کیا بات ہے بیٹے۔۔۔؟ تم نے نئے کپڑے نہیں پہنے۔ تم اتنے چپ اور خاموش کیوں ہو؟ تم کیوں کھیل نہیں رہے حالانکہ آج تو عید کا دن بھی ہے۔“

پیکرِ رحمت و شفقت ﷺ نے قریب آ کر پیار سے بچے کے سر پر ہاتھ رکھا تو پیار بھرے ہاتھ کی نرمی اور محبت کی گرماہٹ سے جیسے بچے کا سارا دُکھ پگھل گیا۔ آنسوؤں کی ایک لڑی سی اسکی پلکوں سے ٹوٹ کر بکھر گئی۔

”چھوڑیئے جی! کیا کریں گے آپ میرا حال جان کر۔“

معصوم بچے کو اپنے دُکھ اور غم میں خبر ہی نہ ہوئی کہ دردمندوں کے آقا و مولیٰ ﷺ خود اللہ کے رسول اُس سے مخاطب ہیں۔ ویسے بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے کوئی امتیاز بھی تو نہیں رکھا ہوا تھا کہ کوئی انہیں الگ سے پہچان پائے۔ وہ تو سب میں، سب ہی کی طرح گھلے ملے ہوئے تھے۔

”نہ میری ماں ہے نہ باپ، کوئی خوشی مجھ بدنصیب کی قسمت میں ہے ہی کہاں، مجھے نئے کپڑے کہاں سے میسر آئیں اور میں کیسے خوش ہوسکتا ہوں“

بچے کی آواز بہت بھرائی ہوئی تھی۔

”بیٹے! تمہارے ماں باپ کب فوت ہوگئے“

پیارے نبی ﷺ کا رحمت بھرا دل بے حد بھر آیا۔

”میرے والد شہید ہوگئے تھے۔ میری ماں نے دوسری شادی کرلی۔ میرے نئے باپ نے مجھے گھر میں بھی نہیں رہنے دیا۔ اب میں دردر کی ٹھوکریں کھاتا ہوں۔ باپ ہی تو پیار کرتا ہے لیکن اب مجھے کون مجھے پیار کرے! کون مجھے سینے سے لگائے!“

آنسوؤں میں ڈوبا چہرہ اور دُکھ بھری آواز نے اللہ کے نبی ﷺ کو بیقرار کردیا، عید کی خوشیاں نبی کی بیقراری کے ساتھ ہی جیسے دھول میں اَٹ گئیں، رسولِ رحمت وشفقت ﷺ نے بچے کو بیتابانہ اپنے سینے کے ساتھ لگالیا۔

”بیٹے! کیا تم مجھے یعنی محمد (ﷺ) کو اپنا باپ مان سکتے ہو؟ کیا تم عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو ماں، فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کو بہن اور حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) کو بھائیکے طور پر قبول کرسکتے ہو؟“

بچے نے ایک دم ہی حیرت سے سر اُٹھا کر دیکھا، دل بڑے زور سے دھڑکا، وہ لرز ہی اُٹھا، سوچا کہ کیا میں اپنے آقا ﷺ سے باتیں کررہا تھا، بے باکی سے اپنے جذبات بیان

کررہا تھا، کہیں ادب واحترام سے خالی تو نہ تھا! شرمندگی کے بوجھ سے اس کی آنکھیں خود بخود پھر جھک گئیں۔

وہ نظریں جھکائے ہی جھکائے بولا، ''پیارے نبی ﷺ! مجھے معاف کیجئے۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں، اِسی لیے تو اس طرح جواب دیتا رہا۔ پیارے نبی ﷺ! بھلا میرے لیے دنیا میں آپ سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے؟ پیارے نبی ﷺ! مجھے امی عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے بڑھ کر اچھی ماں، سیّدہ فاطمہ (سلام اللہ علیہا) سے بڑھ کر اچھی بہنا اور پیارے حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) سے بڑھ کر اچھے بھائی کہاں مل سکتے ہیں؟

پیارے نبی ﷺ نے خاموش ومعصوم بچے کا ہاتھ پکڑا اور ہمیشہ کے لیے اپنے گھر لے آئے۔ جب آپ ﷺ دوبارہ نماز کے لیے گھر سے روانہ ہوئے تو وہ یتیم و بے سہارا بچہ کائنات کے سب سے عظیم سہارے اور آقا کے ساتھ اِس طرح نکلا کہ آنکھوں میں خوشی کا ایک دریا لہریں لے رہا تھا۔

اور دوسری طرف کائنات کی ہر ایک چیز حیرانی اور خوشی کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھی جیسے خاموش نظروں کے ساتھ ایک دوسرے کو پیغام دیا جارہا ہو کہ دیکھو! دوسروں کے آنسو پونچھ کر دل کو کتنا سکھ اور سکون ملتا ہے!!!

ہمسایوں کا خیال رکھنا

نبی اکرم ﷺ نے پڑوسیوں کے ساتھ حسن معاملہ کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: جو شخص خدا اور روزِ جزا پر اعتقاد رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسیوں کی عزت کرے اور اسے ایذا نہ دے۔ فرمایا: وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہیں وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مروی ہے: ''ہمسائے کے بارے میں جبریل نے اتنی تلقین کی کہ میں سمجھنے لگا، شاید وہ ہمسائے کو وارثوں میں شامل کردے گا۔''

بیماروں کا خیال رکھنا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام میں سے کسی کو مصیبت و تکلیف میں مبتلا دیکھتے تو سخت رنجیدہ ہو جاتے، دل میں رقت پیدا ہو جاتی اور کبھی تو گریہ بھی فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر سعد بن عبادہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور پھر محبت و شفقت کے ساتھ ارشاد فرمایا، مسلمان ہو جاؤ۔ چناں چہ آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے متاثر ہو کر وہ مسلمان ہو گیا۔

☆

صحیح بخاری میں ہے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو حضرت ابو بکر صدیق، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں پیدل بنو سلمہ کے محلے میں گئے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر جا کر اُن کی عیادت کی۔

☆

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو اور ناحق پکڑے جانے والے قیدی کو رہا کراؤ۔

گھر والوں کا خیال رکھنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر کے کئی کام خود کیا کرتے تھے۔ پھٹے ہوئے کپڑے خود سی لیتے اور اپنے نعلین کی خود مرمت فرما لیتے۔ پالتو جانوروں کو خود کھولتے باندھتے اور انہیں چارا دیا کرتے۔ الغرض کسی کام میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کافی سال (شاید دس سال) رہا مگر آپ نے مجھے کبھی نہیں ڈانٹا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے کام خود کر لیتے، کپڑوں کو پیوند خود لگا لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر والوں سے نہ لڑتے اور نہ ہی جھگڑا کیا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ ضرورت مند لوگوں کے چھوٹے موٹے کام اپنے ہاتھ سے کر دیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کے کام بھی آتے تھے۔ ایک بوڑھی یہودیہ عورت کی خدمت کرنے کا واقعہ احادیث میں موجود ہے۔

مہمانوں کی خدمت اور خیال رکھنا

ایک مرتبہ حبشہ سے نجاشی بادشاہ کے کچھ مہمان مدینہ منورہ آئے۔ صحابہ کرام کی خواہش تھی کہ وہ اُن مہمانوں کی خدمت اور مہمان نوازی کریں لیکن حضور سید عالم ﷺ نے خود اپنے ہاتھوں سے انکی خدمت اور خاطر مدارات کی اور فرمایا کہ ان لوگوں نے میرے ساتھیوں (مہاجرین حبشہ) کی خدمت کی ہے اس لئے میں خود اُن کی خدمت کروں گا۔

(شعب الایمان، مسند امام احمد)

مچھلی پکڑنے کا طریقہ سکھانا

خدمتِ خلق کا ایک بہترین طریقہ یہ بھی ہے کہ کسی کو روزگار فراہم کر دیا جائے یا روزی کے حصول کے قابل کر دیا جائے۔ اگر ہم کسی غریب فقیر کی مدد کرتے ہیں اور اُسے کچھ رقم دیتے ہیں جس سے اپنے کھانے پینے کا انتظام کرتا ہے تو یہ ایک عظیم نیکی ہے۔ اِس کا بے پناہ اَجر وثواب ہے لیکن اگر آپ کسی مستحق طالبِ علم کو تعلیم کے حصول میں مدد فراہم کرتے ہیں، کسی کی تعلیم کا خرچ اپنے ذمہ لے لیتے ہیں تو کسی کو کھانے پینے کے لیے رقم دینے سے کہیں زیادہ عظیم کام ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے کسی غریب مستحق بھوکے انسان کو رقم دی تو اُس نے روٹی خریدی اور کھانا کھا کر اپنا پیٹ بھر لیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد ہی اُسے دوبارہ کھانے کی ضرورت پیش آئے گی اور وہ پھر کسی دینے والے کی تلاش میں نکل کھڑا ہو گا جبکہ اگر کسی طالبِ علم کو آپ تعلیم کے حصول میں مدد دیتے ہیں یا کسی سیکھنے والے کو ہنر سیکھنے کے لیے اُس کی مدد کرتے ہیں تو وہ تعلیم حاصل کرنے یا ہنر

سیکھنے کے بعد اِس قابل ہو جائے گا کہ خود رقم کما سکے اور نہ صرف کہ اپنا پیٹ خود بھر سکے بلکہ اپنے ساتھ ایک خاندان کا پیٹ بھرنے کے لیے بھی انتظام کر سکے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ تعلیم و ہنر سیکھنے کے لیے امداد کرنے کی خدمتِ خلق کو زیادہ پسند کیا گیا ہے۔

حضرت پیر سیّد محمد اسمٰعیل شاہ بخاری، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور جانشین، شیخ المشائخ، بابا جی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری (سجادہ نشین حضرت کرماں والا شریف) نے اِس لیے ارشاد فرمایا: ''میرے نزدیک یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ آپ ایک آدمی کو زکوٰۃ دے دیں، جب ختم ہو جائے تو پھر دے دیں اور پھر ختم ہو جائے تو پھر دے دیں۔ اِس کی بجائے کچھ اِس انداز سے اُسکی مدد کی جائے کہ کچھ سالوں کے بعد جہاں آپکا بیٹا زکوٰۃ دے رہا ہو تو اُسکا بیٹا بھی زکوٰۃ دے رہا ہو، بلکہ بہتر یہ ہے کہ آپ سے بڑھ کر دے رہا ہو۔ مواقع یکساں ہونے چاہییں۔''

چینی زبان کا ایک محاورہ مشہور ہے جس کا ترجمہ کچھ ایسے ہے:

Give a man a fish and you feed him for a day. Teach a man to fish and you feed him for a lifetime.

یعنی آپ کسی کو کھانے کے لیے مچھلی دو گے تو آپ نے اُسے ایک بار کھانا دے دیا اور اگر آپ اُسے مچھلی پکڑنے کا طریقہ سکھا دو گے تو آپ نے اُسے زندگی بھر کے لیے کھانا مہیا کر دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سوال کرنے یا بھیک مانگنے سے کئی مرتبہ منع فرمایا اور اِس بات پر زور دیا کہ ایسے اسباب کا انتظام کیا جائے جس کے ماتحت خود اپنی ضروریات کو پورا کیا جائے بلکہ دوسروں کی مدد کرنے کی تاکید فرمائی۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے اور آپ نے صدقہ کے متعلق، کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانے اور دوسروں سے مانگنے کا ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اوپر کا ہاتھ خرچ کرنے والے کا ہے اور نیچے کا ہاتھ مانگنے والے کا۔ (کتاب الزکوٰۃ، بخاری شریف)

☆

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی بھی آدمی کیلئے بھیک مانگنے سے کہیں بہتر ہے کہ وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اپنی کمر پر لادے اور لکڑیاں بیچ کر اپنے گھر کا خرچہ پورا کرے۔ (نسائی، کتاب الزکاۃ)

☆

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سوالی جو ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے، قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے منہ پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں ہوگی۔ (بخاری، کتاب الزکوٰۃ)

☆

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک انصاری صحابی فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئے، غربت و افلاس نے انکے گھر میں ڈیرا ڈال لیا۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کی خدمت میں اپنی حالتِ زار کا اظہار کرنا چاہیے اور آپ سے کچھ عطا فرمانے کی درخواست کرنی چاہیے۔ انھوں نے آپ کی خدمت میں گزارش کی تو آپ نے ان سے استفسار فرمایا: کیا تمہارے گھر میں کچھ نہیں ہے؟ انھوں نے عرض کی، یارسول اللہ (ﷺ) ایک ٹاٹ ہے جس کے آدھے حصے کو میں اپنے اوپر اوڑھ لیا کرتا ہوں اور بقیہ نصف کو اپنے نیچے بچھا لیا کرتا ہوں۔ مزید براں ایک لکڑی کا پیالہ ہے جسے پانی پینے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔ انھوں نے تعمیل ارشاد کر دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے وہ دونوں چیزیں اس کے ہاتھ سے لے لیں اور حاضرین سے استفسار فرمایا: ''ان دونوں چیزوں کو کون خریدے گا؟'' ایک صاحب نے عرض کی، میں ان دونوں چیزوں کا ایک درہم ادا کر سکتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو یا تین بار ارشاد فرمایا: کون ہے جو ان چیزوں کے عوض ایک درہم سے زیادہ دینے کے لیے تیار ہو؟

ایک اور صاحب بولے، میں یہ دونوں چیزیں دو درہم میں لینے کے لیے تیار ہوں۔ آپ ﷺ نے دونوں چیزیں انھیں تھما دیں اور دو درہم وصول فرما لیے۔ آپ نے وہ دونوں درہم انصاری صحابی کو دیے اور فرمایا: ایک درہم کا کھانا خرید کر اپنے اہل خانہ کو فراہم کرو اور دوسرے درہم کا کلہاڑا خرید کر میرے پاس آؤ۔ وہ کلہاڑا خرید کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنے دستِ اقدس سے اس میں دستہ نصب فرما دیا اور اس سے صحابی سے فرمایا: جاؤ، مضافات کی طرف نکل جاؤ، لکڑیاں کاٹو اور انھیں بازار میں لے جا کر فروخت کر دو۔ اور اب پندرہ دن تک مجھے نظر نہ آنا۔ وہ چلے گئے اور آپ کے حکم پر عمل پیرا ہو گئے۔ لکڑیاں کاٹتے اور انھیں بازار میں فروخت کر دیتے۔ جب وہ دوبارہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے تو انھوں نے دس درہم کما رکھے تھے۔ اس رقم سے انھوں نے کچھ کپڑے خریدے اور کچھ کھانے پینے کا سامان خرید لیا۔ جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ معاملہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا: یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ بھیک مانگنے کی وجہ سے، قیامت کے دن تمہارے چہرے پر داغ نظر آئے۔ پھر ارشاد فرمایا: ''یاد رکھو! سوال تو محض تین قسم کے لوگوں کے لیے جائز ہے، ایک وہ جو ذلت میں مبتلا کر دینے والی غربت کا شکار ہو، دوسرا وہ جو مصیبت میں ڈال دینے والے قرض میں پھنس جائے اور تیسرا وہ جو دیتِ قتل کی بھاری ذمہ داری میں ہو۔ (ابوداؤد)

☆

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ لوگوں کو بھکاری نہ بناؤ بلکہ کاروباری بناؤ۔ اُن کو مانگنے کی عادت مت ڈالو بلکہ اُن کی عزتِ نفس کا معیار بلند کرو۔ مانگ تانگ کر گزارا کرنا نچلے درجے کا عمل ہے۔ اِس سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت میں برکت رکھی ہے لہذا تجارت کرنی چاہیے۔ مالِ تجارت خرید کر فروخت کرنے کا سلسلہ شروع کر دینے سے فائدہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حلال میں پوشیدہ طور پر جس برکت کو شامل کر رکھا ہے، اُس کی مثال بکریوں

کے قبیلے سے ملتی ہے۔لوگ بکری کا گوشت کھاتے ہیں، سال میں ایک مرتبہ قربانی کے تین دن کے دوران بے شمار جانور ذبح کرتے ہیں لیکن اِس کے باوجود بکری کی نسل ناپید نہیں ہوئی بلکہ آج بھی کثرت کے ساتھ موجود ہے۔

لہذا خدمتِ خلق کرتے ہوئے اِس بات کو لازمی طور پر مدِ نظر رکھنا چاہیے کہ ترجیحاً ایسے لوگوں یا منصوبہ جات کی امداد کریں جو محض پیٹ بھرنے یا بھوک مٹانے کے لیے لینے کی بجائے ساتھ ہی ساتھ معاشی طور پر مضبوطی یا استحکام کے لیے بھی کوشاں ہوں۔

قرضِ حسنہ دینے کی فضیلت

اسلام آپس میں اخوت، رواداری، محبت اور تعاون کی تلقین کرنے والا مذہب ہے۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان بھائی کی مدد کرنے پر اُس کے خالق و مالک اور پروردگارِ کائنات کی رضا و خوشنودی کی نویدِ جانفزاء سنائی گئی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو تنگدست اور غربت میں کے عالم میں اپنے حالات میں بہتری پیدا کرنے کے لیے قرضِ حسنہ کی ضرورت پیش آئے اور اُسے کوئی دوسرا مسلمان قرضِ حسنہ دے تو یہ بھی ایک عظیم نیکی اور خدمتِ خلق ہے۔

اگر کوئی اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے کسی کے پاس قرضِ حسنہ لینے کے لیے جائے اور وہ شخص قرضِ حسنہ دینے کی استطاعت رکھنے کے باوجود قرضِ حسنہ نہ دے اور قرض لینے والے کو مجبوراً سود پر قرض لینا پڑے تو ایسی صورت میں قرضِ حسنہ نہ دینے والا گناہگار اور بارگاہِ خداوندی میں قابلِ پرسش و مواخذہ ہوگا۔

قرضِ حسنہ سے مراد یہ ہے کہ محض اللہ کی رضا کے لیے ضرورت مند کو دیا جائے اور ادائیگی کے لیے تنگ نہ کیا جائے۔ نہ ہی قرضہ دینے کے بعد احسان جتلایا جائے اور نہ ہی قرض لینے والے سے کسی قسم کی بیگار لی جائے اور اگر مقروض فی الواقع تنگ دست اور ادائیگی سے معزور

ہوتو اسے معاف ہی کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دینے کا مفہوم اس سے وسیع ہے جس میں انفاق فی سبیل اللہ کی تمام صورتیں آ جاتی ہیں۔ ایسے قرضے کو اللہ تعالیٰ سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھا دیتے ہیں تاہم اضافے کا انحصار دو باتوں پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے خرچ کیا جائے اور دوسرا یہ کہ دل کی خوشی سے دیا جائے نیز ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ خرچ کرنے سے تمہیں مال میں کمی آ جانے سے نہیں ڈرنا چاہئے کیونکہ مال میں کمی بیشی ہونا تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور قرآن میں ہی ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، اللہ تمہیں اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا۔

بعض مواقع پر محتاج اور تنگ دست حضرات بلا سودی قرض نہ ملنے کی وجہ سے سودی قرض لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ موجودہ وقت میں بینکنگ کے نظام نے سودی قرضہ سے لوگوں کے خون کو اس طرح چوسنا شروع کیا کہ لوگ یا تو خودکشی کرنے پر مجبور ہو گئے یا اپنے اہل و عیال کو فروخت کے لیے تیار ہو گئے تو دوسری طرف بعض لوگوں نے اپنے آپ کو بینک بنا کر خود سے سود پر قرضہ دینا شروع کیا۔ حالانکہ ایک زمانے تک نہ بینک کا نام و نشان تھا اور نہ اس طرح کا کوئی کاروبار تھا اور اسکے باوجود محتاجوں کو برابر قرض مل رہا تھا اور لوگ اللہ کی رضا کے لیے غریبوں کو بغیر سود کے قرض دیتے آ رہے تھے۔ لیکن اب قرض دینے کا مستحسن عمل متروک ہو رہا ہے جس کے بے پناہ نقصانات سامنے آ رہے ہیں۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ قرضِ حسنہ دینا بھی خدمتِ خلق کی ایک صورت ہی ہے۔

قرآنی اصطلاح ''قرضِ حسن'' کی وضاحت

قرآن مجید نے محتاج بندوں کی ضرورتوں میں خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ کو قرض دینا قرار دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، وہ نہ صرف مال و دولت اور ساری ضرورتوں کا پیدا کرنے والا ہے بلکہ وہ تو پوری کائنات کا خالق، مالک اور رازق ہے، ہم سب اسی کے خزانے سے کھا پی رہے

ہیں تاکہ ہم بڑھ چڑھ کر انسانوں کے کام آئیں، یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کی کفالت کریں، غریب محتاجوں کے لیے روٹی کپڑا اور مکان کے انتظام کے ساتھ ان کی دینی وعصری تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنے میں ایک دوسرے سے مسابقت کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے۔ دونوں جہاں میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اپنے مہمان خانہ جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے۔

اگر کوئی شخص کسی خاص ضرورت کی وجہ سے قرض مانگتا ہے تو قرض دے کر اس کی مدد کرنا باعثِ اجر وثواب ہے، جیسا کہ قرآن وحدیث میں ہے کہ ضرورت کے وقت قرض مانگنا جائز ہے اور اگر کوئی شخص قرض کا طالب ہو تو اس کو قرض دینا مستحب ہے کیونکہ شریعت اسلامیہ نے قرض دے کر کسی کی مدد کرنے میں دنیا وآخرت کے بہترین بدلہ کی بشارت دی ہے لیکن قرض دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے فائدہ کے لیے کوئی شرط نہ لگائے مثلاً میں تمہیں قرض دیتا ہوں بشرطیکہ تم میرا فلاں کام کردو وغیرہ، البتہ قرض لیتے اور دیتے وقت ان احکام کی پابندی کریں جن احکامات کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے۔

قرآن وحدیث میں متعدد جگہوں پر محتاج لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو دو مرتبہ قرضہ دیتا ہے تو ایک بار صدقہ ہوتا ہے۔“ (نسائی، ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، معراج کی شب میں نے جنت کے دروازہ پر صدقہ کا بدلہ دس گنا اور قرضہ دینے کا بدلہ اٹھارہ گنا لکھا ہوا دیکھا۔ میں نے کہا اے جبرئیل! قرض کا اَجر صدقہ سے بڑھ کر کیوں ہے؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ سائل مانگتا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ مال موجود بھی ہو اور قرض مانگنے والا تو صرف ضرورت کے وقت ہی سوال کیا کرتا ہے۔ (ابن ماجہ)

اِسی لیے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کسی مسلمان کو قرض دوں، یہ میرے

نزدیک صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ قرض کی رقم واپس آنے کے بعد اسے دوبارہ صدقہ کیا جا سکتا ہے یا اسے بطور قرض کسی کو دیا جا سکتا ہے، نیز اس میں واقعی محتاج کی ضرورت پوری ہوتی ہے۔ (السنن الکبریٰ بیہقی)

مستدرک حاکم میں ہے کہ جو شخص راہِ خدا میں لڑنیوالے غازی کی مدد کرے یا مقروض تنگ دست کی اعانت کرے یا کسی غلام کی آزادی کے لیے قیمت کی ادائیگی میں معاونت کرے تو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کو عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے۔

قرض دینے والے کا شکریہ ادا کرنا اور دعا دینا

قرض دینے والے کا مقروض پر احسان ہے۔ قرض کی ادائیگی کے وقت بھی اسی شائستگی، متانت اور سنجیدگی کا مظاہرہ ہونا چاہئے جیسا اپنی ضرورت اور قرض لیتے وقت کیا تھا بلکہ اب جذبات میں تشکر و امتنان بھی چاہئے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ مقروض جب قرض ادا کرے تو قرض دینے والے کا شکریہ بھی ادا کرے اور مال میں برکت کی دعا بھی کرے۔

حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے چالیس ہزار درہم بطور قرض لئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بہت سا مال آیا تو آپ نے وہ تمام مال یا چالیس ہزار درہم مجھے اس میں سے عنایت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے برکت عنایت فرمائے، خصوصاً تمہارے اہل و عیال اور مال میں قرض کا بدلہ صرف شکر ادا کرنا اور قرض ادا کرنا ہے۔ (سنن نسائی)

واپسی قرض کا تقاضا کرنے میں نرمی کرنا

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص غریب آدمی پر اپنا قرض وصول کرنے میں نرمی کرے اور اسے ڈھیل دے تو جب تک وہ قرض کی رقم ادا نہ کر سکے تب تک قرض کے برابر رقم خیرات کرنے کا ثواب ملتا رہے گا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہر دن قرض سے دوگنی رقم صدقہ کرنے کا

ثواب ملتا رہیگا۔ راوی نے عرض کیا، حضور! پہلے تو آپ نے ہر دن قرض کی رقم کے برابر صدقہ کرنے کا ثواب فرمایا تھا آج قرض سے دوگنی رقم کا ثواب فرماتے ہیں؟ فرمایا ہاں، قرض کی ادائیگی کے وعدہ تک ثواب برابر اور مدت گذر جانے کے بعد دوگنا ثواب ملے گا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایک بندہ خدا تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے سوال کریں گے کہ بتاؤ میرے لئے تو نے کیا نیکی کی ہے؟ وہ کہے گا خدایا! ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی ایسی نیکی مجھ سے نہیں ہوئی، آج میں جس کی جزا طلب کرسکوں، دوبارہ، سہ بارہ یہی سوال وجواب ہوگا پھر بندہ عرض کرے گا، اے خدا! ایک چھوٹی سی بات البتہ مجھے یاد ہے، میں ایک تجارت پیشہ آدمی تھا، لوگ ادھار لے جاتے تھے، میں اگر دیکھتا کہ یہ غریب شخص ہے، وعدہ پر قرض ادا نہیں کرسکا تو اُسے کچھ مدت اور مہلت دیتا اور زیادہ تنگی والے کو معاف بھی کردیتا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر میں تجھ پر آسانی کیوں نہ کروں، میں تو سب سے زیادہ آسانی کرنے والا ہوں، جا، میں نے تجھے بخش دیا، جنت میں داخل ہوجا۔ (مسلم شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک سوداگر تھا جو لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا پھر جب وہ دیکھتا کہ کوئی محتاج ہے تو اپنے آدمیوں سے کہتا اس کو معاف کردو۔ شاید اللہ ہم کو معاف کرے۔ آخر (جب وہ مرگیا تو) اللہ نے اس کو بخش دیا۔ (بخاری، جلداول)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، جو آدمی قیامت کی ہولناکیوں اور مصائب سے بچنا چاہے تو اسے چاہئے کہ کسی تنگدست قرض دار کو کچھ مہلت دے یا اسے قرض بالکل ہی معاف کردے۔ (مسلم شریف)

واپسی قرض کی نیت کا فائدہ

جو آدمی قرض لیتے وقت ادائیگی کی نیت رکھتا ہے، تو اللہ تعالی پردہ غیب سے ادائیگی کے اسباب پیدا فرمادیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی معصوم مخلوق فرشتے اس کی حاجت برآری کے لئے دعا

کرتے ہیں۔

قرضِ حسنہ اور خدمتِ خلق

بعض غیر مسلم ممالک میں ایسی کمیٹیاں اور ٹرسٹ موجود ہیں جو آفات وحوادثات رونما ہونے کی صورت میں اپنے لوگوں کو بسہولت ادائیگی کی شرط پر بلا سودی قرض بھی دیتے ہیں اور خالص تعاون کی شکل میں ایسے عطیات بھی دیتے ہیں جو اُن کی ڈوبتی نیا کو پار لگائے اور گرتی ساکھ کو بحال کرنے میں ممدو معاون ثابت ہو۔ پاکستان میں بھی ''اخوت'' نام کا ایک ادارہ ڈاکٹر امجد ثاقب نامی مخیّر شخص چلا رہا ہے جس سے خدمتِ خلق کا یہ عظیم کام بآحسن وخوبی ہو رہا ہے، اِسی طرح سیّد فرحت عباس شاہ نامی ایک شاعر، مصنف اور تبصرہ نگار بھی غریب لوگوں کو مویشی وغیرہ دیتا ہے جس سے اُن کا گذر بسر بھی ہوتا ہے اور ایک کاروبار بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ خدمتِ خلق کے بہترین طریقے ہیں۔ خانقاہوں پر بھی خدمتِ خلق کے دیگر بیشمار طریقوں کے ساتھ ساتھ اِس پر بھی عمل کیا جاتا ہے تاہم اِس طریقے کو زیادہ منظّم اور بہتر کرنے کی ضرورت بہر حال درکار ہے۔

خدمتِ خلق اور صحابہ واہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین

قرآن کریم میں جہاں جہاں نماز کا حکم آتا ہے، عموماً وہاں وہاں زکوٰۃ کی تاکید بھی وارد ہے۔ زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے جو ظاہر ہے کہ خدمتِ خلق کی ایک شکل ہے۔ قرآن واحادیث میں صدقہ کا حکم بھی ہے اور اس پر بار بار اُبھارا گیا ہے۔ اس کا مطلب بہت واضح ہے کہ جس طرح سے مومن کے لئے نماز کی ادائیگی ضروری ہے اسی طرح سماجی خدمت بھی لازم ہے۔ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے اہل بیت اور اصحاب اس میں پیش پیش رہتے تھے۔ اگر آپ کے پاس صبح کے وقت لاکھوں درہم ودینار آجاتے تو شام ہوتے ہوتے وہ تقسیم ہو جاتے۔

ضرورت مندوں کی لائن لگی ہوتی اور آپ سب کی ضرورتیں پوری فرماتے تھے۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی طریقہ تھا۔ ایک بار آپ کے پاس بہت بڑی رقم آ گئی اور شام تک سب صدقہ کر دیا۔ شام تک روزہ افطار کرنے کے لئے کچھ بھی باقی نہیں رکھا۔ خادمہ نے کہا کہ تھوڑا سا افطار کے لئے بچا لیتیں تو بہتر ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے یاد دلاتیں تو ایسا ہی کرتی۔ مدینہ طیبہ میں قحط پڑا تو دامادِ رسول حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کئی اونٹوں پر لدا ہوا مالِ تجارت خیرات کر ڈالا۔ ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا نصف سامان لاکر بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پورا مال و اسباب لاکر پیش کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے جب پوچھا کہ اپنے بال بچوں کے لئے گھر میں کیا چھوڑا ہے تو جواب دیا کہ اُن کے لئے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی ہیں۔

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ بہت سخی تھے۔ ایسی مثالیں صحابہ کی زندگی میں بہت عام ہیں اور خدمت خلق کے فضائل سے اسلامی لٹریچر کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ یونہی عوام کے لئے کنویں کھدوانے کا دستور بھی عہد نبوی میں تھا۔ یتیموں کی پرورش اور ضرورت مندوں کی خبر گیری، مسافروں کی خدمت اور راہگیروں کی حاجت برآری بھی عہد نبوی اور صحابہ کے دور کی خصوصیات ہیں۔ یہ سلسلہ بعد کے دور میں بھی جاری رہا اور مسلم حکمرانوں نے ہی نہیں بلکہ دوسرے اہل خیر حضرات نے بھی مسافر خانے، سرائے، مدرسے قائم کئے اور کنویں کھدوائے۔

خدمتِ خلق اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کسی کے مرتبہ و مقام کا صحیح اندازہ اُس وقت لگایا جا سکتا ہے جب اُس کے دشمن اور اغیار بھی اُس کی تعریف کرنے پر مجبور نظر آئیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایسی ہی ایک عظیم ہستی ہیں۔ سنہ 6 نبوی میں سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ہجرت کے ارادے سے حبشہ کی طرف نکلے تو راستے میں آپ کو قبیلہ قارہ کا سردار ابن الدغنہ مل گیا، پوچھا: آپ کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا:

میری قوم نے مجھے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر اللہ کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے اِس پر جن الفاظ سے آپ کے اوصافِ حمیدہ بیان کیے، تاریخ نے ہمیشہ کے لیے اُنہیں محفوظ کر لیا، اُس نے کہا: یہ نہیں ہوسکتا، آپ جیسا فیاض، اپنوں سے نیک سلوک کرنے والا، غریب پرور، مہمان نواز، غم خوار اور مددگار مکہ سے نکل جائے یا نکالا جائے۔ میں آپ کو اپنی حفاظت میں لیتا ہوں، آپ واپس چلیے اور اپنے شہر میں اپنے پروردگار کی عبادت کیجئے، چنانچہ آپ واپس تشریف لے آئے اور اُس نے شام کے وقت سردارانِ قریش سے ملاقات کی اور اُن سے کہنے لگا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا شخص ہرگز نہ نکالا جائے، کیا تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو فیاض، اپنوں سے حسنِ سلوک کرنے والا، غریب پرور، مہمان نواز اور لوگوں کا مددگار ہے۔

☆

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ جس مسلمان کو کفار کے ہاتھ میں غلام یا قیدی کی حالت میں دیکھتے تو اس کو خرید کر آزاد کر دیتے تھے اور یہ لوگ عموماً کمزور اور ضعیف ہوتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے فرمایا: ''جب تم غلاموں کو خرید کر آزاد ہی کرتے ہو تو ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کرو جو طاقت ور اور بہادر ہوں تا کہ وہ کل تمہارے دشمنوں کا مقابلہ اور تمہاری حفاظت کر سکیں۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ میرا مقصد ان آزاد کردہ غلاموں سے کوئی فائدہ اٹھانا نہیں ہے، بلکہ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر ان کو آزاد کرتا ہوں۔ (تاریخ الخلفاء، تفسیر ضیاالقرآن، تفسیر مظہری)

☆

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بن کر جب اپنے ساتھیوں کے سامنے بیٹھے کہ کاروبارِ سلطنت اب کیسے اور کس طرح چلایا جائے تو خود ہی تجویز دے دی کہ آپ لوگ میری تنخواہ مدینہ کے ایک مزدور کی اُجرت کے برابر مقرر کر دیں۔ ساتھیوں نے عرض کیا کہ جناب مزدور کی

تنخواہ تو بہت کم ہوتی ہے، اس پر آپ کا گزارہ نہیں ہوگا تب اسلامی تاریخ کے اس سب سے پہلے اور بڑے حکمران نے آنے والے حکمرانوں کے لیے یہ تاریخی جملہ کہا اور ایک اسلامی حکومت کے بجٹ کا فیصلہ بھی کر دیا کہ پھر مزدور کی تنخواہ بڑھا دی جائے، اس طرح میری تنخواہ بھی خود بخود بڑھ جائے گی اور میری ضرورت پوری ہوتی رہے گی۔

☆

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پیشوائے اوّلیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونے سے پہلے اپنے محلّہ کی بیواؤں، محتاجوں اور یتیموں کا خاص خیال رکھتے تھے، ان کی ضروریات کی دیکھ بھال کرتے، ان کی بکریاں چراتے اور ان کا دودھ دوھ دیتے تھے۔ جب خلیفہ ہوئے تو ایک یتیم لڑکی نے کہا کہ افسوس اب ہماری بکریاں کون دوھے گا۔ یہ سن کر سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "خدا کی قسم خلافت مجھے خدمتِ خلق سے باز نہیں رکھ سکے گی"۔

☆

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک اندھی بڑھیا کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ کوئی دوسرا شخص اُن سے پہلے آ کر بڑھیا کے سارے کام کر جاتا۔ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تاک میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور بڑھیا کی دیکھ بھال کر کے جانے لگے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پکار اٹھے کہ "میرا اندازہ صحیح نکلا۔ یہ تو آپ ہی ہیں میری جان کی قسم" آپ نفع رسانی اور خدمتِ خلق میں پیش پیش رہتے۔ بیماروں کی تیمارداری، ضعیفوں اور ناتوانوں کی حاجت برآری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ آج تم میں سے کون روزے سے ہے؟ آج کس نے جنازہ میں شمولیت کی ہے؟ کس نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ کس نے مریض کی عیادت کی؟ ان سب سوالوں کے جواب میں صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں نے ایسا کیا ہے۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ جس نے ایک دن میں یہ سب نیکیاں کی ہوں وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔

☆

وصال سے قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو گفتگو فرمائی، اُس سے بھی آپ کے جذبہء خدمتِ خلق کی جھلک صاف نمایاں ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے ان دونوں کپڑوں میں کفنا دینا''، حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یہ کپڑا تو پرانا ہے۔ اِس پر حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''زندہ، مردے کی نسبت نئے کپڑے کا زیادہ حقدار ہے۔'' یہ فرمان احساسِ خدمتِ خلق کی ایک عظیم مثال ہے۔

خدمتِ خلق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

طبقات ابن سبکی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''ایک اعرابی، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض پرداز ہوا: اے خیر و برکت والے عمر رضی اللہ عنہ! آپ کو جنت عطا کی جائے، خدارا میری بیٹیوں اور ان کی ماں کو لباس پہنایئے، میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ میری درخواست پوری فرمایئے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں پوری نہ کروں تو کیا ہوگا؟ اعرابی نے کہا تب میں ابوحفص عمر (رضی اللہ عنہ) کو اپنے ساتھ چلاؤں گا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں چل پڑا تو کیا ہوگا؟ اعرابی نے شعر کہا جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''بخدا! میری بیوی اور بچیوں کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ سے ضرور پوچھا جائے گا جس دن کہ آپ عطیات کے سامنے ہوں گے اور جس سے سوال کیا جائے گا وہ ان کے درمیان کھڑا ہوگا۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اُس کی بات سن کر رو پڑے یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک تر ہوگئی، آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو فرمایا، اِسے میرا کُرتا دے دو، اس کے شعر کے لئے نہیں بلکہ اُس دن (یوم حساب) کے لئے، پھر فرمایا بخدا میں اِس کے سوا (کسی اور چیز) کا مالک

نہیں ہوں"۔

☆

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت وشان اور رعب ودبدبہ کا ایک طرف تو یہ حال تھا کہ محض آپ کے نام سے ہی قیصر وکسریٰ ایسی عظیم الشان سلطنت کے ایوانِ حکومت و اقتدار میں لرزہ پیدا ہوجاتا تھا اور دوسری طرف خدمت خلق کا یہ عالم ہے کہ کندھے پر مشکیزہ رکھ کر بیوہ عورتوں کیلئے آپ پانی بھرتے ہیں۔ مجاہدین اسلام کے اہل وعیال کا بازار سے سودا سلف خرید کرلا دیتے ہیں اور پھر اسی حالت میں تھک کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی گوشہ میں فرشِ خاک پر لیٹ کر آرام فرماتے ہیں۔

☆

ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ صدقہ کے اونٹوں کے بدن پر تیل مل رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا: اے امیر المؤمنین! یہ کام کسی غلام سے لے لیا ہوتا۔ آپ کیوں اتنی محنت ومشقت کرتے ہیں! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے بڑھ کر اور کون غلام ہوسکتا ہے، جو شخص مسلمانوں کا والی ہے وہ درحقیقت ان کا غلام بھی ہے۔ (کنز العمال)

☆

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خدمت خلق کے کاموں میں پیش پیش رہتے تھے اور اس میں انہیں سرور حاصل ہوتا تھا۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ راتوں میں رعایا کی خبر گیری کے لیے گشت لگایا کرتے تھے۔ ایک شب گشت کررہے تھے کہ ایک بدو کو دیکھا جو اپنے خیمے کے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ آپ اُس کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور ادھر ادھر کی باتیں کرنی شروع کیں۔ دفعتاً خیمے سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کون رورہا ہے؟ اس نے کہا کہ میری بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے جبکہ اُس کی دیکھ بھال کے لیے کوئی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر پر آئے اور اُم کلثوم رضی اللہ عنہا (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ) کو ساتھ لیا۔ دوبارہ بدو کے پاس پہنچے

اور اُس سے اجازت لے کر اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کو خیمہ میں بھیج دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پکارا کہ اے امیر المؤمنین، بچہ پیدا ہو گیا ہے۔ جب بدو نے سُنا کہ اُس کی مدد کرنے والا کوئی اور نہیں بلکہ خلیفۃ المسلمین اور امیر المؤمنین ہے تو وہ چونک پڑا اور خوف زدہ ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کچھ خیال نہ کرو۔ کل صبح میرے پاس آنا، میں اس بچے کا وظیفہ مقرر کروں گا۔

☆

مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو گذارہ کے لئے زمین کے قطعات عطا فرمائے تھے۔ یہ قطعاتِ زمین فتح خیبر کے بعد جنگ خیبر میں شریک تمام صحابہ میں تقسیم کئے گئے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حصے میں زمین کے دو قطعات آئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے زمین کے یہ دونوں قطعات اللہ کی راہ میں وقف کر دیئے اور اس وقف میں یہ شرائط مقرر کر دیں کہ یہ زمین نہ فروخت ہوگی، نہ ہبہ کی جائے گی، نہ وراثت میں منتقل ہوگی اور جو کچھ اس سے حاصل ہوگا، وہ فقراء، غرباء، غلاموں اور مہمانوں کا حق ہے۔ (بخاری شریف)

☆

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عمر رسیدہ یہودی کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اس سے سوال کیا: تم بھیک کیوں مانگتے ہو؟ اُس نے جواب دیا، جزیہ ادا کرنے، ضرورتِ زندگی پوری کرنے اور بڑھاپے کے باعث مانگ رہا ہوں۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُسے اپنے گھر لے آئے، کچھ رقم عطا کی اور پھر ایک عام حکم کے ذریعے اُس کا اور اس جیسے تمام تمام افراد کا جزیہ معاف کر دیا۔

☆

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دنیا کے تمام مفتوحہ ممالک کا دورہ کیا۔ ہر شہر اور ہر علاقے

میں کھلی کچہریاں لگائیں، موقع پر احکامات جاری کیے، حکمرانوں کے دروازے پر دربان مقرر کرنے پر پابندی لگائی، ساری ساری رات بازاروں اور گلیوں کے پہرے دیے، بھوکوں، پیاسوں، بے گھروں اور ضرورت مندوں کے لیے خود چل کر گئے۔ رعایا کے ہر طبقے کی ضروریات کی تکمیل کے لیے رات اور دن کا آرام چھوڑ دیا۔ قحط میں آپ نے گھی اور زیتون بھی ترک کر دیا۔ آپ کا رنگ سیاہ پڑ گیا لیکن آپ رضی اللہ عنہ رعایا پروری کرتے ہوئے غریبوں کے دکھ درد میں برابر شریک رہے۔

☆

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرتِ سیدنا اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں ایک رات امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین حضرتِ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ آبادی سے باہر آگ کی روشنی نظر آئی، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے اسلم! شاید وہاں کوئی قافلہ ٹھہرا ہوا ہے، آؤ، وہاں چلتے ہیں، شاید کسی کو ہماری حاجت ہو۔ جب آپ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت نے آگ روشن کر کے دیگچی چولہے پر رکھی ہوئی ہے اور اس کے قریب ہی چھوٹے چھوٹے بچے بلند آواز سے رو رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے روشنی والو! السلام علیکم! عورت نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا: ''خیر وسلامتی کے ساتھ آجاؤ''۔ امیر المؤمنین نے قریب جا کر پوچھا: ''تمہارا کیا معاملہ ہے؟'' عورت نے کہا: رات اور سردی کی وجہ سے ہم نے آگ روشن کر لی۔ پوچھا: یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟، اُس نے کہا: بھوک کی وجہ سے۔ فرمایا: اس دیگچی میں کیا ہے؟ عورت نے غمگین ہو کر کہا: ہمارے پاس کھانے کو کوئی چیز نہیں، میں نے دیگچی میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھ دی ہے تاکہ اسے دیکھ کر بچوں کو کچھ سکون ملے اور وہ سو جائیں۔ اللہ عزوجل ہمارے اور امیر المؤمنین کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ ہمارے خلیفہ، عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ عزوجل پوچھے گا۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ کانپ اٹھے اور اس سے فرمایا: اے اللہ عزوجل کی بندی! عمر رضی اللہ عنہ کو کیا معلوم، تمہارا کیا حال ہے؟ اُس نے جواباً کہا: وہ ہمارا خلیفہ ہو کر بھی ہماری حالتِ زار سے بے خبر ہے!۔ آپ رضی اللہ عنہ نے

فرمایا: اے اللہ عزوجل کی بندی! تم کچھ دیر تک انتظار کرو، اِن شاء اللہ عزوجل میں کچھ ہی دیر میں واپس آتا ہوں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ بیت المال کے گودام میں آئے، ایک بوری میں جو کا آٹا، چربی اور گھی وغیرہ ڈال کر مجھ سے فرمایا: اے اسلم! یہ بوری میری پیٹھ پر رکھو۔ میں نے عرض کیا: حضور! آپ کا غلام حاضر ہے، یہ بوری میں اٹھالوں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے میری طرف دیکھ کر غصے سے فرمایا: جو کہا جارہا ہے اس پر عمل کرو اور بوری میری پیٹھ پر لاد دو۔ میں نے کہا: حضور! میں اٹھالیتا ہوں۔ فرمایا: کیا قیامت کے دن بھی تم میرا وزن اٹھالوگے؟ جلدی کرو یہ بوری میری پیٹھ پر رکھو دو۔ حضرت اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی بوری آپ رضی اللہ عنہ کی پیٹھ پر رکھ دی۔ آپ رضی اللہ عنہ چل پڑے اور عورت کے پاس پہنچ کر بوری اتار کر زمین پر رکھ دی۔ پھر جو کا آٹا، چربی اور دیگر اشیا ہانڈی میں ڈال کر خود ہی اسے ہلاتے رہے اور خود ہی چولہے میں پھونک مارتے رہے۔ میں نے دیکھا کہ امتِ مسلمہ کا عظیم خلیفہ، امیر المؤمنین ایک غریب و بے سہارا عورت اور اس کے بچوں کے لئے اپنے ہاتھوں سے کھانا تیار کر رہا ہے اور دھواں اس کی گھنی داڑھی سے گزر رہا ہے جبکہ میں حیرت کی تصویر بنا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ جب کھانا تیار ہوگیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے برتن میں ڈالا اور اسے ٹھنڈا کرتے ہوئے کہا: زیادہ گرم کھانا بچوں کو نقصان دے گا۔ جب کھانا ٹھنڈا ہوگیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب تم اپنے ننھے منے بچوں کو کھلاؤ اور خود بھی کھاؤ۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھوں سے انہیں کھانا دیتے رہے، یہاں تک کہ وہ سب سیر ہوگئے۔ پھر عورت نے کہا: اللہ عزوجل! تجھے جزائے خیر عطا فرمائے، تو خلیفۃ المسلمین عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ خلافت کا حق دار ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ عزوجل کی بندی! امیر المؤمنین کے بارے میں اچھا کلام کر اور اچھا گمان رکھ۔ تو جب امیر المؤمنین کے پاس آئے گی تو مجھے وہیں پائے گی۔ میں ضرور تیری سفارش کروں گا۔ عورت کو معلوم نہ تھا کہ امیر المؤمنین تو اس کے سامنے موجود ہے۔ اس نے پوچھا: اے نیک دل انسان! اللہ عزوجل تجھ پر رحم فرمائے، تو کون ہے؟ آپ نے اپنا تعارف نہ کروایا۔ وہ آپکو دعائیں دیتی رہی اور پوچھتی رہی لیکن حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے متعلق کچھ نہ بتایا۔ پھر کچھ دور جا کر آپ چوپایوں کی طرح چار زانو بیٹھ گئے اور ایسی آوازیں نکالنے لگے کہ بچے آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھ دیکھ کر خوش ہونے لگے اور ہنسنے لگے۔ حضرتِ سیدنا اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی یہ حالت دیکھی تو متعجب ہو کر کہا: اے مسلمانوں کے عظیم خلیفہ! آپ کی شان اس سے بہت زیادہ بلند ہے، یہ آپ نے کیسی حالت بنالی ہے؟ فرمایا: خاموش ہوجا! میں نے ان ننھے منے بچوں کو بھوک سے روتا ہوا دیکھا تھا، اب مجھے اس وقت تک سکون نہیں ملے گا جب تک انہیں ہنستا ہوا نہ دیکھ لوں۔ بچے آپ رضی اللہ عنہ کے قریب آ کر کھیلنے اور ہنسنے لگے، ان کا دل خوش ہو گیا۔ پھر جب وہ سو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا۔ پھر فرمایا: اے اسلم! بھوک نے ان بچوں کو رُلا دیا تھا، ان کو روتا دیکھ کر میں نے تہیہ کرلیا تھا کہ میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا، جب تک انہیں ہنستا نہ دیکھ لوں۔ اب میرے دل کو سکون مل گیا۔ آؤ! واپس چلیں۔

ایک بادشاہ کی طرف سے خدمتِ خلق کے ایسے مظاہرے دنیا نے کبھی نہ دیکھے تھے نہ سُنے تھے۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں لاکھوں مربع میل کا علاقہ اسلام کے زیرِ نگیں کر دیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ عظیم الشان کلمات بھی ارشاد فرمائے جو قیامت تک کے لیے حکمرانوں کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی پیاسا مر گیا تو اُس کی موت کا جواب دہ عمر (رضی اللہ عنہ) ہو گا۔'' اِسی طرح آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: ''ماؤں نے بچوں کو آزاد پیدا کیا ہے تو کوئی اُن کو غلام کیسے بنا سکتا ہے''۔ حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یہی الفاظ تاریخ کی کتابوں میں آج بھی محفوظ ہیں۔

خدمتِ خلق اور حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ

سخاوت جب عروجِ کمال تک پہنچتی ہے تو حضرت سیّدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔ خلیفہء سوم، امیر المؤمنین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ صحابہ کرام میں دولت مندی کے اعتبار

سے بہت ممتاز تھے اور سخی اتنے زیادہ تھے کہ لفظ ''غنی'' آپ کے نام کا جز بن چکا تھا۔آپ نے مخلوقِ خدا کی خدمت کے لیے بہت سارے کام سرانجام دیئے۔

☆

ایک بار آپ رضی اللہ عنہ نے بیئر معونہ چالیس ہزار درہم میں خرید کر وقف فرما دیا تھا۔یہ مدینہ کا سب سے زیادہ شیریں کنواں تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بہت دعا دی تھی اور فرمایا تھا،''خدا تم کو جنت کے بہترین پانی سے سیراب کرے''۔

☆

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے پچاس ہزار درہم بطور قرض لے رکھا تھا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی سے نکلتے ہوئے کہا کہ آپ کا قرض واپس کرنا ہے، میں نے اس کا انتظام کر رکھا ہے۔آج آپ وصول کر لیجئے گا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ رقم اب میں آپ کے لیے ہبہ کر چکا ہوں۔آپ کی مروت و ہمدردی خلق کی بناء پر اسے میں آپ کو بطور ہدیہ دے چکا ہوں۔اب واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔(احیاء العلوم)

☆

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں قحط پڑ گیا اور اکثر عرب میں ایسا ہوتا تھا کہ اشیائے خوردنی کی شدید قلت ہوا کرتی تھی۔اسی دوران آپ رضی اللہ عنہ کا تجارتی قافلہ مدینہ منورہ پہنچا۔لوگوں میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی کہ غلہ آ گیا۔لوگ خرید نے پہنچے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے کارندوں کو فرمایا کہ لوگوں سے دریافت کرو کہ کتنے گنا منافع دیں گے۔عوام مجبور تھے چنانچہ انہوں نے حتی المقدور کئی گنا منافع کی پیش کش کی مگر سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مطالبہ زیادہ تھا۔لوگ ناچار مایوسی کے عالم میں واپس جانے لگے تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو واپس بلاؤ اور ساتھ ہی فرمایا کہ بوریوں کے منہ کھول کر اُلٹا دو۔آپ نے فرمایا کہ جو جتنا لے جا سکتا ہے،

بلا معاوضہ لے جائے، اس کا کئی گنا زیادہ اضافہ میں اس سے لوں گا جو دینے پر قادر ہے۔ تو لوگ بوریوں اور گٹھڑیوں میں جی بھر کر غلہ لے گئے اور مدینہ پاک کے مکین آسودہ ہو گئے۔

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا بنک اکاؤنٹ

مدینہ منورہ کی میونسپلٹی میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے نام پر باقاعدہ جائیداد رجسٹرڈ ہے اور آج بھی حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے نام پر بجلی اور پانی کا بل آتا ہے۔ نبوت کے تیرہوں سال میں جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں پینے کے پانی کی بہت قلت تھی۔ مدینہ منورہ میں ایک کنواں تھا جس کا نام ''بئر رومہ'' تھا۔ اُس کنویں کا مالک ایک یہودی تھا جو مسلمانوں کو مہنگے داموں پانی فروخت کرتا تھا۔ جب پریشانی زیادہ بڑھ گئی تو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی خدمت میں شکایت پیش کی، جس پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کون ہے جو یہ کنواں خریدے اور مسلمانوں کے لیے وقف کر دے؟ ایسا کرنے پر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں چشمہ عطا کرے گا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اس یہودی کے پاس گئے اور کنواں خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ کنواں چونکہ منافع بخش آمدنی کا ذریعہ تھا، اس لیے یہودی نے اُسے فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے یہ تدبیر کی کہ پورا کنواں نہ سہی، آدھا کنواں ہی فروخت کر دو یعنی آدھا کنواں فروخت کرنے پر ایک دن کنویں کا پانی تمہارا ہو گا اور دوسرے دن میرا ہو گا۔ یہودی اس پیشکش پر لالچ میں آ گیا۔ اُس نے سوچا کہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ اپنے دن میں پانی مہنگے داموں فرخت کریں گے، اس طرح اسے زیادہ منافع کمانے کا موقع مل جائے گا۔ چنانچہ اس نے آدھا کنواں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو فروخت کر دیا۔ آپ نے وہ کنواں اللہ کی رضا کے لئے وقف کر کے اپنی باری والے دن کنویں سے مفت پانی حاصل کرنے کی اجازت دے دی۔ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باری والے دن مفت پانی حاصل کرتے اور اگلے دن کے لئے بھی ذخیرہ کر لیتے جبکہ یہودی کی باری والے دن کوئی بھی شخص پانی خریدنے نہ جاتا۔ یہودی نے جب دیکھا کہ اس کی تجارت تو بالکل

ماند پڑ گئی ہے تو اس نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو خود ہی باقی آدھا کنواں بھی خریدنے کی پیشکش کر دی جس پر حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے اور کم و بیش پینتیس ہزار درہم میں پورا کنواں خرید کر وقف کر دیا۔ کنواں وقف کرنے کے بعد ایک مالدار آدمی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کنواں دوگنی قیمت پر خریدنے کی پیش کش کی تو حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ''مجھے اس سے کہیں زیادہ کی پیشکش ہے'' تو وہ شخص بھی اپنی پیشکش بڑھاتا چلا گیا اور حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ یہی جواب دیتے رہے۔ یہاں تک کہ اس آدمی نے پوچھا: آخر وہ کون ہے جو آپ کو دس گنا دینے کی پیشکش کر رہا ہے؟ حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: میرا رب ہے جو مجھے ایک نیکی پر دس گنا اجر دینے کی پیشکش کرتا ہے۔ وقت گزرتا گیا اور یہ کنواں مسلمانوں کو سیراب کرتا رہا یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس کنویں کے اردگرد کھجوروں کا باغ بن گیا اور اسی دور میں اس باغ کی دیکھ بھال شروع ہوئی۔ بعدازاں آلِ سعود کے عہد میں اس باغ میں کھجور کے درختوں کی تعداد تقریباً پندرہ سو پچاس ہوگئی۔ حکومتِ وقت نے اس باغ کے گرد چاردیواری بنوائی اور یہ جگہ میونسپلٹی میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے نام پر رجسٹرڈ کر دی گئی۔ وزارتِ زراعت یہاں کی کھجوریں بازار میں فروخت کرتی اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے نام پر ایک بنک اکاؤنٹ میں جمع کرواتی رہی۔ یہاں تک کہ اس اکاونٹ میں اتنی رقم جمع ہوگئی کہ مدینہ منورہ کے مرکزی علاقہ میں اس باغ کی آمدنی سے ایک کشادہ پلاٹ لیا گیا جہاں فندق عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے نام سے ایک رہائشی ہوٹل تعمیر کیا جانے لگا۔ اس رہائشی ہوٹل سے سالانہ پچاس ملین ریال آمدنی متوقع ہے جس کا آدھا حصہ غریبوں اور مسکینوں کی کفالت اور باقی آدھا حصہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بینک اکاؤنٹ میں جمع ہوگا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس عمل اور خلوصِ نیت کو اللہ رب العزت نے اپنی بارگاہ میں ایسے قبول فرمایا اور اس میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ قیامت تک ان کے لیے صدقہ ء جاریہ بنا دیا۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا ایک اکاؤنٹ یہاں موجود ہے اور ایک اکاؤنٹ وہاں بھی موجود ہے، جہاں ہم سب کو بالآخر

جانا ہی ہے، یہی وہ لوگ ہیں جن کی جانیں اور مال اللہ نے اپنی جنتوں کے بدلے خرید لئے، یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کے ساتھ تجارت کی، جنھوں نے اللہ کو قرض دیا، اچھا قرض اور پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں کئی گنا بڑھا کر لوٹایا۔

خدمتِ خلق اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی پرورش اور تربیت جنابِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ سایہ ہوئی اور آپ کو اس بات کا شرف حاصل ہے کہ سفر و حضر میں ہر جگہ آپ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم نشینی و رفاقت میسر رہی۔ اس لئے آپ کی زندگی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا عکس قرار دیا جاسکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا اختلاف مذہب وملت حقوقِ انسانی کی ادائیگی کے لئے اُبھارا اور عملی طور پر اپنی کاوشوں کے ذریعے اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ تمہاری نجات حقوقِ انسانی اور حقوق العباد کی ادائیگی کے ساتھ وابستہ ہے۔ چونکہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو آپ کی لمبی رفاقت اور ساتھ میسر رہا ہے اس لئے نہ صرف آپ کے اقوال و نصائح میں حقوق انسانی کی تعلیمات ملتی ہیں بلکہ مختلف مواقع پر اللہ کے بندوں کے ساتھ آپ کے طے کردہ معاملات اس بات کے عملی گواہ ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو حقوقِ انسانی کے علمبردار ہونے کی حیثیت سے ایک امتیازی مقام حاصل ہے اور آپ کی اس سلسلے میں کی گئی عملی کوششیں بعد والوں کے لئے ایک نمونۂ عمل ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دورِ حیات سے ایک انصاف پسند، مساوات پر مبنی اور عام بہتری کے تصور پر مبنی معاشرے کے قیام کی کوشش نے عرب کی سماجی، مذہبی اور سیاسی زندگی کا رخ بدل دیا۔ مشقت کی عظمت اور سماجی خدمت اسلام کے ماننے والوں کے لیے ایک اہم روشنی بن گئی۔ اسی چراغ کی روشنی کو مزید تیز کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنی زندگی خدمت خلق کے لئے وقف کردی اور اپنے بچپن سے ہی انسانوں کی فلاح و بہبود کے کاموں کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔

☆

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سائل حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم کے پاس آ کر کھڑا ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نماز میں حالتِ رکوع میں تھے۔ اس نے آپ رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی کھینچی تو آپ نے انگوٹھی سائل کو عطا فرما دی۔ حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو آپکو اس بات کی خبر دی۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: بے شک تمہارا مددگار (دوست) اللہ اور اس کا رسول ہی ہے اور (ساتھ) وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور (وہ) اللہ کے حضور عاجزی سے جھکنے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا اور ارشاد فرمایا: جس کا میں مولا ہوں، اس کا علی مولا ہے، اے اللہ! جو اِسے دوست رکھے تو اسے دوست رکھ اور جو اِس سے عداوت رکھے تو اس سے عداوت رکھ۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل، امام حاکم اور امام طبرانی نے معجم الکبیر اور معجم الاوسط میں روایت کیا ہے۔

☆

حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم کی سخاوت اور طبیعت کی خودمختاری کا یہ عالم تھا کہ افلاس و فاقہ کے دنوں میں بھی جو کچھ وہ دن بھر کی مزدوری کے بعد حاصل کرتے تھے، اس کا ایک بڑا حصہ غریب اور فاقہ کش لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور وہ کسی سائل کو اپنے در سے نا اُمید واپس جانے نہیں دیتے تھے۔ آپ کے تقویٰ اور استغنا کا یہ عالم تھا کہ شدید سردی میں ایک چادر جو مدینہ طیبہ سے لائے تھے، اوڑھ لیا کرتے۔ بدن کانپ رہا ہوتا لیکن امیر المؤمنین ہونے کے باوجود بیت المال سے اس وجہ سے کچھ نہیں لیتے تھے کہ کسی مسلمان کی حق تلفی نہ ہو جائے۔ حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم کا مذکورہ طرزِ عمل اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ دوسروں کے حقوق کے سلسلے میں بہت زیادہ حساس تھے، حتیٰ کہ آپ نے سخت ٹھنڈک کی صعوبتیں برداشت کرنا گوارا کیا لیکن بیت المال سے صرف اس وجہ سے اپنے لئے آرام کی چیز نہیں لی کہ کہیں کسی مسلمان کی

حق تلفی نہ ہو جائے۔

☆

امام بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا وجودِ مسعود بطور خلیفۃ المسلمین رعایا کے لئے رحمت تھا۔ بیت المال کے دروازے غرباء و مساکین کے لئے کھلے ہوئے تھے اور اس میں جو رقم ہوتی تھی، نہایت فیاضی کے ساتھ مستحقین میں صرف کردی جاتی تھی۔ ذمیوں کیساتھ نہایت شفقت آمیز برتاؤ تھا۔ ایران میں خفیہ سازشوں کے باعث بار بار بغاوت ہوئی لیکن حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے ہمیشہ رحم سے کام لیا یہاں تک کہ ایرانی اس لطف و کرم و شفقت سے متاثر ہو کر کہتے تھے کہ خدا کی قسم اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کردی ہے۔

☆

سیّدنا، حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو لوگوں کے حقوق کا اس قدر خیال تھا کہ خلیفہ وقت ہونے کی حیثیت سے تمام وسائل حاصل ہونے کے باوجود آپ سادہ زندگی گذارتے تھے، سادہ غذا اور سادہ لباس شروع سے آخر تک آپ کی عادت میں شامل رہا، جَو کی سوکھی روٹی کھاتے تھے اور موٹا سیاہ لمبا کرتا اور اسی قسم کی عباء اور عمامہ پہنتے تھے لیکن ملازمین کو عمدہ لباس فراہم کرتے تھے۔ غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کرتے تھے۔ گھر کے کاموں کے علاوہ ذاتی کام بھی خود کرتے تھے۔ بڑی انسانی خوبی یہ تھی کہ آپ معمولی غریب مسلمانوں سے ملتے تھے اور ان کو اپنے قریب بٹھاتے تھے۔

☆

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے حقوق انسانی کے سلسلے میں اپنے فرزند حضرت امام حسن علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے جو تعلیم دی وہ دستورِ حیاتِ اقدارِ بشریت کو سمجھنے کیلئے کافی ہے۔ آپ کرم اللہ وجہہ الکریم نے ارشاد فرمایا: اے فرزند اپنے اور دوسروں کے درمیان میں ہر معاملہ میں اپنی ذات کو میزان قرار دو۔ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو

اور جو اپنے لئے نہیں چاہتے وہ دوسروں کے لئے بھی نہ چاہو۔ جس طرح یہ چاہتے ہو کہ تمہاری ساتھ حسن سلوک ہو، یونہی دوسروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آ ؤ، دوسروں کے لئے وہ بات نہ کہو جو اپنے لئے سننا گوارا نہیں کرتے۔ اپنے مسلمان بھائی کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کرو کہ جب وہ دوستی توڑے تو تم اسے جوڑو، وہ منہ پھیر لے تو تم آگے بڑھو اور لطف و مہربانی سے پیش آ ؤ۔ وہ تمہارے لئے کنجوسی کرے تو تم اس پر خرچ کرو، وہ دوری اختیار کرے تو اس کے نزدیک ہونے کی کوشش کرو، وہ سختی کرے اور تم نرمی کرو، وہ خطا کا مرتکب ہو اور تم اس کیلئے عذر تلاش کرو۔ آپ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ انصاف سے دوستوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ لطف و کرم سے منزلت بڑھتی ہے۔ جھک کر ملنے سے نعمت تمام ہوتی ہے۔ دوسروں کا بوجھ ہٹانے سے سرداری حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا دوسروں کے پسماندگان سے بھلائی کرو تاکہ تمہارے پسماندگان پر بھی نظر شفقت پڑے۔

حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم نے لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: جس نے تم کو مال و متاع بخشا ہے اس کی راہ میں تم اسے خرچ نہیں کرتے ہو اور نہ اپنی جانوں کو اس کیلئے خطرے میں ڈالتے ہو جس نے ان کو پیدا کیا۔ تم نے اللہ کی وجہ سے بندوں میں آبرو پائی لیکن اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کر کے اس کا احترام نہیں کرتے۔

ایک اور جگہ آپ نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس کسی کو اللہ دیتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اسے قرابت داروں کے ساتھ اچھے برتاؤ کے لئے، مہمان نوازی کے لئے، قیدیوں کو رہا کروانے کے لئے اور مصیبت زدوں کی مدد کرنے کیلئے استعمال کرے۔ اسے غرباء اور قرض داروں کو دینے میں خرچ کرنا چاہیے۔ حق کی ادائیگی میں اور صلہ کی امید میں زحمت اٹھانی چاہیے، یقیناً ان صفات کا حصول اس دنیا کی اعلیٰ ترین عظمت ہے اور اللہ نے چاہا تو اگلی دنیا کے لئے امتیازی کامیابی ہے۔ اسی طرح حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم نے خیرات کی تقسیم کو سماجی اور اقتصادی سرگرمیوں کا ایک لازمی جز قرار دیا ہے۔ آپ نے لوگوں کو نصیحت کی کہ وہ ایک دوسرے

کی مدد کے تصور پر عمل کریں۔ آپ کے نزدیک ضرورت مندوں کی مدد اور سہارے دینے کی عادت انسان کے مقام کو بلند کرتی ہے۔ آپ کا قول ہے کہ تھوڑا دینے میں شرم نہ کرو کیونکہ انکار اس سے بھی چھوٹا ہوتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک دوسرے کے ساتھ معاشرت کی پائیداری اور دلی وابستگی کی پختگی پر زور دیتے ہوئے فرمایا: "لوگوں سے اس طرح ملو کہ اگر مر جاؤ تو وہ تم پر روئیں اور زندہ رہو تو تمہارے مشتاق ہوں۔"

خدمتِ خلق اور حضرت امام حسن مجتبیٰ بن علی المرتضیٰ علیہ السلام

آپ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے بڑے صاحبزادے اور نہایت سخی و فیاض تھے۔ آپ کے فضائل و مناقب میں بیشمار ایسے واقعات درج ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خدمتِ خلق کرنا آپ کا شیوہ اور نہایت مرغوب تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ آپ خود تو فاقہ کرتے ہیں لیکن سائل کو محروم واپس نہیں جانے دیتے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں خدا سے مانگنے والا ہوں، اس نے مجھے دینے کی عادت ڈال رکھی ہے اور میں نے لوگوں کو دینے کی عادت ڈال رکھی ہے، میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں اپنی عادت بدل دوں، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا بھی اپنی عادت بدل دے اور مجھے بھی محروم کر دے۔

ایک شخص نے حضرت امام حسن علیہ السلام سے کچھ مانگا۔ دست سوال دراز ہونا تھا کہ آپ نے پچاس ہزار درہم اور پانچ سو اشرفیاں دے دیں اور فرمایا کہ مزدور لا کر اسے اٹھوا لے جا۔ اس کے بعد آپ نے مزدور کی مزدوری میں اپنا کرتہ بھی عطا کر دیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ آپ نے ایک سائل کو خدا سے دعا کرتے ہوئے دیکھا جو کہہ رہا تھا، خدایا! مجھ دس ہزار درہم عطا فرما۔ آپ نے گھر پہنچ کر مطلوبہ رقم بھجوادی۔ (نورالابصار، ابن عساکر)

☆

آپ کی بے پناہ فیاضی سے دوست و دشمن یکساں فائدہ اٹھاتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص مدینہ طیبہ آیا، یہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا دشمن تھا۔ اس کے پاس زادِ راہ اورسواری نہ تھی، اس نے مدینہ طیبہ والوں سے سوال کیا تو کسی نے کہا کہ یہاں امام حسن (علیہ السلام) سے بڑھ کر کوئی فیاض نہیں۔ تم اُن کے پاس جاؤ۔ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے سواری اور زادِراہ دونوں کا انتظام کروادیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے ایسے شخص کے ساتھ کیوں اچھا سلوک کیا جو آپ اور آپکے والد بزرگوار دونوں سے بغض رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا، وہ جیسا بھی ہے مگر کیا میں اپنی آبرو کی حفاظت نہ کروں!

☆

چونکہ آپ خود فیاض تھے لہذا دوسروں کی فیاضی دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کے کسی کھجور کے باغ کی طرف گزرے، دیکھا کہ ایک حبشی غلام ایک روٹی لئے ایک لقمہ خود کھاتا ہےاوردوسرا کتے کو دیتا ہے، اسی طریقہ سے اُس نے آدھی روٹی کتے کو کھلادی، آپ نے غلام سے پوچھا کہ تم نے کتے کو دھتکار کیوں نہیں دیا؟ اس نے کہا، میری آنکھوں کواس کی آنکھوں سے حجاب معلوم ہوتا تھا۔ پھر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا آبان بن عثمان کا غلام ہوں۔ آپ نے پوچھا باغ کس کا ہے؟ معلوم ہوا کہ یہ باغ بھی انہی کا ہے۔ فرمایا: اچھا جب تک میں واپس لوٹ کرنہ آؤں، تم کہیں نہ جانا۔ یہ کہہ کراسی وقت آبان کے پاس گئے اور باغ اور غلام دونوں خرید کر واپس آئے اور غلام سے کہا کہ میں نے تمہیں خرید لیا ہے۔ وہ تعظیماً کھڑا ہوگیا اورعرض کیا، اے امام حسن علیہ السلام! خدا، رسول اور آپ کی خدمت گزاری کے لئے میں حاضر ہوں، جو حکم ملے، آپ نے فرمایا: میں نے باغ بھی خرید لیا ہے، لہذا اب تم خدا کی راہ میں آزاد ہواور باغ تمہیں ہبہ کرتا ہوں۔ غلام پراس بات کا اتنا اثر پڑا کہ اس نے کہا، آپ نے مجھے جس کی راہ میں آزاد فرمایا ہے، میں یہ باغ اُسی کی راہ میں دیتا ہوں۔ (ابن عساکر)

☆

خدمتِ خلق اور حضرت امام حسین علیہ السلام

آپ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے صاحبزادے اور امام حسن علیہ السلام کے چھوٹے بھائی ہیں۔ مالی اعتبار سے خدا نے آپ کو جیسی فارغ البالی عطا فرمائی تھی، اسی فیاضی سے آپ اس کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام خدا کی راہ میں کثرت سے خیرات کرنے والے تھے۔

☆

کوئی سائل کبھی آپ کے دروازہ سے ناکام واپس نہیں جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک سائل مدینہ طیبہ کی گلیوں میں پھرتا پھراتا ہوا درِ دولت پر پہنچا، اس وقت آپ نماز میں مشغول تھے۔ سائل کی صدا سن کر جلدی جلدی نماز ختم کر کے باہر نکلے، سائل پر فقر و فاقہ کے آثار نظر آئے۔ آپ نے اسی وقت قنبر خادم کو آواز دی، قنبر حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا: ہمارے اخراجات میں سے کچھ باقی رہ گیا ہے؟ قنبر نے جواب دیا، آپ نے دوسو درہم اہل بیت میں تقسیم کرنے کے لئے دیئے تھے، وہ ابھی تقسیم نہیں کیئے گئے۔ فرمایا: اس کو لے آؤ، اہل بیت سے زیادہ ایک مستحق آ گیا ہے؛ چنانچہ اسی وقت دوسو درہم کی تھیلی منگوا کر سائل کے حوالے کر دی اور معذرت کی کہ اس وقت ہمارا ہاتھ خالی ہے، اس لئے اس سے زیادہ خدمت نہیں کر سکتے۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے دورِ خلافت میں جب آپ کے پاس بصرہ سے آپ کا ذاتی مال آتا تھا تو آپ اسی مجلس میں اسکو تقسیم کر دیتے تھے۔

☆

ایک دن امام حسین علیہ السلام کچھ فقیروں اور ناداروں کے درمیان سے گزرے۔ فقراء زمین پر بیٹھے، پتھروں سے ٹیک لگائے، سوکھی روٹیاں کھانے میں مشغول تھے۔ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو سلام کیا اور جوابِ سلام کے بعد اپنے ساتھ کھانے میں شرکت کی دعوت دی۔ امام حسین علیہ السلام ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا: اگر تمہاری یہ خوراک صدقہ نہ ہوتی تو میں ضرور

تمہارے ساتھ یہ روٹیاں کھاتا اور پھر ان سے ارشاد فرمایا: ''اٹھو اور میرے ساتھ میرے گھر چلو'' ،آپ علیہ السلام ان سب کو گھر لائے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اور سیر و سیراب کرنے کے بعد انہیں لباس پہنایا اور کچھ نقد درہم دے کر رخصت کیا۔

☆

حضرت امام حسین علیہ السلام عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خدمتِ خلق کا باکمال اور حسین امتزاج تھے۔ آپ نے صوم وصلوٰۃ کے ساتھ ساتھ عملی طور پر فلاحِ انسانیت کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ کربلا کا سفر بھی مخلوقِ خدا کی رہنمائی اور خدمتِ خلق کے سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ حضرت شعیب ابن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ روزِ عاشور، لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی پشت پر گھٹے کے نشان دیکھے تو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے اسکی وجہ پوچھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: یہ نشان بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کے گھروں تک نان و خرما پیٹھ پر لاد کر لے جانے کے سبب بنے ہیں۔

خدمتِ خلق اور صحابیات

اُم المؤمنین، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ مستحقین کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے آپ قرض بھی لے لیا کرتی تھیں۔ خدمتِ خلق کے اس نرالے انداز پر کسی نے سوال کیا کہ قرض کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟ تو بڑے اعتماد سے گویا ہوئیں کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص ادا کرنے کی نیت سے قرض لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی کی کوئی نہ کوئی راہ پیدا فرما دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان پر مجھے یقین ہے اور میری نیت بھی نیک ہے لہذا ادائیگی کی کوئی شکل ضرور پیدا ہوگی۔

حضرت معاذہ بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی عالمہ، فاضلہ اور معلّمہ خاتون تھیں۔ آپ کی خاص خوبی یہ تھی کہ کمزوروں اور ناداروں کی مدد میں پیش پیش رہتیں اور ضرورت مندوں کے کام آتیں۔ ان کی خدمات کا انتہائی قابلِ توجہ پہلو یہ تھا کہ بنفس نفیس لوگوں کی حاجت روائی کیا

کرتی تھیں۔روپے پیسے کے ذریعے خدمت گیری کا معاملہ تو ان کی خوبیوں کا نمونہ تھا ہی، اس سے بڑھ کر بات یہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہا لوگوں کا سودا سلف لا دیتیں اور بوڑھی عورتوں کی خدمت بھی کرتیں۔

اِسی طرح تاریخ کی کتابوں میں حضرت امِ بجید کا واقعہ محفوظ ہے وہ ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔خاندان کے لوگ اصحابِ ثروت اور مالدار تھے لیکن آپ کا عالم یہ تھا کہ ضعیف اور معذور عورتوں کے گھروں میں جا کر خود ہی ان کے کام کرتیں۔ایک بار نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر آ رہی تھیں کہ چند اجنبی لوگوں پر نظریں پڑیں، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لوگ مسافر ہیں اور مدینہ طیبہ سے خاص فاصلے پر سکونت پذیر ہیں۔یہ سنتے ہی سیدھا گھر گئیں اور ان کے لئے کھانا تیار کر کے بھجوایا حالانکہ ایک مالدار عورت کے پاس عربوں میں خادماؤں کی قلت نہیں ہوا کرتی تھی لیکن رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ انہیں آمادہ کر رہا تھا کہ کام اپنے ہاتھ سے انجام دیں۔

خدمتِ خلق اور صوفیاء کرام

خانقاہی نظام میں "خدمتِ خلق" کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔دین اسلام کے یہ عظیم الشان ادارے ایک مثالی انداز میں مخلوقِ خدا کی خدمت کرنے میں مصروف ہیں۔مجبور کی دادرسی، پریشان حال کے دکھوں کا مداوا اور لاچاروں کی امداد کے ساتھ ساتھ بھوکے کو کھانا کھلانا خانقاہوں اور درگاہوں کا وصفِ خاص ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے کہ ہزاروں افراد روزانہ آپ کے جاری کردہ لنگر سے کھانا کھاتے تھے۔کچھ ضرورت مند ایسے تھے جو یہاں نہیں آسکتے تھے تو ان کے گھر کھانا بھیج دیا جاتا تھا۔کچھ لوگوں کو ماہانہ راشن

بھیجا جاتا تھا۔ دہلی کے باہر جنوبی ہند تک ضرورت مندوں کو روپے بھیجے جاتے تھے۔ طلبہ کو تعلیم کے لئے وظیفے دیئے جاتے تھے۔ کسی کو کپڑے تو کسی کو ضرورت کے ساز وسامان فراہم کئے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جو لوگ جمنا سے پانی بھرنے آتے تھے اور ان کے مٹکے ٹوٹ جاتے انھیں بھی خانقاہ کی طرف سے مٹی کے مٹکے فراہم کئے جاتے۔ خدمتِ خلق کے یہ طریقے اس سلسلے کے دوسرے صوفیاء کے ہاں بھی رائج تھے۔ آپ کی خانقاہ میں جو لوگ آتے انھیں وصیت کی جاتی کہ وہ خدمتِ خلق کریں اور اسی کا اثر تھا کہ اس دور میں بہت سی مسجدیں بنوائی گئیں، مسافر خانے تعمیر ہوئے، مدرسے بنے اور مالداروں نے غریبوں اور طلبہ کی کفالت کی ذمہ داریاں اٹھائیں۔ یہاں صدقہ کا لفظ وسیع معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس تعلق سے صوفیاء کے کیا خیالات تھے، اس کا اندازہ درج ذیل عبارت سے لگا سکتے ہیں۔ خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حسن بصری کی کتاب آثار الاولیا کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ :

”صدقہ ایک نور ہے، صدقہ جنت کی حوروں کا زیور ہے اور صدقہ اسی ہزار رکعت نماز سے بہتر ہے جو پڑھی جائے۔ صدقہ دینے والے روزِ حشر عرش کے سائے میں ہونگے۔ جس نے موت سے قبل صدقہ دیا ہوگا وہ اللہ کی رحمت سے دور نہ ہوگا۔ پھر فرمایا صدقہ جنت کی راہ ہے، جو صدقہ دیتا ہے وہ اللہ سے قریب ہوتا ہے۔“

☆

صوفیاء کے سرخیل وبزرگ، حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیفِ لطیف میں لکھا ہے ”حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کے مطابق، ایک دفعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی لیکن سارے شہر میں مچھلی کہیں سے نہ ملی، چند روز کے بعد مچھلی مل گئی آپ کی خدمت میں جا کر پیش کی گئی، یہ دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اسے پکا کر لے آؤ، جب مچھلی تیار ہو کر آپ کے سامنے لائی گئی تو ایک سائل نے آ کر صدا دی کہ کچھ عطا کیا جائے، آپ نے فرمایا: یہ مچھلی اسے دے دو، خادم نے عرض کیا کہ آپ کئی روز سے مچھلی کی خواہش

کررہے تھے، اب وہ پک کر آپ کے سامنے آئی ہے تو سائل کو دے رہے ہیں؟ اس کو مچھلی کی بجائے کوئی اور چیز دے دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اب مچھلی کا کھانا میرے لیے حرام ہے، میں نے اس کی خواہش دل سے نکال دی ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنی ہے:

''جس کے دل میں کسی چیز کی خواہش پیدا ہو اور پھر اپنی خواہش پر قابو پالے اور وہ چیز ایثار کر کے کسی دوسرے کے حوالے کر دے تو اس کی مغفرت ہو جاتی ہے''۔ (کشف المحجوب)

مزید نقل کیا ہے کہ میں نے شیخ احمد حماد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کی توبہ کی ابتداء کس طرح ہوئی تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک دفعہ میں اونٹوں سمیت صحرا نشین ہو گیا اور کافی مدت تک وہاں مقیم رہا۔ میں اکثر اوقات فاقوں میں بسر کرتا اور اپنا کھانا دوسروں کو دے دیتا تھا یہ بات مجھے بہت پسند تھی کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وقف

یعنی ایسے مردان خدا بھی ہیں جو نفس کشی کر کے اپنا حصہ دوسروں کو دے دیتے ہیں حالانکہ خود حاجت مند ہوتے ہیں۔ غرضیکہ مجھے صوفیاء کرام کے مجاہدات سے محبت تھی۔ ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بھوکا شیر آیا اور میرے اونٹ کو مار کر ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور دھاڑنے لگا، اس کی آواز سن کر جنگلی جانور جمع ہو گئے۔ یہ دیکھ کر شیر نیچے اتر آیا اور اونٹ کے ٹکڑے کر کے پھر ٹیلے پر جا کر بیٹھ گیا اور تمام جنگلی جانوروں مثلاً گیدڑ، لومڑی، بھیڑیا وغیرہ نے پیٹ بھر کر گوشت کھایا۔ جب سب جانور سیر ہو گئے تو شیر ٹیلے سے اُتر کر نیچے آیا اور گوشت کھانے ہی والا تھا کہ ایک لنگڑی لومڑی نمودار ہوئی۔ اسے دیکھ کر شیر پیچھے ہٹ گیا اور ٹیلے پر جا بیٹھا۔ جب لومڑی نے پیٹ بھر کر گوشت کھا لیا تو شیر نے نیچے اتر کر گوشت کھانا شروع کر دیا۔ میں دور کھڑا یہ نظارہ دیکھتا رہا۔ جب شیر پیٹ بھر کر کھا چکا تو میری طرف دیکھ کر زبانِ حال سے کہنے لگا کہ اے احمد! لقمہ خیرات کرنا تو کتوں کا کام ہے، مردانِ خدا وہ ہیں جو دوسروں کے لئے اپنی زندگی نثار کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد میرے دل میں دنیا کی محبت سرد پڑ گئی اور توبہ کر کے راہِ حق میں مشغول ہو گیا۔

☆

حضرت داتا گنج بخش سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں عراق میں دنیا کو حاصل کرنے اور اُسے (حاجت مندوں میں) لٹا دینے میں پوری طرح مشغول تھا، جس کی وجہ سے میں بہت قرض دار ہوگیا جس کسی کو بھی کسی چیز کی ضرورت ہوتی، وہ میری طرف ہی رجوع کرتا اور میں اس فکر میں رہتا کہ سب کی آرزو کیسے پوری کروں۔ اندریں حالات ایک عراقی شیخ نے مجھے لکھا کہ اے عظیم فرزند! اگر ممکن ہو تو دوسروں کی حاجت ضرور پوری کیا کرو مگر سب کے لئے اپنا دل پریشان بھی نہیں کیا کرو کیوں کہ اللہ رب العلمین ہی حقیقی حاجت روا ہے اور وہ اپنے بندوں کے لئے خود ہی کافی ہے۔

☆

کتاب ''روضۃ الریاحین'' میں ہے، بغداد میں ایک تاجر رہتا تھا، وہ ہمیشہ صوفیاء کی برائی کرتا تھا، پھر ایسا وقت آیا کہ وہ ہر وقت صوفیاء کی صحبت میں رہتا اور اپنا مال اُن پر خرچ کر دیتا۔ اُس سے اِس تبدیلی پر سوال کیا گیا تو اُس نے بتایا: میں نے ایک دن جمعہ کی نماز پڑھی تو حضرت بِشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ تیزی کے ساتھ جامع مسجد سے نکل کر جا رہے ہیں، میں نے دل میں خیال کیا کہ دیکھوں تو سہی، یہ شخص جو بڑا صوفی مشہور ہے، تھوڑی دیر کے لیے مسجد میں کیوں نہ ٹھہرا اور کہاں جاتا ہے۔ حضرت بِشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے نانبائی سے نرم نرم روٹیاں خریدیں تو میں دل میں کہنے لگا کہ یہ صوفی ہیں؟ نرم نرم روٹیاں خریدتے ہیں، پھر کبابی کے یہاں سے ایک درہم کے کباب خریدے تو میرا غصہ اور زیادہ ہوگیا۔ پھر اُنہوں نے وہاں سے حلوائی کے پاس آ کر ایک درہم کا فالودہ خریدا۔ میں اپنے دل میں کہتا تھا جب یہ کھانے بیٹھے گا تو میں اِس پر عیش تلخ کر دوں گا۔ اُنہوں نے جنگل کا راستہ لیا تو میں نے خیال کیا کہ اب یہ سبزہ زار تلاش کرتا ہے، وہاں بیٹھ کر آرام سے کھائے گا۔ چنانچہ میں بھی اُن کے پیچھے پیچھے ہولیا، وہ عصر تک چلتے رہے۔ عصر کے وقت ایک گاؤں میں پہنچے اور ایک مسجد میں داخل ہوگئے، وہاں ایک مریض تھا، اُس کے سرہانے بیٹھ کر

اُسے کھانا کھلانے لگے۔ میں گاؤں دیکھنے کے ارادے سے باہر نکلا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس لوٹا تو اُنہیں وہاں نہ پایا۔ میں نے اُس مریض سے پوچھا کہ حضرت بشر کہاں گئے؟ اُس نے کہا کہ وہ تو بغداد کو واپس لوٹ گئے۔ میں نے دریافت کیا کہ بغداد کا یہاں سے کس قدر فاصلہ ہے؟ اُس نے کہا چالیس فرسخ یعنی پانچ منزل ہیں۔ میں نے کہا: اناللہ وانا الیہ راجعون۔ میں نے اپنے اوپر یہ کیا مصیبت ڈالی، نہ میرے پاس اتنے دام ہیں، جو کوئی سواری کرایہ پر کروں، نہ اتنی طاقت ہے کہ اتنی دور تک پیدل چل سکوں۔ اُس مریض نے کہا: اُن کے دوبارہ آنے تک یہاں قیام کرو، چنانچہ دوسرے جمعہ تک میں وہاں رہا اور بشر اُسی وقت پر پہنچے اور اُن کے ساتھ وہی مریض کی خوراک تھی۔ جب کھلا چکے تو اُس مریض نے کہا: اے ابونصر! یہ شخص تمہارے ساتھ پچھلے جمعہ کو آیا تھا اور ایک ہفتہ سے یہاں پڑا ہوا ہے، اِسے واپس پہنچا دو۔ تب حضرت بشر نے مجھے ناراضگی سے دیکھا اور کہا: کیوں میرے ساتھ آیا تھا؟ میں نے کہا: خطا ہوگئی، کہا: اُٹھ چل۔ تب میں اُن کے پیچھے مغرب تک چلا، جب شہر کے قریب پہنچے تو پوچھا: تمہارا محلّہ کونسا ہے؟ میں نے کہا: فلاں محلّہ ہے۔ کہا: اچھا جاؤ، پھر دوبارہ ایسا مت کرنا۔ جب سے میں نے توبہ کی اور اِن کی صحبت اختیار کی اور اُسی توبہ پر آج تک قائم ہوں۔ سبحان اللہ

☆

کتاب ''مخزن اخلاق'' میں ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک رات غیر آباد مسجد میں گئے جس کے دروازے ٹوٹ پھوٹ چکے تھے، دیکھا کہ تین مسلمان بھائی سو رہے ہیں، سردی نہایت سخت تھی، آپ کو بے حد فکر لاحق ہوئی گویا خود سردی میں ٹھٹھر رہے ہیں، حالانکہ اپنے جسم پر تن ڈھانپنے اور ستر چھپانے کے علاوہ کوئی کپڑا نہیں تھا۔ یہ وہی ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے رضائے الٰہی کی تلاش میں بادشاہت چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی تھی۔ ایک وقت تھا جب ایک جوڑا نہیں بیسیوں قیمتی اور اعلیٰ قسم کے لباس پہننے کو موجود تھے۔ مخمل کی رضائیاں اور بستر تھے۔ کمرے کو گرم رکھنے کے لیے انگیٹھیوں کا انتظام تھا مگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا یہ بندہ حکومت و

اقتدار چھوڑ کر راہِ فقر اختیار کر چکا تھا۔ جو لذت و سرور اور راحت و سکون اِس راہ میں ملا، اُس کے سامنے دنیا بھر کی بادشاہت بھی حقیر ہے۔ بہر حال اپنے بھائیوں کو سردی سے بچانے کے لیے حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کچھ نہ تھا، البتہ یہ کیا کہ اپنے جسم اور وجود ہی کو سردی سے بچاؤ کے لیے ڈھال بنایا اور ساری رات دروازے میں ہاتھ پھیلا کر کھڑے رہے تاکہ ٹھنڈی ہوا اندر نہ جائے۔ صبح درویشوں کی آنکھ کھلی تو حضرت کو اِس طرح کھڑا دیکھ کر بہت متعجب ہوئے اور عرض کیا: حضرت! آپ نے اِس سخت سردی میں یہ تکلیف کیوں اٹھائی اور ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: سرد ہوا چل رہی تھی، میرے پاس تمہیں سردی سے بچانے کے لیے اور تو کچھ نہ تھا البتہ میرے بس میں یہ تھا کہ اپنے آپ کو دروازے میں کھڑا رکھوں شاید اِس طرح تمہیں کچھ سکون ملے اور سردی کی شدت میں کمی واقع ہو جائے۔

☆

کتاب ''عوارف المعارف'' میں ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ (بلخ کی حکومت کو چھوڑ کر درویشی اختیار کرنے کے بعد) کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے اور اس سے جو آمدنی ہوتی وہ اپنے ساتھیوں یا خانقاہ میں مقیم لوگوں کو کھلاتے تھے۔ آپ کے ساتھی دن بھر روزہ رکھتے اور رات کو آپ کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے، بعض اوقات یوں ہوتا کہ آپ دیر سے واپس لوٹتے، ایک دن دیر ہونے پر ساتھیوں نے سوچا کہ کیوں نہ آج حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے آنے سے پہلے ہی لنگر کھا لیا جائے تاکہ آئندہ حضرت جلدی تشریف لایا کریں۔ درویشوں نے کھانا تیار کیا اور آپ کی آمد سے پہلے ہی کھا کر سو گئے۔ آپ رات کو پہنچے تو سب کو سوتے دیکھ کر سوچا، شاید بے چارے بھوکے ہی سو گئے ہیں، چنانچہ آٹا گوندھا اور روٹیاں پکانا شروع کر دیں۔ اتنے میں آپ کے ساتھیوں کی آنکھ کھل گئی تو دیکھا کہ آپ رخسار زمین پر رکھے آگ میں پھونکیں مار رہے ہیں۔ انہوں نے اصل صورتِ حال بتائی تو فرمایا: میں نے سوچا کہ شاید تم لوگ بھوکے ہی سو گئے ہو۔ اب آنسو ساتھیوں کی آنکھوں سے ٹپک رہے تھے اور دل ہی دل میں بے حد نادم ہو رہے تھے کہ دیکھو!

ہم نے کیا سوچا اور حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ساتھ کیسا محبت وشفقت آمیز اور احساس بھرا رویّہ برت رہے ہیں۔

☆

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ ہاتھ میں رجسٹر لئے ہوئے ہے اور کچھ لکھ رہا ہے۔ میں نے پوچھا کیا لکھ رہے ہو۔ فرشتے نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے نام لکھ رہا ہوں ۔ میں نے پوچھا کہ میرا نام بھی لکھا ہے؟ کہا نہیں، میں نے کہا اگرچہ میں خدا کے دوستوں میں سے تو نہیں ہوں لیکن اس کے بندوں سے پیار کرتا ہوں۔ میں فرشتے سے یہ کہہ ہی رہا تھا کہ فرشتے کو حکم ملا کہ دفتر کو پھر سے لکھو اور سب سے اوپر ابراہیم ادھم کا نام لکھو کیونکہ یہ ہمارے بندوں سے پیار کرتا ہے۔ عظیم مفکر، قلندرِ لاہور، علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اِسی لیے کہا: ؎

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اُس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

☆

شہبازِ طریقت، حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب تونسہ شریف میں مستقل سکونت فرمائی تو اس وقت حالت یہ تھی کہ رہنے کے لئے کوئی مکان نہ تھا، فقط ایک جھونپڑی تھی، جس میں آپ فقر و فاقہ سے شغل فرماتے تھے مگر کچھ عرصہ کے بعد جب بڑے بڑے امراء، وزراء، نواب اور جاگیردار آپ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہونے لگے تو کچھ فتوح (نذرانوں) کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا اور دنیا کی ہر نعمت آپ کے قدموں میں آتی گئی، لیکن ان تمام نعمتوں کے باوجود استغنا اور مخلوقِ خدا کی خدمت کا یہ جذبہ تھا کہ آپ کے قائم کردہ آستانہ عالیہ سلیمانیہ میں ہزاروں طلبہ، درویش، مہمان اور مسافر ہر روز لنگر سے کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کے علاوہ بھی ضروریاتِ زندگی کی ہر چیز موجود ہوتی تھی اور بیماری کی حالت میں ادویات بھی لنگر سے بلا معاوضہ

ملتی تھیں۔

☆

اسلام نے صرف انسانوں سے حسن سلوک کرنے کا درس نہیں دیا بلکہ چارپایوں اور جانوروں سے بھی حسن سلوک کی تلقین ہے۔ اِسی لیے احادیث میں بیان کیا گیا ہے کہ کتے کو پانی پلانے سے انسان کی بخشش ہو جاتی ہے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پیشواء، حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ ایک شب تہجد کی نماز کے بعد بستر کی طرف بڑھے، دیکھا کہ بلی سردی کے خوف سے لحاف میں دبکی پڑی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ گوارا نہ فرمایا کہ بے زبان کو تکلیف دیں اور بقیہ رات پٹی سے لگ کر بسر کی اور سردی برداشت کرتے رہے جبکہ بلی مزے سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بستر میں آرام کرتی رہی۔

خدمتِ خلق اور حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

اولیاء کو جب کسی جگہ خدمتِ خلق کا موقع میسر آتا ہے تو وہ ہرگز نظر انداز نہیں کرتے بلکہ اِس عمل کو بلندیء درجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ کتاب ''خزینہء معرفت'' میں لکھا ہے کہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ قصور تشریف لے گئے، آپ اپنے دوستوں کے ساتھ قبرستان جا رہے تھے کہ راستے میں ایک بازار صاف کرنے والی عورت ٹوکری میں کوڑا کرکٹ جمع کر کے کھڑی تھی، اُس کی گود میں ایک بچہ بھی تھا، وہ اکیلی تھی اور ٹوکری اٹھانا چاہتی تھی لیکن گود میں بچہ ہونے کی وجہ سے پریشان تھی، حضرت کی نظر پڑی تو ایکدم آگے بڑھے اور اپنے ہاتھوں سے اُس کی مدد کر کے ٹوکری اٹھوا دی اور ساتھیوں کو حیرت کی انتہا نہ رہی لیکن آپ پھر اُن کے ہمراہ قبرستان کی طرف چل پڑے۔

☆

صوفی محمد ابراہیم قصوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ شرق پور شریف میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی، ایک شخص اس موذی مرض میں مبتلا ہو کر چل بسا۔ لوگ اس کی میت چھوڑ کر بھاگ

گئے۔سب ڈرتے تھے کہ کہیں وہ خود اس مرض میں مبتلا نہ ہو جائیں۔میت کسمپرسی کے عالم میں دیر تک پڑی رہی۔حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ملی تو ایک خادم کو ہمراہ لے کر اس مکان میں پہنچ گئے اور میت کو لے کر ایک قریبی مسجد کی طرف بڑھے تو لوگوں نے مسجد کے کنوئیں پر میت کو غسل دینے سے روک دیا۔آپ میت کو لے کر ایک اور کنوئیں پر گئے وہاں بھی لوگوں نے رکاوٹ ڈالی۔آخر آپ نے کنوئیں سے دور ایک کھیت میں میت کو رکھ کر وہاں اُسے غسل دیا، گھڑوں میں پانی بھر بھر کر لے جاتے رہے اور خود ہی اس کی تدفین کا انتظام کیا۔انسانی ہمدردی کا یہ جذبہ خاصانِ خدا میں ہی نظر آتا ہے۔

☆

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حسنِ سلوک صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ جانوروں سے بھی شفقت اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔کبھی ہاتھ سے روٹیاں کتوں میں تقسیم فرماتے اور کبھی بوجھ اٹھانے والے گدھوں کے پاؤں دبانے لگتے۔ایک دفعہ شدید سردی کا موسم تھا کہ ایک کتیا نے بچے دیے۔آپ نے دیکھا کہ وہ سردی کے باعث کانپ رہی ہے اور پریشان کن حالت میں ہے۔آپ گھر تشریف لے گئے اور فوراً تر و تازہ حلوہ تیار کرنے کا حکم دیا۔اہلِ خانہ نے نو وارد مہمانوں کے تصور سے تعمیل حکم کرتے ہوئے تر و تازہ حلوہ تیار کر دیا۔جب حلوہ ٹھنڈا ہو گیا تو آپ باہر تشریف لے گئے اور فوراً اس حالت میں واپس تشریف لائے کہ ایک کتیا اور اس کے بچے آپ کے ساتھ تھے۔آپ نے حلوہ کا برتن کتیا کے سامنے رکھ دیا اور اس کو کھانے کا حکم دیا۔آپ نے اس کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ ''تمہیں سردی نے پریشان کیا، تم اور کھاؤ، تم اور کھاؤ۔'' پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اُسے مزید سردی سے بچانے کے لیے اُس پر کمبل کا ٹکڑا ڈال دیا۔(محمد امین شرقپوری، مولانا: تذکرہ اولیائے نقشبند ص 382)

☆

سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق آپ نہ صرف انسانوں پر بلکہ جانوروں پر بھی

مہربان تھے۔ حضرت شیر ربانی شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی والدہ صاحبہ سے عرض کیا: ''اماں جان! مجھے سردی محسوس ہو رہی ہے''۔ والدہ محترمہ نے آپ کو ایک لحاف اوڑھا دیا۔ دوبارہ عرض کیا: ''اب بھی سردی محسوس ہو رہی ہے'' انہوں نے دوسرا لحاف بھی آپ پر ڈال دیا۔ تیسری بار پھر کہا: ''اماں جان! سردی سے افاقہ نہیں ہوا''۔ فرمایا: ''کیا آج ہمارے ہاں کوئی مہمان آیا ہے؟'' جواب دیا گیا کہ: ''مہمان آیا ہے''۔ فرمایا اسے چارپائی اور بستر دیا ہے؟'' جواب ملا: 'ہاں! دریافت فرمایا: کیا اس کے ساتھ کوئی جانور بھی ہے؟ جواب دیا گیا: ''ہاں، اُس کے ساتھ ایک گھوڑا ہے''۔ آپ نے فرمایا: ''اس کے لیے سردی سے بچنے کا انتظام کریں۔ جب اسے سردی نہیں لگے گی تو میرا جاڑا بھی کم ہو جائے گا''۔

خدمتِ خلق اور حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ

لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بُرے انسان سے نفرت کرتے ہیں مگر اللہ کے برگزیدہ بندے بُرے لوگوں سے نفرت نہیں کرتے بلکہ اُن کے اندر پائی جانے والی برائی کو ناپسند کرتے ہیں۔ اللہ والوں کے اندازِ محبت کے پیچھے ایک حکمت یہ بھی ہوتی ہے کہ بعض اوقات کسی انسان کے ظاہری عیوب کے اجتماع میں کوئی حیرت انگیز نیکی بھی چھپی ہوتی ہے جسے صرف وہی آنکھ دیکھ سکتی ہے جو بے پناہ جذبۂ محبت سے لبریز ہو۔ ایک دفعہ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے آبائی گاؤں، ''کرموں والا'' (فیروز پور، ہندوستان) کا واقعہ ہے کہ وہاں ایک ڈوگر رہتا تھا جس نے کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا تھا اور اس میں تمام شرعی عیب موجود تھے۔ وہ خود ہی کہتا تھا کہ جب میں مروں گا تو میری قبر سے آگ کی لاٹ نکلے گی۔ وہ رمضان شریف کے آخری جمعۃ المبارک کو فوت ہو گیا۔ گاؤں کے لوگوں نے اُس کا جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے یہ فاسق و فاجر تھا، زندگی میں کوئی نیک کام نہیں کیا۔ جب یہ بات حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں آئی تو آپ نے فرمایا: بیلیو! ڈوگر فوت ہو گیا ہے اسکا کفن دفن کا بندوبست کرو۔ نماز جمعہ کے بعد حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ نے فرمایا کہ اُس کی نماز

جنازہ میں نزول ملائکہ اتنا ہوا کہ تِل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ بیلیو! اِس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شخص ہر جمعرات کو اپنی روٹی پر فاتحہ پڑھ کر کملی والے آقا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر بزرگانِ دین کی بارگاہ میں ثواب پیش کیا کرتا تھا۔

☆

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ دوسروں کو کھانا کھلا کر ہمیشہ بیحد خوشی محسوس فرماتے۔ کسی کو کھانا کھلانے یا پانی پلانے سے رزق میں کمی نہیں آتی بلکہ اللہ تعالیٰ اور برکت عطا فرماتے ہیں۔ آپکے ایک خادم مولوی محمد رفیق (جنہیں محبت سے مولوی ''سرخا'' بھی کہا جاتا، کیونکہ ان کا رنگ سرخ وسفید تھا) نے ایک مرتبہ ایک ملنے والے کے ذکر پر کہا کہ وہ اپنے لئے جو کھانا پکاتے ہیں، اگر نوکروں کو اس سے ذرا سستا قسم کا کھلا دیا کریں تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ''مولوی صاحب! ایسا مت کہئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بڑی برکتیں دے گا'' بعض اوقات صاحبِ خانہ کی مجبوری کے پیش نظر اسے کھانے پر کم خرچ کرنے کا ارشاد بھی فرماتے کیونکہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کبھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی بھی بیلی (مرید) زیر بار ہو۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خورد ونوش کے معاملے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی بھر بڑی احتیاط فرمائی اور ماسوائے چند خدام کے (مختلف شہروں اور جگہوں پر) کسی کے ہاں اقامت یا کھانے کی دعوت قبول نہ فرماتے اور یہی کوشش ہوتی کہ جلد اپنے گھر واپس پہنچ جائیں۔

☆

کتاب ''میری سرکار'' میں میر منظور محمود وارثی کا بیان ہے کہ ''نفیس خلیلی مرحوم'' پاک وہند کے معروف شاعر تھے مگر نظمیں اکثر پیروں فقیروں کے خلاف کہا کرتے۔ تاہم پھر بھی حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کا بہت احترام مدنظر رکھتے تھے۔ آپ کا ذکر آجاتا تو مؤدب ہو بیٹھتے۔ ایک دن میں نے کریدا تو کہنے لگے۔ بھائی میں حضرت کرماں والا کو دل سے مانتا ہوں۔ وہ سچے ولی ہیں۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے۔ ''ہمارے دفتر میں ایک پریشان حال کلرک تھا۔

تنخواہ تھوڑی تھی اور عیال بہت۔ اکثر مقروض رہا کرتا۔ بہت سے پیروں فقیروں کے ہاں گیا' دعائیں کرائیں' تعویذ لکھوائے۔ لیکن حالات سدھر نہ سکے۔ کسی نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا پتہ بتایا تو ان کے گاؤں کرماں والے پہنچ گیا۔ حضور کی مجلس میں ہجوم تھا۔ اس نے سوچا کہ جب ذرا تخلیہ ہوگا تو اپنی مصیبت عرض کروں گا۔ ادھر حضور رحمۃ اللہ علیہ پر یہ سب کیفیت کہے بغیر روشن تھی۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دوسرے کمرے میں لے گئے۔ پھر اپنے دامن سے کچھ نوٹ نکال کر عطا کیئے اور فرمایا۔ ''لو بابو جی! سر دست یہ ہزار روپے موجود ہیں پھر کسی موقع پر اور مل جائیں گے۔ گھبراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ کارساز ہے۔''

لنگر جاری کرنا

بھوکے کو کھانا کھلانا (اطعام طعام) اسلام کا محبوب ترین عمل ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کس قسم کا اسلام بہتر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کھانا کھلانا اور سلام کرنا (خواہ جانتے ہو یا نہیں جانتے)۔ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو آپ نے تب بھی سب سے پہلے کھانا کھلانے (لنگر جاری کرنے) کے لیے ارشاد فرمایا یہاں تک کہ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری سے بھی نہیں اُترے تھے۔ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانا کھلانا (لنگر جاری کرنا) کس قدر پسند تھا۔

اِسی لیے خانقاہ پر لنگر جاری کرنا صوفیاء کا محبوب طریقہ رہا ہے جو ہنوز جاری وساری ہے۔ خانقاہوں میں تیار ہونے والے کھانے یعنی لنگر سے بندگانِ خدا بلا امتیازِ مذہب وملت سیراب ہوتے آئے ہیں۔ اگرچہ خانقاہ کے معنی عبادت کا گھر ہوتے ہیں لیکن خانقاہ سے ہر قسم کے تشنگان سیراب ہوا کرتے ہیں۔ ہر طالب کے طلب کی تکمیل ہوتی ہے۔ طالبِ خوراک کو غذا، طالبِ عقبیٰ کو عقبیٰ اور طالبِ مولیٰ کو مولیٰ حاصل ہوتا ہے۔ آج بھی معروف خانقاہوں پر کھانا کھلانے (لنگر جاری کرنے) کا سلسلہ چل رہا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ،

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سمیت کئی معروف خانقاہیں اِس حقیقت کی ایک مثال ہیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں آپ کی خانقاہ میں روزانہ اس قدر کھانا تیار کیا جاتا تھا کہ جس کے پکوان میں 70 من نمک خرچ ہوتا تھا۔ آپ کی خانقاہ میں جب بھی دسترخوان لگایا جاتا تو عمدہ سے عمدہ کھانا وہاں موجود ہوتا۔ مخبروں نے بادشاہِ وقت کو خبر دی کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں روزانہ بے حساب کھانا پکتا ہے جس کے سارے اخراجات امراء کے پیش کردہ نذرانوں سے پورے کئے جاتے ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ نے فرمان جاری کر دیا کہ کوئی بھی شخص خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو نذرانہ پیش نہیں کرے گا، جب آپ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے لنگر کا انتظام کرنے والے خادم سے فرمایا کہ آج سے دوگنا مقدار میں کھانا تیار کیا جائے۔ آپ کے ایک مرید باصفا نے عرض کیا، حضور نہ ہی آپ کے پاس بہت زیادہ زمینیں، جاگیریں اور باغات ہیں اور نہ ہی کوئی تجارت یا ملازمت ہے کہ جس سے سارے اخراجات کی تکمیل ہو سکے تو پھر یہ کیسے ممکن ہو پائے گا؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا: ''میں ہر نماز کے بعد 70 مرتبہ ''**یا وھاب**'' کا ورد کرتا ہوں جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہماری ہر حاجت کو پورا فرماتا ہے اور جو کوئی بھی یہ عمل کرے گا، وہ ہمیشہ خوشحال رہے گا''۔

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز ارشاد فرمایا: ''مجھے فلاں کیمیا گر کے دو تین خط آ چکے ہیں کہ میں سونا بنانا جانتا ہوں اگر حکم ہو تو حاضر ہو جاؤں اور آپ کو نسخہ بتا دوں''۔ فرمایا: ''میں نے اسکو لکھا کہ مجھے تو سونا بنانے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس نیت پر آپ میرے پاس آئیں''۔ لیکن ایک روز وہ آ گیا۔ اس نے پھر وہی بات حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے تو اللہ کریم نے یہی کیمیا دی ہے کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف بھیجتا ہوں تو ایک مربع اراضی کی آمدنی کے برابر رقم اللہ کریم ہمارے لنگر کیلئے بھیج دیتا ہے''۔ (کتاب ''میری سرکار'')

مخلوق کو کھانا کھلانے کی رغبت رکھنے والے بندگانِ خدا کی اپنی خوراک بالکل سادہ ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں عمدہ عمدہ کھانے تیار کیے جاتے لیکن آپ کی غذا بالکل سادہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے یہ سوچا کہ جب دوسرے لوگوں کے لیے اتنے عمدہ کھانے تیار کیے جاتے ہیں تو پھر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے نامعلوم کس قدر زیادہ عمدہ و بہترین کھانے تیار ہوتے ہوں گے۔ جب وہ یہ دیکھنے کے لیے آپ کے دستر خوان پر حاضر ہوا تو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے سوکھی روٹی کے چند ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں اور آپ تناول فرما رہے ہیں۔

دراصل خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے دلوں میں فضلِ خداوندی کے باعث سخاو عطاء کی عادت (Nature of Giving) ہوتی ہے۔ وہ اپنے لیے بہت قلیل پر راضی ہوتے ہیں لیکن مخلوقِ خدا کے لیے اُن کے پاس جو کچھ میسر آئے، اُسے بے دریغ خرچ کر دیتے ہیں۔

☆

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سے مویشی تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت برکت عطا فرمائی تھی۔ قبیلہ بنو سلیم کے ایک شخص نے آ کر آپ سے عرض کیا، میں آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ اس کے بدلے میں اور تو کچھ نہیں کر سکتا البتہ آپ کے چرواہے کی کچھ مدد کر دیا کروں گا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا دوست، رفیق اور ساتھی وہ ہے جو میری اطاعت کرے۔ اگر کر سکتے ہو تو شوق سے رہ سکتے ہو۔

اس شخص نے عرض کیا: آپ کس کس کام میں اطاعت چاہتے ہیں؟

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بس تمہاری اطاعت یہ ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرنے کا حکم دوں تو بہتر سے بہتر مال خرچ کرنا۔

اس نے یہ حکم قبول کر لیا اور وہاں رہنے لگا۔ ایک روز حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کسی نے عرض کیا: ''فلاں طرف جنگل میں کچھ غریب لوگ رہتے ہیں۔ ان کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں

ہے''۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنے رفیق سلیمی کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: میرے اونٹوں میں سے ایک اونٹ لے آؤ۔

چنانچہ وہ جنگل کی طرف گئے اور ایک ایسا بہترین اونٹ منتخب کیا جو نہایت طاقت ور، جوان، خوب صورت اور سواری میں نہایت فرماں بردار تھا لیکن پھر دل میں سوچا کہ یہ اونٹ تو خود حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی سواری اور دیگر متعلقین کے لیے مفید اور کارآمد ہے، غریبوں کے کھلانے کے لیے ایسے اچھے اونٹ کی کیا ضرورت ہے؟ گوشت تو ہر اونٹ کا برابر ہی ہوتا ہے لہذا انہوں نے وہ اونٹ چھوڑ دیا اور ایک اونٹنی جو اس اونٹ سے نسبتاً کم خوبیوں والی تھی، مگر باقی تمام اونٹوں سے بہتر تھی، وہ اپنے ساتھ لی اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

آپ نے دیکھتے ہی فرمایا: سلیمی! تم نے خیانت کی۔

وہ سمجھ گئے اور فوراً واپس جا کر وہی بہترین اونٹ لے آئے جسے پہلے منتخب کرنے کے بعد چھوڑ دیا تھا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اُسے ذبح کرایا اور اپنے ساتھیوں سے ارشاد فرمایا: اس بستی میں جتنے لوگ ہیں، ان سب کے گھر شمار کر لو اور ان کے ساتھ ہی ابوذر کا (یعنی میرا) مکان بھی گن لو اور اس گوشت کو سب گھروں میں مساوی تقسیم کر دو، مگر دیکھنا، کہیں ابوذر کے گھر میں زیادہ گوشت نہ دینا۔

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے دوست سلیمی کو بلا کر اُس سے پوچھا: ''تم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں عمدہ مال خرچ کرنے کا جو وعدہ مجھ سے کیا تھا، اس وعدے کو جان بوجھ کر توڑا یا بھول گئے تھے؟''

سلیمی نے عرض کیا: میں بھولا تو نہیں تھا اور مجھے آپ سے کیا گیا وعدہ خوب اچھی طرح یاد ہے لیکن میں نے یہ خیال ضرور کیا تھا کہ یہ اونٹ آپ کی ضرورت کا ہے، اس لیے میں دانستہ

اسے چھوڑ آیا تھا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا اس اونٹ کو تم صرف میری ضرورت کی وجہ سے چھوڑ آئے تھے؟''

اُس نے عرض کیا: ''جی ہاں! صرف آپ کی ضرورت کی وجہ سے ہی اسے چھوڑا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ آپ کے لیے زیادہ کار آمد اور مفید ہوگا۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں اپنی ضرورت کا دن نہ بتاؤں؟ یاد رکھو! میری ضرورت کا دن وہ ہے جس روز مجھے قبر کے گڑھے میں اکیلا ڈال دیا جائے گا۔ جس دن میرے ساتھ میرے دوست احباب اور عزیز واقارب میں سے کوئی بھی نہیں ہوگا۔ اس دن میرا مال واسباب اور میری دولت سب کچھ یہیں رہ جائے گا اور میں وہاں تنہا ہوں گا، وہ ہے میری ضرورت کا دن!''

☆

خانقاہی نظام کے سرخیل بزرگ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے تمام اعمال کا جائزہ لیا تو ان میں (مخلوق خدا کو) کھانا کھلانے سے بڑھ کر زیادہ فضیلت والا کوئی عمل نہیں پایا۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا بھی میرے ہاتھ میں ہوتی تو اُسے بھوکوں کے کھانے میں استعمال کر لیتا۔''

☆

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بوڑھا شخص حاضر ہوا اور اُس نے عرض کیا کہ دعا فرمائیں، میں مدینہ طیبہ چلا جاؤں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کیوں جانا چاہتے ہو؟ اِس لیے جانا چاہتے ہو کہ وہاں موت آ جائے۔ اُس بوڑھے آدمی نے عرض کیا کہ جی سرکار، میں یہی چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اگر رب کریم راضی ہو تو جہاں بھی مرو گے، مدینہ پاک پہنچ جاؤ گے لیکن اگر رب کریم راضی نہ ہو تو مدینہ پاک میں بھی موت آئی تو فرشتے تدفین

کے بعد باہر نکال دیں گے۔ وہ بوڑھا آدمی خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ دیر توقف کرنے کے بعد پھر ارشاد فرمایا: ”میں تمہیں بتاؤں رب کریم کیسے راضی ہوتا ہے“۔ اُس نے فوراً عرض کیا، جی بتائیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ”رب کریم تو بڑی آسانی سے راضی ہو جاتا ہے۔ کسی بھوکے کو کھانا کھلا دو، رب کریم راضی ہو جاتا ہے“۔

☆

حضرت خواجہ شریف زندانی رحمۃ اللہ علیہ کا لنگر صبح سے رات گئے تک جاری رہتا، جو کوئی آتا کھانا کھا کر جاتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے اگر لنگر میں کچھ نہ ہو تو پانی سے تواضع کرو لیکن کوئی خالی نہ جائے۔ پھر فرمایا: ”زمین بھی سخی آدمی پر فخر کرتی ہے، جب وہ چلتا ہے تو نیکیاں اس کے نامہء اعمال میں لکھی جاتی ہیں“۔ (انیس الارواح، ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ)

☆

حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں ایک مرتبہ لنگر خانے کے ایک باورچی نے عرض کی کہ حضور! اِس مہینہ میں پانچ سو روپیہ صرف درویشوں کی دوائی پر خرچ ہو گیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر پانچ ہزار روپے بھی خرچ ہو جائیں تو مجھے اطلاع نہ دی جائے، درویشوں اور طالب علموں کی جان کے مقابلہ میں روپے پیسے کی کوئی حقیقت نہیں۔

(بحوالہ نافع السالکین، تذکرۂ خواجگانِ تونسوی)

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے کہ ہزاروں افراد روزانہ آپ کے لنگر سے کھانا کھاتے تھے۔ کچھ ضرورت مند ایسے تھے جو یہاں نہیں آسکتے تھے تو اُن کے گھر کھانا بھیج دیا جاتا تھا۔ کچھ لوگوں کو ماہانہ راشن بھیجا جاتا تھا۔

☆

گنجِ کرم، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین، شیخ المشائخ باباجی سیّد میر طیب علی شاہ بخاری (سجادہ نشین حضرت کرماں والا شریف) نے ایک مجلس میں مجھ حقیر راقم (پیر

ثناء اللہ طیّبی) سے استفسار فرمایا کہ لنگر شریف کے اخراجات کیسے چل رہے ہیں ؟ عرض کیا: ''حضور! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے''۔ آپ نے فرمایا: ''جو کچھ آتا ہے، کیا خرچ کر دیا جاتا ہے؟'' عرض کیا: ''جی حضور! سب کچھ خرچ ہو جاتا ہے''۔ آپ نے فرمایا: ''میرا دل کرتا ہے کہ صبح ایک ارب روپیہ ہو اور شام تک سارا خرچ ہو جائے اور کیا یہ بات اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعید ہے؟ کہ اگلی صبح پھر ایک ارب روپیہ عنایت فرمادے''۔

(مرشد کی باتیں، بروز منگل ۲۶ شعبان المعظم ۱۴۲۵ ہجری 12 اکتوبر 2004ء)

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کا لنگر

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں لوگ دور ونزدیک سے حاضر ہوتے۔ آپ کا وسیع لنگر خانہ مہمانوں کے لئے شب وروز کھلا رہتا۔ کم از کم اس دور میں اتنے وسیع عریض لنگر کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ یہ کبھی گوارا نہ فرماتے کہ کوئی وہاں حاضر ہو اور وہاں سے بھوکا پیاسا چلا جائے بلکہ یہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی ادنیٰ کرامت تھی کہ اکثر احباب حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دستر خوان کی ریزہ چینی کو سعادت سمجھتے اور لقمے کے حلق سے اُترتے ہی ان کے قلب کی کیفیت میں نمایاں تبدیلی آنے لگتی۔ اکثر مہمان یہ سمجھتے کہ شاید عام لنگر کے علاوہ خاص آدمیوں کے لنگر میں خاص کھانے مہیا کئے جاتے ہیں اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ خود بھی اپنے لئے کوئی پُر تکلف کھانا تیار کراتے ہیں لیکن یہ بات ہرگز نہیں تھی۔ عام لنگر کی چیزیں خاص لنگر (جو چند مخصوص اصحاب کے لئے ہوتا تھا) میں بھی مہیا کی جاتیں۔ ہاں ایک آدھ سبزی زائد ہوتی۔

☆

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید تھے، جن کا نام مولوی محمد یونس (کیمبل پور) تھا، وہ بیان کرتے ہیں کہ 1947ء میں تقسیمِ ہند سے پہلے میں حضرت صاحب

قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اچھے والا (فیروز پور) حاضر ہوا۔ اس جگہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیلیوں کی سہولت کے لیے فیروز پور کے قریب ''اچھے والا'' میں اقامت اختیار فرمائی۔ نئی جگہ کے سبب لنگر وغیرہ کا انتظام ابھی مکمل نہ ہوا تھا چنانچہ جو کھانا سہولت سے تیار ہوتا، وہی زائرین کو دیا جاتا اور وہ نعمت سمجھ کر قبول کرتے۔ اس روز ہم سب کو روٹی کے ساتھ پیاز کی چٹنی تقسیم ہوئی تھی جسے بصد شکر کھالیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر جب حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: ''مولوی صاحب! آج تو ہمارے پاس لنگر میں بس پیاز ہی تھی''، میں نے اور دوسرے حاضرین نے عرض کیا: حضور! لنگر شریف کے کھانے کا مزہ آج پہلے سے کہیں زیادہ آیا ہے اور بات بھی ٹھیک تھی۔

☆

آپ کے لنگر میں شفاء ہی شفاء ہے۔ بڑی بڑی مہلک بیماریوں میں مبتلا لوگ حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوتے تو آپ اُنہیں لنگر شریف کھانے کا تاکید فرمایا کرتے۔ اکثر اوقات لنگر کی روٹی کے بچے کھچے ٹکڑے کھانے کا حکم ہوتا اور مریض و بیمار جیسے جیسے وہ ٹکڑے کھاتا جاتا، صحت یاب ہوتا جاتا۔ بعض اوقات ٹی بی کے مرض میں مبتلا لوگ آ جاتے اور بتاتے کہ ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے دیا ہے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ اُنہیں لنگر کی لسی کا بڑا پیالہ پینے کی تاکید فرماتے۔ اگر کوئی ڈاکٹر وہاں بیٹھا ہوتا اور وہ اِس بات پر اعتراض کرتا کہ لسی تو اِس کے لیے مناسب نہیں ہے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کریمانہ انداز میں ارشاد فرماتے کہ لنگر شریف میں شفاء کے علاوہ کچھ نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا اور ٹی بی کا مریض لسی کا بڑا پیالہ پی کر شفایاب ہو جاتا۔ لنگر شریف ہمیشہ مٹی کے برتنوں میں ہی پیش کیا جاتا اور کھلایا جاتا تھا۔

☆

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید تھے، جن کا نام منشی محمد اسماعیل (مدرس عارف والا) تھا، وہ بیان کرتے ہیں کہ اُن کو ایک مرتبہ طحال کا عارضہ لاحق ہوا۔ اُنہوں نے

بیماری کے متعلق حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا۔ سرکار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے گا''۔ صرف ایک دو دن یہاں رہ کر پانی پیو اور لنگر کی روٹی کھاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ حضور کی دعا سے دو دن میں آرام آ گیا۔ سیاہ دست آنے شروع ہوئے اور تلی کا عارضہ کافور ہو گیا۔

☆

حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں لنگر کا کھانا غیر مسلم افراد کے لیے بھی وسیع تھا، وہ بھی محروم نہ تھے۔ اِسی ضمن میں حکیم قاضی علی احمد انصاری نے بیان کیا کہ ایک دن وہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ قریب ہی ایک نحیف الجثہ نوجوان بیٹھا تھا۔ اچانک اپنے سینے کی جانب نظر دوڑا کر ہنسنے لگا۔ میں نے اس سے ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا کہ ''میں ہندو ہوں اور آٹھ دس دن سے یہاں آیا ہوا ہوں، میں سل اور دِق کا مریض تھا اور حکیموں و ڈاکٹروں نے مجھے لاعلاج قرار دے دیا تھا۔ لیکن میں یہاں لنگر کا کھانا کھاتا ہوں اور اب کافی تندرست ہو گیا ہوں'' پھر اس نے کہا کہ آپ کی بڑی مہربانی ہو گی اگر آپ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا کچھ پس خوردہ مجھے لا دیں تاکہ میری سب بیماریاں ہمیشہ کے لیے جاتی رہیں، پھر میں اجازت لے کر گھر چلا جاؤں گا۔'' (کتاب ''میری سرکار'')

☆

اللہ والے تالیفِ قلوب کی خاطر اپنے احسانات کو ذمہ داریاں بنا کر پیش کرتے ہیں تاکہ جس پر مہربانی کی جا رہی ہے، اُسے بوجھ کا احساس شرمندہ نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ خانقاہوں میں ایک ہی دسترخوان پر امیر غریب سب ہی بیٹھ کر لنگر کھا رہے ہوتے ہیں لیکن کسی کی عزتِ نفس مجروح نہیں ہوتی کیونکہ سب ہی لنگر کو تبرک سمجھ کر کھا رہے ہوتے ہیں۔

حضور گنج کرم، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں اگر کوئی ایسی بات عرض کر دیتا کہ جس سے لنگر شریف کھلانا ایک احسان کے طور پر بتایا جاتا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ

بڑے ہی مشفقانہ وکریمانہ انداز میں انتہائی پیار سے ارشاد فرماتے، ''بھئی! یہ تو آپ کی مہربانی ہے کہ آپ یہاں آئے اور لنگر کھالیا ورنہ مجھے آپ کے حصے کا کھانا آپ تک پہنچانے کے لیے آپ کے پاس پہنچنا پڑتا''۔

☆

بابا جی سیّد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا لنگر شریف

کتاب ''معدن کرم'' میں ہے کہ حضور گنجِ کرم، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے بابا جی سیّد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس محمد یوسف پہلوان نامی ایک شخص حاضر ہوا، ملاقات کے بعد گھر واپس جانے لگا تو ایک خادم سے بھوک کا اظہار کرتے ہوئے لنگر (کھانے) کے متعلق پوچھا، خادم نے کہا: ابھی لنگر تیار نہیں ہوا، چنانچہ وہ لنگر کھائے بغیر چلا گیا۔ جب لنگر تیار ہو گیا اور بابا جی سیّد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے پوچھا، کیا محمد یوسف لنگر کھا کر گیا ہے؟ بتایا گیا کہ اُس وقت لنگر تیار نہیں تھا، لہٰذا وہ بھوکا ہی چلا گیا۔ آپ نے فوراً کہا: میں بھی لنگر نہیں کھاؤں گا جب تک محمد یوسف نہیں کھائے گا۔ چنانچہ حاجی محمد شفیق (مرحوم) رات کے وقت لنگر لے کر محمد یوسف کے گھر پہنچے اور اُسے لنگر کھلایا۔ بعدازاں جب وہ واپس پہنچے تو قبلہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ نے لنگر شریف کھایا۔ محبت وشفقت سے بھرے ہوئے اپنائیت کے یہی انداز لوگوں کو کشاں کشاں اللہ کے اِن برگزیدہ بندوں کے پاس لے آتے ہیں اور پھر یہ اُن کے دلوں کو اللہ کریم جل شانہٗ کی طرف پھیر دیتے ہیں۔

جن کے سائل سب شاہ و گدا ہیں
یہ وہی حضرت کرماںؒ والے شہنشاہ ہیں